النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهاتهم

عاشقانِ رسول ﷺ کے ایمان افروز واقعات

اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کے خلیفۂ بلا فصل سیدنا صدیق اکبرؓ سے
لے کر غازی عامر چیمہ شہید تک کے ایمان پرور واقعات
تاریخ کے مستند حوالوں سے پیش کئے گئے ہیں

عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے

ایمان افروز واقعات

اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کے خلیفہء بلافصل سیدنا صدیق اکبرؓ
سے لے کر غازی عامر چیمہ شہید تک کے ایمان افروز واقعات
تاریخ کے مستند حوالوں سے پیش کیے گئے ہیں

مرتب: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

عمر پبلی کیشنز

A-1-یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ 38-اردو بازار لاہور پاکستان۔
فون: 042-7356963-0321407049

U/0111/08-10=03A-S/R

نام کتاب	:	عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان افروز واقعات
مرتب	:	مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی
باہتمام	:	حافظ محمد احمد چوہدری
اشاعت	:	اگست 2010ء
پرنٹرز	:	چوہدری پریس
ناشر	:	عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ 38-اردو بازار لاہور فون:37356963
قیمت	:	

ضروری گذارش: ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتے۔ تاہم انسان، انسان ہے، سہواً اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

ادارہ

آئینۂ مضامین

(پہلا باب)

صحابہ کرام اور صحابیات کے حضور ﷺ سے عشق ومحبت کی داستانیں

عشقِ رسول ﷺ

متاعِ دل و جان ہے

اللہ کا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے والدین بھی! ہم میں سے اکثر کے اجداد بھی مسلمان تھے، اور ہمیں اس پر فخر ہے، ہماری تمام تر عملی کوتاہیوں کے باوجود وہ ہستی ہمارے دلوں میں بستی ہے، جس کے نام پر دنیا بسائی گئی اور جس کے نام پر دنیا بستی ہے! اگر وہ ہستی ہمارے اور دیگر ارب ہا انسانوں کے دلوں میں نہ بستی ہوتی تو یقیناً یہ دنیا نہ بستی ہوتی، اس دنیا کا خالق اِسے نہ بسنے دیتا، آئندہ بھی جب کبھی دنیا والوں کے دل اس دلبر کی محبت سے خالی ہو گئے تو اُس دلبر کے خالق کا وعدہ ہے کہ وہ اِس بستی کو زیادہ دیر نہیں بسنے دے گا، ایک صبح، علی الصبح صورِ اسرافیل کی دہشت ناک سُریں ان کھنڈر دلوں کو پھاڑ دیں گی، زمین ایک ہیبت ناک دھماکے سے پھٹ جائے گی، ساتوں آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے منکدر ہو جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے، دنیا بھر کی تمام مؤنثات اور دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حمل گرا دیں گی، مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانا بھول جائیں گی اور اللہ کا باغی، رسول سے بیگانہ انسان اپنی زندگی کے چند آخری لمحوں میں دیواروں سے ٹکراتا اور نشے میں جھولتا دکھائی دے گا، اللہ کی قسم! اے مخاطب تو لوگوں کو نشے میں پائے گا، اور یہ محض نشہ نہیں ہوگا، اللہ کے عذابِ شدید کا خمر ہوگا، اور یہی دنیا کے نکبت بار انجام کا آغاز ہوگا۔

اللہ کی مشیت یہ ہے کہ اُس کی بنائی ہوئی زمین پر اُسی کا نام گونجے لیکن ساتھ ہی

اُس کے حبیب کا نام بھی ہو، تبھی تو اللہ نے اپنے حبیب ومحبوب سے فرمایا ''ورفعنا لک ذکرک'' اور یہی وجہ ہے کہ بقول مولانا عبدالسمیع بیدل۔

تکبیر میں کلمہ میں نمازوں میں اذاں میں
ہے نامِ الٰہی سے مِلا نامِ محمد (ﷺ)

محمد نام ہمیں جان سے پیارا ہے، دنیا بھر کے کفار وفجار اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، اور اِس سے خائف ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اِس نام کی محبت کو ہمارے دلوں سے نکال دیں گویا وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اجسام سے روح نکال دیں۔ ناراضگی معاف کبھی کبھار ان کی دھونس دھمکی اور دھاندلی ہم میں سے بعض خوابیدہ ضمیر لوگوں کو اس خودکشی پر آمادہ بھی کرلیتی ہے، اور بعض نمک حرام لوگ دولت کی ہوس میں اندھے ہوکر ان کے آلۂ کار بھی بن جاتے ہیں، لیکن امت کا اجتماعی ضمیر ایسے ملعونوں کو اپنی صف سے نکال کر واصل جہنم کرنے میں دیر نہیں لگاتا!

گذشتہ چودہ سو سالوں میں ابوجہل اور اس کی معنوی ذریت نے اس مقصد کے حصول کے لئے کیا کچھ نہیں کیا؟ تاریخ اپنا ریکارڈ محفوظ رکھتی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی اس باب میں مزید اضافہ ہوگا، البتہ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ من حیث الامہ ہماری زندگی اور صحت کا اصل راز محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے میں ہے، نام کی محبت تو ہم میں موجود ہے لیکن کاش کہ کام کی محبت یعنی عملی محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہوجائے تو ان شاء اللہ امتِ محمد دنیا میں ایک بار پھر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرلے گی۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کیلئے

زیر نظر کتاب اِسی مقصد کے تحت معرضِ وجود اور منصۂ شہود میں آرہی ہے کہ ہم عاشقانِ رسول ﷺ کے ایمان افروز واقعات سے اپنے ایمان کو جلا بخشیں...... اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین

ابومحمد مخدوم زادہ

۷/اگست ۲۰۰۶ء

عشقِ رسول ﷺ

شمس نوید عثمانی

خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دور کے ایمان داروں نے جس طرح والہانہ پیار کیا تھا وہ تاریخِ انسانی کا ایک حسین ترین باب ہے۔

دنیا کی مختلف قوموں کی روایات میں عشق و محبت کی مختلف کہانیاں ملتی ہیں جن میں کسی خیالی ہیروئن کے ساتھ کسی تخیلاتی ہیرو کی بے پناہ محبت کی داستان سنائی جاتی ہے لیکن اسلام کی تاریخ میں عشقِ رسول ایک ایسا تاریخی واقعہ اور ایسی حیرت انگیز سچی کہانی ملتی ہے جہاں ایک مرد کی عظیم ترین شخصیت مردوں، عورتوں اور بچوں تک کے سینے میں ایک انتہائی مقدس عشق کا سیماب کوٹ دیتی ہے۔ جہاں جنسی کشش اور خدوخال کی حیوانی اپیل کے بجائے سیرت، کردار، حقیقت شناسی اور حق کوشی کا حسن و جمال ایک مرد کے وجود سے مقناطیسی سونے کی طرح اُبل پڑتا ہے اور ریگستان کے اُجڈ وحشیوں کو مسحور کر کے حقائق پر پروانہ وار نثار ہو جانے کے لئے بے تاب کر دیتا ہے۔

خدا پرستی کے نور میں نہائی ہوئی یہ شخصیت روح دل کے اندھوں کو بھی دکھائی دیتی ہے جن کو ان کا خدا نظر نہیں آتا، پتھروں کے بے حس پجاری بھی اس دل کش کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو فرطِ عقیدت سے سر دھننے لگتے ہیں اور کامل چالیس سال تک ان کو "امین، صادق" کہتے کہتے ان کی زبانیں سوکھنے لگتی ہیں۔ پھر جب انسانوں تک اپنا آخری پیغام پہنچانے کے لئے خدائے عزوجل اس انسانِ کامل کو رسالت کے خلعتِ فاخرہ سے مشرف فرما دیتا ہے اور اس وقت کے کفار و مشرکین کی پتھرائی ہوئی آنکھیں اس کو اس بلندی پر پہنچا دیکھنے سے عاجز ہو کر قہر و انتقام کی آگ اُگلنے لگتی ہیں تو روشن ضمیر روحوں کے قافلے آگے بڑھتے ہیں اور "ہم تجھ پر نثار

ہمارے ماں باپ تجھ پہ قربان" کے والہانہ نعروں سے حرم کی فضائیں گونج اٹھتی ہیں۔

یہ نعرے کھوکھلے الفاظ نہ تھے بلکہ دلوں کی دھڑکن اور روحوں کی بے تاب چیخیں ان میں سمٹ آئی تھیں۔ یہ سپردگی اور جاں نثاری کے نعرے آج بھی تاریخ کے سینے پر خونِ دل وجگر سے سرخ وتازہ نظر آتے ہیں۔

عرب کے پیدائشی غلاموں اور کچلے ہوئے پامال غریبوں کا ناتواں طبقہ جس کو دنیا نے اس کی تمام صلاحیتوں سے یکسر مایوس ہو کر جانوروں کی ذلیل سطح پر لا پٹکا ہے، وہی طبقہ اس انسان کے فیض نظر سے سرفراز ہوتا ہے تو تہذیبِ انسانیت کے جوہرِ لطیف اور معاشرے کے مکھن میں تبدیل ہو جاتا ہے وہ ایک نئی زندگی، نئے ایمان، نئے مقصد حیات اور نئی لگن کے ساتھ اس جاں نواز ہستی کی طرف بڑھتا ہے تو پھر ماحول کی قہرمانیت آڑے آنا چاہتی ہے اور اس کی راہ میں ظلم واستبداد کی آتشیں دیوار کھڑی کر دیتی ہے لیکن جو کارواں بڑھ نکلا تھا وہ کسی طرح نہیں رکتا۔ آگ کی بھٹیاں آتی ہیں لیکن خون پسینے اور آبلوں کے پانی سے بجھ کر رہ جاتی ہیں۔ سنگ وخشت کی بوچھاڑ ہوتی ہے مگر صبر وتحمل کی فولادی دیواروں سے ٹکرا کر اینٹ اور پتھر پھول بن جاتے ہیں۔ خونچکاں شکنجے کسے جاتے ہیں لیکن حق کی آواز کا گلا گھونٹنے سے پہلے خود پارہ پارہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور یہ کاروانِ شوق خون، آگ اور پتھراؤ کے درمیان سے کشاں کشاں گزرتا ہوا اس نادر ونایاب انسانی شخصیت کے گرد عقیدت وحلقہ بگوشی کا اٹوٹ ہالہ بنا دیتا ہے۔

سماجی اعزاز اور دولت و ثروت کی پابندیوں پر متمکن حقیقت شناس لوگ فداکاری اور جاں نثاری کا یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے ہیں اور سنسنی خیز فضا میں اسی انسانِ کامل کی شخصیت سے مسحور ہو کر اپنی تمام مادی سربلندیوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اس کے قدموں میں آ گرتے ہیں، اس طرح کمزور اور طاقتور کے انمٹ امتیازات چشم زدن میں محو ہو جاتے ہیں اور انسانیت کے آستانے پر غلام اور آقا ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں۔

کتنا بیش بہا اور کتنا دل نواز ہوگا وہ انسان ﷺ جو کلیم پوشانہ سادگی میں بھی اتنا بلند، پُر جمال نظر آتا تھا کہ تخت وتاج پر ایک نگاہِ غلط انداز سے زلزلے طاری کر دیئے۔ سیم وزر کے جگمگاتے ہوئے ستارے اپنے قدموں کی خاک سے کجلا کر ماند کر دیئے، اور انسانی رگوں میں

دوڑتے ہوئے خونِ حیات کو اپنے نقوشِ پا سے اُجاگر کرنے کے لئے رگ وپے سے ٹپک پڑنے پر بے تاب کر ڈالے۔ ہاں اس نے یہ سب کچھ کیا، یہ شاعری نہیں تاریخ ہے! وہ کون سی شئے ہو سکتی ہے جس کو انسانِ کامل کے قدموں پر فرطِ شوق سے لٹا نہ دیا گیا ہو۔ اس کی ایک نگاہِ کرم کی بھیک حاصل کرنے کے لئے لوگوں نے راہِ مولا میں گھر بار لٹانے، کفر واسلام کے درمیان حق و باطل کا خطِ امتیاز کھینچنے کے لئے شہ رگوں کا لہو نچوڑ دیا۔ اولاد اپنے ماں باپ سے کٹ کر نکل گئی، ماں باپ نے چہیتی اولاد کی ساری چاہت خدا اور اس کے رسول ﷺ کی چاہ پر بھینٹ چڑھا دی۔

تمام دنیائے رنگ وبُو سے دامن چھڑا کر گوشت و پوست کے انسان روح وقلب کی پکار پر دوڑ پڑے اور اس کے پیوند در پیوند دامن سے اس طرح جا لپٹے جس طرح ایک معصوم بچہ تڑپ کر ماں کی چھاتی سے چمٹ گیا ہو۔ دولت کے لبالب خزانوں کو خالی کر کے لوگوں نے اس بات میں عظیم مسرت اور فخر محسوس کیا کہ اس کے در کے بھکاری کہلائے جائیں، وطن کی فطری محبت مغلوب ہوگئی، لوگوں نے ان فضاؤں میں سانس لینا گوارہ نہ کیا جہاں انسانِ کامل کے خلاف نفرت وانتقام کا زہر سرایت کر گیا تھا۔

اپنے کاروبار، عزیز واقارب، دوست واحباب اور تمام تر دل چسپیوں کی جنت کو ٹھکرا کر محمد ﷺ کے ان دیوانوں نے خانہ ویرانی اور خانہ بدوشی کے خارزاروں کو لبیک کہا، دشت وصحرا کی خاک چھانی اور دیس دیس کی ٹھوکریں کھائیں، اور یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ محمد عربی ﷺ کی حسین نگاہ نے ان سینوں میں حق وصداقت کی جو چنگاری روشن کر دی تھی وہ بجھانے نہ پائے۔

پھر سب کچھ لٹا دینے کے بعد امتحانِ شوق کی وہ آخری گھاٹی آئی جہاں خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو قربان کر دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو عقیدت وشوق کے ان بے تاب پیکروں نے آبدار خنجر پر گردنیں رکھ دیں، اپنے خون میں نہا نہا کر وہ یہی کہتے رہے:

"اے خدا کے رسول! ہم تجھ پر نثار، ہمارے ماں باپ تجھ پر نثار!"

زخموں سے چُور اور جراحتوں سے چھلنی اجسام ایک سے ایک کاری گھاؤ کھانے کے لئے سپردگی کی لذت میں جھومتے ہوئے بڑھتے تھے۔ ستّر ستّر زخموں کا تاریخی اسکور بنانے کے بعد بھی شہادتِ حق کا خونچکا کھیل کھیلنے والے اپنے ذوقِ جاں بازی میں کمی نہ پاتے تھے۔ جو آنکھ ترچھے تیوروں سے محمد عربی ﷺ کی طرف اٹھتی وہ فولادی ڈھالوں کے پیچھے بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

جو ہتھیار اس کے خلاف اٹھے جان دینے والوں نے ان کے آگے جسمانی گوشت کی دیواریں کھڑی کر دیں جن پر سینکڑوں زہرناک ترکش خالی کیے گئے مگر اس دیوار میں جنبش نہ ہوئی۔ کفر کی طرف سے تیروں کی باڑھ چلتی تھی تو ادھر عقیدت کے متوالے برہنہ سینہ کھولے ہوئے سامنے آتے تھے۔ ادھر سے مرگ و ہلاکت کی آندھیاں اٹھتی تھیں تو اِدھر سے حق و صداقت کے نشے میں وجد کرتے ہوئے سر اُبھرتے تھے۔

کتنا طاقتور، کتنا جلال آمیز، کتنا مستحکم تھا یہ عشقِ رسول کہ زمانے بھر کی نفرت بھری طاقتیں مل کر بھی اس کو زیر نہ کر سکیں۔ آخر...... آخر یہ عشق یہ جنوں ہی فاتح رہا۔ محمد عربی ﷺ کی سچائی کا حسن و جمال جزیرہ ہائے عرب پر چھا گیا، ماحول کا نقشہ بدل گیا، انسانیت کی کایا پلٹ گئی اور جو انسانِ کامل ﷺ انسانیت سوز دنیا میں خدا کا نام لیتا ہوا تنہا اٹھا تھا اس کے دمِ واپسیں کے وقت ایک لاکھ سے زائد انسانی سر خدا کے آگے سجدے میں پڑے ہوئے تھے......... کیا دنیا نے کبھی بھی کسی انسان سے اتنا والہانہ پیار کیا ہے؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں تو ماننا ہی پڑے گا کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے محمد عربی ﷺ نے اپنی آخری رسالت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ ایک زبردست حقیقت ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ کا ایک عدیم النظیر واقعہ بھی تھا۔ ایسا واقعہ جو اَن گنت صدیوں اور قرنوں پر پھیلی ہوئی اس دنیا میں صرف ایک ہی بار پیش آیا تھا......... صرف ایک بار!!

دنیائے کفر، دنیائے شرک اور دنیائے دہریت کے سامنے یہ تاریخی للکار بلند کرتے ہی ایک دوسرا سوال فوراً ہی پیدا ہوتا ہے: آج سے چودہ سو سال پرانے انسان نے حضرت محمد عربی ﷺ کی شکل میں جس حق و صداقت کو چشمِ سر سے دیکھا تھا اس کو آج کا انسان کہاں اور کس طرح دیکھے؟ تاریخ ایک واقعہ کی یاد دلا سکتی ہے۔ ایک احساس ایک تصور ہی دے سکتی ہے، مشاہدہ نہیں۔

دنیا کے ماضی کے اس تصور کا مشاہدہ کرانے والے ہم تھے۔ ہم کہ خود کو مسلمان کہتے ہیں!......... لیکن یہ آئینہ ہوتے ہوئے بھی شقاوتِ قلب، بے حسی اور آخرت فراموشی کی زنگ آلود تہوں میں دبا پڑا ہے جس میں ہمیں خود اپنی بگڑی ہوئی شکل بھی نظر نہیں آتی۔

کیا دنیا اس آئینہ میں رسالتِ محمدی ﷺ پر کسی زندہ گواہی کو آنکھوں سے دیکھ سکتی ہے؟ کیا ہم مسلمان ہیں......؟ جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہمیں دیکھنا چاہتے ہیں......!!

صحابہ کرام ؓ کے جذبات محبت کو دیکھنا ہو

سیرت نگار حضرت قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کو اللہ نے جو سوز دروں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو محبت اور شیفتگی عطا فرمائی تھی، اس کا اظہار آپ کی کتاب "رحمۃ للعالمین" کی سطر سطر بلکہ حرف حرف سے نمایاں ہے، آپؒ صحابہ کرام کے حضور ﷺ سے عشق و تعلق کو ایسے عجیب علمی انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ قارئین کے قلوب میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کے ساتھ ساتھ اصحاب رسول اللہ کی محبت بھی گھر کرتی جاتی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے جذبات محبت کو دیکھنا ہو تو اس وقت دیکھو جب کوئی صحابی نبی ﷺ کا ذکر کرتا ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ من احسن الناس خلقاً ولا مسستُ خزاً وّ لا حریراً وّلا شیئاً کان الین من کف رسول اللہ ﷺ ولا شممتُ مسکاً قطُ ولا عطراً کان اطیب من عرق النبی ﷺ

"رسول اللہ ﷺ خوش خلقی میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے میں نے "ریشم کا دبیز یا باریک کپڑا یا کوئی اور شے ایسی نہیں چھوئی جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو، میں نے کبھی کوئی کستوری، یا کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا جو نبی ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والا ہو"۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا چمکیلا تھا بول اٹھے:

لابل کان مثل الشمس والقمر

''نہیں نہیں، حضور ﷺ کا چہرہ تو آفتاب و ماہتاب جیسا تھا۔''

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ ازھر اللون کان عرقہ الُؤلُؤ

''نبی ﷺ کا رنگ سفید روشن تھا پسینہ کی بوند حضور کے چہرہ پر ایسی نظر آتی تھی جیسے موتی۔''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی ﷺ مسجد سے نکل کر گھر جو چلے تو بچوں نے حضور ﷺ کو گھیر لیا حضور ﷺ ہر ایک کو پیار دیتے، اس کے منہ پر پھیرتے تھے۔ میرے رخسار پر بھی حضور ﷺ نے ہاتھ رکھا مجھے ٹھنڈک سی پڑ گئی اور ایسی خوشبو آئی۔ گویا وہ ابھی عطار سے نکالا گیا تھا۔

-علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جو کوئی یکا یک حضور ﷺ کے سامنے آجاتا وہ دہل جاتا جو پہچان کر پاس آبیٹھا وہ شیدا ہو جاتا دیکھنے والا کہا کرتا کہ میں نے حضور ﷺ جیسا کوئی بھی اس سے پہلے یا پیچھے نہیں دیکھا۔''

ربیع بنت معوذ صحابیہ ہیں۔ ان سے عمار بن یاسر کے پوتے نے کہا نبی ﷺ کا کچھ حلیہ بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا:

لو رایتہٗ رایت الشمس طالعۃً.

''اگر تو حضور کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ سورج نکل آیا۔''

جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں، چاندنی رات تھی، نبی ﷺ حلہ حمرا اوڑھے لیٹ رہے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا کبھی حضورؐ پر نگاہ ڈالتا تھا۔

فاذا ھو احسن عندی من القمرِ.

''بالآخر میں نے یہی سمجھا کہ حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوشنما ہیں۔''

اس روایت کالفظ عندی عجیب طور پر لذتِ دیدار اور ذوق نظارہ کو ظاہر کر رہا ہے وہی چہرہ جس کے دیدار سے جابر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قلب کو منور کرتا ہے۔ حدیث ترمذی میں ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں آپ کو دیکھنے گیا تھا۔

''مجھے تو چہرہ نظر آتے ہی عرفان ہو گیا کہ جھوٹے میں یہ بات کہاں؟''

ام سُلیمؓ جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ایک نیک خاتون ہیں۔ نبی ﷺ کبھی کبھی دوپہر کو ان کے گھر سوتے، بستر چمڑے کا تھا۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا۔ ام سلیمؓ پسینے کی بوندوں کو جمع کر لیتی اور شیشی میں بہ احتیاط رکھ لیتی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو انہوں نے کہا:

عرقک نجعلهٗ فی طیبنا وھو من اطیب الطیب. (متفق علیہ)

''یہ حضور ﷺ کا پسینہ ہے۔ ہم اسے عطر میں ملا لیں گے اور یہ تو سب عطروں سے بڑھ کر ہے۔''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار

ذرا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ان چند اشعار کو دیکھو جو وفات نبوی ﷺ پر ہیں:

حینا یقیک الترب لھفی لیتنی
غیبُ قبلک فی بقیع الغرقد

االقیمُ بعدَک . . . بنة بینھم
یالھف نفسی لیتنی لم اولد

فظللت بعد وفاته متلدذا
یالیتنی اسقیتُ سم الاَسود

اوحل امر اللّٰه فینا عاجلاً
من یومنا فی روحة او فی غد

فقوم ساعتنا النلقى طيبا
محضنا خبرا ابنه كريم المحتد
والله اسمع ما حييت بهالك
الا بكيت على النبى محمد
صلى الاله ومن يحف بعرشه
والطيبون على المبارك احمد

"جب مٹی نے آپ کو چھپایا تو مجھے دریغ آتا تھا کہ میں کیوں اس سے پیشتر قبر میں نہیں جا چکا تھا کیا اب میں حضور کے بعد مدینہ میں لوگوں کے اندر بھی بیٹھا کروں گا۔ ہائے افسوس میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ میں تو وفات نبی ﷺ کے بعد از ہوش رفتہ بن گیا ہوں۔ کاش کوئی کالا سانپ آئے مجھے ڈس جائے یا الٰہی آج ہی یا کل ہی تک موت آجائے یا قیامت ہی کھڑی ہو جائے کہ ہم طیب پاک کریم النفس، جمیل الشیم نبی ﷺ سے جا ملیں۔

خدا خوب سنتا ہے، میں تو جب تک زندہ رہوں گا محمد نبی ﷺ پر روتا رہوں گا۔ خدا اور حاملان عرش اور سب طیب لوگ احمد ﷺ پر درود بھیجیں"۔

صحابہ ؓ سمجھے ہوئے تھے کہ محبت صرف ایمائے لفظی سے ثابت نہیں ہو سکتی ہے ودود الغفور نے بھی ان لوگوں کو جو محبت خدا کا دعویٰ رکھتے تھے صاف طور پر فرما دیا تھا۔

﴿قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني.﴾ (۳/ آل عمران:۳۱)

"اگر اللہ سے محبت ہے تو میری (رسول اللہ ﷺ کی) اتباع کرو"۔

اس لئے صحابہ ؓ نے اتباع رسول اللہ ﷺ میں وہ وہ کام کیے جو ہزاروں سال تک اسلام کی صداقت اور صحابہ ؓ کے خلوص اور محبت النبی ﷺ کے صحیح معنی کا مفہوم ظاہر کرتے رہیں گے۔

صحابہ ؓ کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کا ادب اور توقیر و تعظیم کیوں کر کیا کرتے تھے۔ مغیرہ کی روایت میں ہے کہ اگر کسی صحابی کو حضور ﷺ کے در دولت پر دستک کی بھی ضرورت پڑا کرتی تو وہ اپنے ناخنوں کے ساتھ دروازہ کو کھٹکھٹایا کرتا تھا۔

کوئی صحابی حضور ﷺ کے سامنے ایسی آواز سے نہ بولتا کہ اس کی آواز حضور ﷺ کی آواز سے اونچی ہوتی ادب کی تعلیم خود خدائے برتر نے دی تھی۔

﴿لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی﴾ (۲۶ الحجرات۔۲)

"لوگو! اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔"

ائمہ اسلام اس حکم کو دوام کے لئے قرار دیتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ صوت النبی ہے۔ حدیث پاک کے ہوتے اپنے قال وقیل کو پیش کرنا اپنی رائے اور بحث کو شامل کرنا صوت النبی ﷺ پر اپنی صوت بلند کرنا ہے نیز بالا کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح بھی فرمائی ہے۔ جو ان آداب کی پابندی کرتے ہیں فرمایا:

﴿ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی﴾ (۲۶ الحجرات۔۳)

"جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں یہ وہی ہیں جن کے دلوں کا امتحان خدا تعالیٰ نے تقویٰ میں لیا ہے۔"

پس محبت النبی ﷺ کی ایک علامت ہمارے لئے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے کلام اور فرمودہ کی عزت ہمارے دل میں ہو اور جب کوئی حکم صحیح طور پر نبی معصوم سے جس کی اطاعت خدا نے ہم پر فرض کی ہے۔ ہم کو مل جائے اس وقت اس کی تعمیل اور تعمیل میں ہم کو ذرا تامل اور عذر باقی نہ رہے۔

محبت النبی ﷺ کی ایک علامت یہ ہے کہ حضور ﷺ ذکر خیر زبان پر اکثر جاری رہے۔ حدیث پاک میں ہے:

من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ (زرقانی ص ۳۱۳ جلد ۶)

"جس کسی کو کوئی چیز پیاری ہوتی ہے وہ اس کا ذکر کیا کرتا ہے۔"

یہ تو صحابہ اور حضور انور ﷺ کے درمیان کے واقعات تھے، آں حضرت ﷺ کے معاصر یعنی صحابہ غیر قوموں میں گئے تو ان کی محبوبیت کا یہی عالم تھا۔ چنانچہ غیر قوموں کو عمال نبوی کی سادگی اور انصاف پسندی کا منظر نظر آتا تھا تو وہ بھی ان کی گرویدہ ہو جاتی تھیں۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کی پیداوار کی تقسیم کے لئے آپ ؐ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ

کو مقرر فرمایا، وہ وہاں گئے اور تخمینہ کر کے ہر کھجور کے درخت سے ایک خاص مقدار وصول کرنا چاہی، اس پر یہودیوں نے کہا: ''یہ تو بہت ہے۔'' انہوں نے کہا: اچھا! میں تخمینہ کر دیتا ہوں، تم لوگ اس کا نصف لے لینا، اس انصاف پسندی سے یہود اس قدر متاثر ہوئے کہ سب کے سب یک زبان ہو کر پکار اٹھے:

ھذا الحق به تقوم السماء والارض قد رضینا ان تأخذہ بالذی قلت.

انصاف اس کا نام ہے اور اسی انصاف سے آسمان و زمین قائم ہیں جو کچھ تم نے کہا ہے ہم اس کے قبول کرنے پر راضی ہیں۔

فتوح البلدان بلاذری میں ہے کہ یہودیوں نے ان کو رشوت دینا چاہی، لیکن انہوں نے کہا: اے دشمنان خدا! تم مجھ کو حرام کھلانا چاہتے ہو، خدا کی قسم میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو محبوب ترین خلائق ہے، اور تم کو میں بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ مبغوض رکھتا ہوں، لیکن تمہاری دشمنی مجھ کو عدل و انصاف کی راہ سے نہیں ہٹا سکتی، یہ سن کر تمام یہودیوں نے کہا کہ آسمان و زمین اسی سے قائم ہیں۔

(''رحمۃ للعالمین'' از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ)

صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے حضور ﷺ سے

عشق و محبت کی داستانیں

اس باب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر دیگر سینکڑوں عظیم المرتبت اصحاب واحبابِ رسول ﷺ کے ان ایمان افروز واقعات کا مستند تذکرہ کیا گیا ہے جن پر تاریخِ عالم آج بھی حیرت میں مبتلا اور یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ دنیا میں ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی بھی قوم نے اپنے مذہبی وروحانی، سیاسی وسماجی قائد ورہبر کے ساتھ عشق ومحبت کا ایسے انوکھے انداز میں کبھی اظہار نہیں کیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی انفرادیت اس حوالے سے بھی تاحال قائم و دائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت آپ ﷺ کی یہ انفرادیت برقرار رہے گی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق رسول ﷺ کی داستان

آپ رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان!

حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک شعر کا ایک مصرعہ ہے:

؎ واول الناس منهم صدق الرسلا

"اور وہ یعنی حضرت ابو بکر صدیق لوگوں میں پہلے آدمی ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔"

یہ شعر آنحضرت ﷺ کو سنایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "حسان! تم نے سچ کہا۔"

بعض روایات کے مطابق آپ سے پہلے حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دولت اسلام سے مشرف ہو چکی تھیں۔ اس لحاظ سے آپ نوع انسانی میں سے دوسرے اور جنس ذکور میں سے پہلے انسان ہیں جنہیں حضور ﷺ پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا اسلام میں مقام

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: "میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے جھجک، کچھ سوچ بچار اور وقفہ کے بعد اسلام قبول کیا سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کہ وہ بغیر ہچکچاہٹ کے فوراً مسلمان ہو گئے۔ میں نے ان سے جو بھی کہا انہوں نے اس کو فوراً مان لیا اور اس پر ثابت قدم رہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے بہتر رائے دینے والے اور سب سے زیادہ دانشمند سمجھے جاتے تھے۔

توحید کے موضوع پر اسلام میں پہلی باقاعدہ تقریر

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ اہلِ شرک بت پرستی کی ظلمت سے نجات پائیں اور توحید کی گھر گھر منادی ہو تاکہ بت پرست اپنی زیاں کاری کا احساس کر کے ہلاکت کے گرداب سے نکل سکیں۔ اس آرزو کے پیشِ نظر جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس تک پہنچ گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ دینِ حق کے اظہار و اعلان کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر! ابھی ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے۔ جب جمعیت زیادہ ہو جائے گی تب ایسا کرنا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دیکھ کر سخت قلق ہوتا ہے کہ اہلِ شرک تو اعلانیہ بت پرستی کریں اور حق ڈھکا چھپا رہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دل شکنی گوارا نہ کی اس لئے اظہار و اعلان کی اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے حضرات دعوتِ اسلام کے لئے مسجد الحرام پہنچے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صنادیدِ قریش کی موجودگی میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ یہ سب سے پہلی تقریر تھی جو دعوتِ اسلام کے موضوع پر باقاعدہ کسی مسلمان کی زبان سے نکلی۔

حضور ﷺ کے بعد پہلے مبلغِ اسلام جنہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا

قریش جو جہالت کے بحرِ ظلمات میں سرگرداں تھے اس دعوت کو ٹھنڈے دل سے بھلا کہاں گوارا کر سکتے تھے ان کا طوفانِ غضب اہلِ توحید پر امنڈ آیا۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعداء چاروں طرف سے ہجوم کر کے حملہ آور ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں کو عموماً نہایت بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا۔ باوجودیکہ عتبہ بن ربیعہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نانا) قریش میں بڑا متین، سنجیدہ اور بردبار مانا جاتا تھا، تاہم توحید کی دعوت اور شرک باللہ کی مذمت پر وہ بھی آگ بگولہ ہو گیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سابقہ شرف و مجد اور اپنی روایتی اعتدال پسندی کو بالائے طاق رکھ کر ان کی طرف جھپٹا اور انہیں نہایت وحشیانہ طریق پر پوری قوت سے ضربیں لگائیں جس سے ان کا چہرۂ مبارک بہت

بُری طرح زخمی ہوا۔ گو خود داعیِ حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسلمانوں میں موجود تھے، لیکن دشمنوں نے کچھ تو ہاشمیوں اور ہاشمیوں کے سردار ابو طالب کی وجاہت کے پیشِ نظر اور کچھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زوجیت کا لحاظ کر کے آپ سے کوئی تعرض نہ کیا۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان بنو تیم کو معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بُری طرح مجروح کیا گیا ہے تو وہ بڑی تیزی سے آ کر مشرکوں کے مزاحم ہوئے اور انہیں ان کے پنجۂ بیداد سے بچایا۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اتنا پٹ چکے تھے کہ کسی کو ان کے جانبر ہونے کی امید نہ رہی۔ اس لئے بنو تیم سخت برآشفتہ ہو کر کہنے لگے کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہوئے تو ہم اس کا انتقام لیں گے۔ اس کے بعد بنو تیم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بحالت بے ہوشی ان کے گھر پہنچایا۔ دوسرے مسلمان بھی جو زخموں سے نڈھال تھے اپنے اپنے گھر پہنچائے گئے۔

ہوش میں آنے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا سوال

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ لکھتے ہیں:

"اس عالمِ الم و ابتلاء میں مضروب صحابہ میں سے کسی کو اپنے اخوانِ مذہب کا حال معلوم نہ تھا اور چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے حال میں گرفتار تھے، انہیں اس کی خبر نہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری۔ عصر کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے اور زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف کا شکوہ کرتے برادری کے آدمیوں سے پوچھنے لگے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ یہ لوگ جو غیر مسلم تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول ﷺ دیکھ کر ان کو ملامت کرنے لگے کہ ایسی نازک حالت میں بھی کہ تمہارے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ تھی تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال نہیں چھوڑتے۔ یہ کہہ کر عالم برافروختگی میں ان کی والدہ سے یہ کہہ کر چل دیے کہ تم خود ہی ان کی خبر گیری اور تیمارداری کرو۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے چلے جانے کو خاطر میں نہ لائے۔" (سیرت کبریٰ جلد اول)

محبوب ﷺ کی زیارت کے بغیر کھانے پینے سے انکار

برادری کے ناراض مجمع کے چلے جانے کے بعد والدہ نے بڑی کوشش کی کہ کچھ کھائیں پئیں۔ مگر انہوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور یہی پوچھتے رہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ اب اپنی والدہ سے درخواست کی کہ آپ (حضرت عمرؓ کی ہمشیر) اُمِ جمیل بنت خطاب کے پاس جا کر (جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں) نبی اللہ کا حال دریافت کیجئے۔ ان کی والدہ اُمّ جمیلؓ کے پاس گئیں لیکن انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور ان کی والدہ کے ہمراہ پرسش کے لئے آئیں۔ اُمّ جمیلؓ ان کی حالت زار دیکھ کر سخت مغموم و مضطرب ہوئیں اور بہت کچھ آہ و زاری کی۔ آخر وہ بھی منتیں کرنے لگیں کہ کچھ کھا پی لیجئے۔ لیکن صدیق اکبرؓ کو اپنے مقتداء ﷺ کا حال معلوم کیے بغیر بھلا کہاں چین تھا۔ برابر یہی کہتے رہے کہ مجھے ہادئ برحق کی خیر و عافیت کا حال بتاؤ۔ آخر الامر اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا حضورِ انور ﷺ بحمد اللہ صحیح و سالم ہیں، تم کچھ فکر نہ کرو۔ پوچھا آپ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا دارِ ارقم میں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، واللہ! جب تک میں آپ کو نہ دیکھ لوں گا اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔" (ایضاً)

• والدہ کا ہاتھ تھام کر بارگاہِ نبوی میں پہنچانا

یہ سن کر ان کی والدہ ایک آدمی کی مدد سے تھام کر انہیں حضرت خیر البشر ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئیں۔ حضرت صدیقؓ بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچ کر اپنے آقا کے قدموں پر گر پڑے اور قدم بوسی کی۔ آپ ﷺ کی حالت زار دیکھ کر شفیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سبھی دوستوں پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! یہ میری نیک بخت مادر محترمہ ہیں ان کے مشرف باسلام ہونے کی دعا فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور انہیں آتشِ جہنم سے خلاصی نصیب کرے گا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور وہ فی الفور قبولِ اسلام کی سعادت سے بہرہ مند ہوئیں۔

(الریاض النضرہ، اسد الغابہ، اصابہ)

آپ رضی اللہ عنہ پر سیدِ کائنات کی شفقت

اس حادثہ کے بعد نبی ﷺ کی نظر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وقعت پہلے سے بھی بہت بڑھ گئی اور وہ آپ ﷺ کے خاص صلاح کار، رازدار اور محبوب بن گئے۔ ان دونوں میں اس درجہ کا پیار و محبت اور خلوص و ارتباط بڑھا کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب تک آپ مکہ مکرمہ میں رہے آپ کا معمول ہو گیا کہ روزمرہ دو مرتبہ آپ ﷺ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ چنانچہ حسب روایت عروہ بن زبیر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو دین اسلام پر پایا اور (مکہ معظمہ میں) ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جس میں حبیب رب العالمین ﷺ روزانہ دو مرتبہ صبح اور شام ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔ (بخاری جلد اول۔ کتاب الکفالہ)

آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ہمراہ شعب ابی طالب میں

۷ نبوی میں قریش مکہ نے اس قطع تعلق اور بائیکاٹ کا اعلان کیا جو تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سلام کلام، لین دین، رشتہ ناطہ سب موقوف کر دیے گئے اور آنحضور ﷺ کو بمعہ بنو ہاشم کے شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ اس نازک وقت میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ شعب ابی طالب میں حضرت ابوبکر کا بنو ہاشم کے ہمراہ محصور رہنا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر ابوطالب خود گواہ ہیں۔ جس وقت ابوطالب محاصرہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شعب ابی طالب سے نکلے ہیں۔ جناب ابوطالب نے ایک طویل قصیدہ پیرائے نظم فرمایا ہے جس کا آخری شعر یہ ہے۔

هُمُ رَجَعُوا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِيًا
وَسُرَّ أَبُوبَكْرٍ بِهَا وَمُحَمَّدُ

(تاریخ الخمیس ص ۲۷۷ جلد ۲)

"قریشیوں نے بیضا کے بیٹے سہل کو خوش کر کے واپس کیا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

محمد ﷺ دونوں اس پر خوش ہو گئے۔

نوٹ:۔ تاریخ اور سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کہل بن بیضا قریش کے صحیفہ کو پھاڑنا چاہتا تھا اور اس کو ضائع کر کے بنو ہاشم کو واپس مکہ شہر میں بسانے کا پروگرام رکھتا تھا۔ جب اس ظالم صحیفہ کے پھاڑ ڈالنے پر پانچ سردار مکہ متفق ہو گئے اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا تو کہل بن بیضا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اس کو ابی طالب نے اپنے اس شعر میں واضح کیا کہ کہل بن بیضا کامیابی کی وجہ سے خوش ہو گیا اور ابوبکر ؓ اور محمد ﷺ تمام بنو ہاشم کے محاصرہ سے نجات پانے کی وجہ سے خوش ہو گئے۔ معلوم ہوا جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعب ابی طالب میں محصور تھے، ٹھیک اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں قید تھے اور قید و بند کی صعوبت برداشت کرنے میں دونوں برابر کے شریک تھے۔ اگرچہ محاصرہ سے نجات پانے کے بعد کچھ قریشی بزرگ آپ کو تکلیف دینے سے باز آ گئے تھے مگر پھر بھی اکثریت ظالموں ہی کی تھی اور مسلمانوں کو برابر تنگ کیا جاتا تھا۔

صدیق اکبر ؓ اور تصدیق معراج

سنہ ۱۲ نبوت رجب کی ۲۷ ویں رات کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آپ نے بہشت اور دوزخ کا معائنہ فرمایا۔ صبح کے وقت جب آنحضور ﷺ نے رات کا یہ عجیب وغریب سفر بیان کیا تو کفار نے ہنسی ٹھٹول میں دھر لیا اور خوب مذاق بنایا، جس کے اثر سے بعض مسلمان بھی محفوظ نہ رہ سکے اور سوچ میں پڑ گئے کہ بیت المقدس تک پہنچنے میں ایک مہینہ صرف ہوتا ہے اور واپس لوٹنے میں دوسرا مہینہ! عجیب معاملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب میں بیت المقدس پہنچ بھی گئے اور واپس بھی تشریف لے آئے! اسی تذبذب نے بعض مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیا۔ ایک گروہ نے جب ابوبکر ؓ کے پاس جا کر واقعہ بیان کر کے حقیقت معلوم کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا، کیا آپ لوگ اسے دروغ سمجھتے ہیں؟ جواب دیا، بالکل دروغ! ہمارے ساتھ تشریف لے چلئے رسول اللہ ﷺ ابھی مسجد میں تشریف فرما ہیں، خود دریافت کر لیجئے۔

ابوبکرؓ نے کہا، اگر رسول اللہ فرماتے ہیں تو ایسا ہی ہوگا، بخدا آپ آسمان سے زمین پر وحی کا آنا دن یارات کی کسی ساعت میں فرماتے ہیں تو میں اس کی تائید بلا تامل کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اسراء پر آپ لوگوں کا تذبذب یا انکار عجیب ہے۔

آخر حضرت ابوبکرؓ حضور رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آں حضرت ﷺ بیت المقدس کے ان مقامات کا تذکرہ فرما رہے تھے جن پر سے آپ شب اسراء میں گزرے۔ جونہی مسجد اقصیٰ اور اس کی جغرافیائی حیثیت کا بیان فرمایا، چونکہ ابوبکرؓ بھی بیت المقدس سے ہو آئے تھے (انہوں نے) سنتے ہی ''صدقت یا رسول اللہ'' عرض کیا۔ اس تصدیق کی بنا پر آج سے رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو ''صدیق'' کے خطاب سے پکارنا شروع فرمادیا۔ (حیات محمدؐ، محمد حسین ہیکل)

اس موقع کی یاد میں ابومحجن ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو شعر قابل دید ہیں۔

وَسُمِّيتَ صِدِّيقًا وَكُلُّ مُهَاجِرٍ ۔۔۔ سِوَاكَ يُسَمّٰى بِاسْمِهٖ غَيْرَ مُنْكَرٍ

سَبَقْتَ اِلَى الْاِسْلَامِ، وَاللّٰهُ شَاهِدٌ ۔۔۔ وَكُنْتَ جَلِيْسًا بِالْعَرِيْشِ الْمُشْهَرٖ

(عنوان النجابۃ۔ ص ۱۷)

''اور تمہارا نام صدیق رکھا گیا اور تمہارے سوا جس قدر مہاجر ہیں اپنے اپنے نام سے بلائے جاتے تھے اس بات کا کوئی منکر نہیں ہے...... اور تو ہی ہے کہ دوڑ کر اسلام کی طرف آیا اور اس پر خدا گواہ ہے اور تو ہی پیغمبر کا عریشِ بدر میں ہم نشیں تھا۔''

آپؓ کا اپنے والد کو آنحضرت ﷺ کی گستاخی پر طمانچہ مارنا

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد ابوقحافہؓ نے کفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً ان کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا تو عرض کیا ''یا رسول اللہ! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی گستاخی پر اس کی گردن اڑا دیتا۔ اُسی وقت آپؓ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لا تجد قومًا یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوآدون من حآدّاللہ

ورسولهٗ ج ولو کانوا اٰبآء ھم او ابنآء ھم او اخوانھم او عشیرتھم ط اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ط ویدخلھم جنٰتٍ تجری من تحتھا الانھٰر خالدین فیھا ط رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ ط اولٰئک حزب اللّٰہ ط الآ ان حزب اللّٰہ ھم المفلحون. (المجادلہ:)

''تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روزِ آخرت پر کہ وہ ایسوں سے دوستی کریں جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے، گو وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے کنبے کے، یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اُن کی تائید کی اپنے فیضانِ غیبی سے اور اُن کو داخل فرمائے گا ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ہمیشہ وہیں رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اُس سے راضی، یہ خدائی لشکر ہے، خبردار ہو جاؤ، اللہ کا لشکر ہی فلاح پانے والے ہیں۔''

دیکھئے اس آیت مبارکہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کیسی شان پائی جاتی ہے!

سفرِ ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ادائیں

حاکمؒ اپنی مستدرک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غارِ ثور کی طرف چلے تو راستہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی آپ کی دائیں طرف، کبھی بائیں طرف، کبھی آگے اور کبھی پیچھے چلتے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا، ''ابوبکرؓ! کیا بات ہے، پہلے تو آپ نے اس طرح کبھی نہیں کیا؟'' انہوں نے جواب دیا ''یارسول اللہ! اس خیال سے کہ آگے دشمن نہ ہو، میں آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور یہ سمجھ کر کہ پیچھے سے دشمن نہ آجائے میں آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں اور ایسے ہی کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں۔ آپ پر خطرے کے پیشِ نظر ایسا کرتا ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابوبکر! اگر کوئی خطرہ ہوا تو آپ چاہتے ہیں کہ میری بجائے آپ اس سے دوچار ہوں؟'' بولے، ''ہاں! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا''۔

تفسیر در منثور میں ہے کہ اس روز آپ ﷺ اپنے پاؤں کے اگلے حصہ پر چلتے تھے، تاکہ پورے پاؤں کا نشان دیکھ کر دشمن پہچان نہ کریں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاؤں چھل گئے اور چلنے سے عاجز آگئے۔ یہ دیکھ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو کندھوں پر اٹھالیا اور اسی طرح بھاگتے بھاگتے غارِ ثور پر جا پہنچے۔ پھر عرض کی "یا رسول اللہ! آپ باہر ٹھہریئے، مجھے اندر جانے دیجئے۔ اگر اس میں کوئی سانپ وغیرہ موذی چیز ہوئی تو آپ کو تکلیف نہ پہنچائے"۔ آپ نے فرمایا "اچھا اندر جایئے" چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر جا کر غارِ ثور کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولتے، اگر کوئی بل دیکھتے تو اپنا کپڑا پھاڑ کر اس میں ٹھونس دیتے۔ اس طرح کرتے کرتے ان کا سارا کپڑا ختم ہو گیا۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں انہوں نے ایڑی رکھ دی، تاکہ اس سے کوئی چیز نکل کر آپ ﷺ کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس غار میں سانپ اور بچھو وغیرہ بکثرت تھے۔ ان انتظامات کے بعد آنحضرت ﷺ غارِ ثور میں داخل ہوئے۔

(سیرت الرسول ﷺ، از شیخ محمد بن عبداللہ بن عبدالوہاب نجدی ص ۲۸۸)

غار میں حضور ﷺ کے خورد و نوش کے ذمہ دار ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دودھ والی اونٹنی تھی جس کا دودھ شام کو حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں پیتے اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال جو مکہ میں تھے وہ پیتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو جو نہایت دیانتدار اور سچے پکے مسلمان تھے اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ ایک رہبر اجرت پر لیں۔ انہوں نے ایک آدمی بنی عبد بن عدی میں سے اُجرت پر لیا جس کا نام ابن اریقط ہے یہ قبیلۂ عدیہ میں سے تھا، قریش میں سے یہ بنی سہم بن وائل کا حلیف تھا اور ابھی تک مشرک تھا اور راستہ بتانے کا کام کرتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چند رات اسی غار میں رہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ شام کے وقت مکہ کی ساری خبریں لاتے، حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ ہر رات بکریاں لاتے دودھ دوہ کر پلاتے اور اگر ذبح کرنے کی ضرورت ہوتی تو بکری ذبح کی جاتی' اور صبح ہی صبح یہاں سے چل دیتے اور لوگوں کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے، اور کسی کو اس بات کی خبر نہ ہوتی۔ جب مکہ

میں آپ ﷺ کے بارے میں شور وغل بند ہو گیا (جس کا ان دنوں کافی چرچا تھا) اور آپ کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب لوگوں میں کوئی چرچا نہیں رہا تو عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ دو اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے۔ یہ حضرات غار میں دو دن اور دو رات ٹھہرے تھے، یہ دونوں حضرات وہاں سے چل دیئے اور ان کے ساتھ عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ ان دونوں حضرات کی خدمت اور اعانت کرتے ہوئے چلے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو بٹھا لیا ان دونوں حضرات کے ساتھ سوائے عامر رضی اللہ عنہ اور اُس رہبر کے کوئی نہ تھا۔

(قال الہیثمی ج ۶ ص ۵۱ وفیہ ابن لہیعۃ وفیہ کلام وحدیثہ حسن اھ)

غار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سانپ کے ڈسنے کا واقعہ

ادھر جب غار میں موجود سانپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی سوراخ پر ہونے کی وجہ سے باہر نکلنے کا راستہ بند پایا تو آپ رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر ڈسنے لگا، اور اس کا زہر آپ رضی اللہ عنہ کے وجود میں سرایت کرتا چلا گیا۔ جب تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں درد کی شدت سے چھلک اٹھیں۔ اس وقت حضور ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے آنسو حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر ٹپکے تو آنکھ کھل گئی۔ دریافت فرمایا، ابو بکرؓ کیا ہوا؟ عرض کیا، حضور! (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، سانپ نے ڈس لیا ہے اور درد نے بے قرار کر رکھا ہے۔ حضور ﷺ فوراً اٹھ بیٹھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر جس جگہ سانپ نے ڈسا تھا، اپنا لعاب دہن لگایا، جس کی مبارک تاثیر سے سانپ کے زہر کا اثر جاتا رہا۔ (سیرت ابن ہشام)

قریش کے مسلح افراد غار کے دہانے پر

غار میں قیام کے دوران قریش کی ایک مسلح منڈلی تلاش کرتی ہوئی غار کے دہانے پر آ پہنچی جس کے قریب ہی ایک گڈریہ اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ انہوں نے چرواہے سے پوچھا، جس نے جواب دیا، ممکن ہے اس غار میں ہوں لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے کسی فرد بشر کو نہیں دیکھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ تو گوش بر آواز ہی تھے، چرواہے کا جواب سن کر پسینہ پسینہ ہو گئے، خوف سے دم گھٹنے لگا اور اللہ پر معاملہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں قریشی

نوجوان غار کے قریب آ پہنچے مگر وہ غار کے اندر جھانکے بغیر واپس لوٹ گئے۔ ان کے ساتھیوں نے پوچھا، غار کے قریب پہنچ کر بھی تم نے اس کے اندر نہیں جھانکا؟ انہوں نے جواب دیا ہم کیسے جھانکتے جب کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جنابِ محمد ﷺ کی پیدائش سے پہلے کا جالا تنا ہوا ہے، غار کے دہانے پر دو جنگلی کبوتروں نے اپنا آشیانہ بنا رکھا ہے، دہانے کے اندرونی حصہ میں ہر طرف خشک گھاس پھیلی پڑی ہے، ان علامات سے ہم نے سمجھا کہ غار کے اندر کوئی فرد بشر نہ ہوگا اور ہم اندر جھانکے بغیر واپس چلے آئے۔

غارِ ثور میں رسول اللہ ﷺ کی تسکینِ قلب

اس اضطراب و کشمکش کے دوران میں بھی رسول اللہ ﷺ کے سکون میں ساعت بساعت اضافہ ہوتا گیا۔ آپ ﷺ نے نماز اور دعا سے اپنی توجہ ہٹنے نہ دی مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے خوف سے اس قدر نڈھال تھے کہ انہوں نے خود کو رسولِ خدا ﷺ سے قریب تر کر دیا، اگر حملہ ہو تو ان پر زد آ جائے مگر خدا کے رسول ﷺ کا بال بیکا نہ ہو۔ اسی دوران میں سید الثقلین ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کان میں آہستہ سے فرمایا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" (توبہ:۴۰) (اے ابوبکر! اتنا کیوں گھبرا رہے ہو، اللہ تعالیٰ ہمارا نگران ہے!)

یہ واقعہ حدیث کی بعض کتابوں میں اس طرح مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھوجیوں کی سن گن پا کر رسول اللہ ﷺ سے بڑی آہستہ آواز میں عرض کیا "یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے نیچے کی طرف جھانکا تو وہ ہمیں دیکھ نہ لے گا؟" آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر ان سے فرمایا "ابوبکرؓ! گھبرایئے نہیں، ہم دونوں کے ساتھ ہمارا تیسرا ہمراہی خدا تعالیٰ ہے۔"

قریش نے جب دیکھا کہ غار کے دھانے پر درخت کی شاخیں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ انہیں کاٹنے کے بغیر غار کے اندر جانا محال ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اندر کوئی فرد بشر نہیں پہنچا۔ وہ جدھر سے آئے تھے الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لوٹنے کی آہٹ سنی تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور آنحضرت ﷺ نے بآوازِ بلند الحمد للہ، اللہ اکبر پکارا۔

غزوۂ اُحد میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے محافظ کے طور پر

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی ظاہری ہزیمت پر دشمنوں کو رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ سے کس قدر خوشی حاصل ہوئی! ابوسفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ گرامی کو مقتولین میں تلاش کرنے لگا۔ اس کے ہواخواہوں کو سرورِ دو عالم ﷺ کی شہادت کا یقین اس لیے بھی ہو گیا کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی آواز کانوں تک نہ پہنچ سکی جس سے شہادت کی تکذیب ہوتی ہو۔ لیکن مسلمانوں نے تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے آپ کی زندگی کی اطلاع نہ کی۔ دوسرے یہ کہ اس اطلاع سے کافر ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہمیں مغلوب ہونا پڑے گا۔ اتفاق سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے دستہ کی طرف سے آگے بڑھے تو ایک چہرۂ گرامی پر نظر پڑی جس پر خود کے نیچے دونوں آنکھیں نور برسا رہی تھیں۔ کعبؓ نے پہچان لیا اور دفعۃً نعرہ لگایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ ! هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ......

"اے مسلمانو! رسول اللہ ﷺ تو زندہ تشریف فرما ہیں۔"

کعبؓ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر بھی ضبط نہ کر سکے۔ مسلمانوں میں جس کے کان میں یہ آواز پڑی چشم زدن میں کعب کی آواز کی جگہ پر آ پہنچا۔ آخر رسول اللہ ﷺ کے ایماء سے یہاں سے ہٹ کر ایک پہاڑی گھراؤ میں چلے آئے۔ اس مقام پر جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے حصار میں رکھا ان میں دوسرے حضرات کے سوا جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (حیات محمدؐ ...... محمد حسین ہیکل)

غزوۂ اُحد میں آپ رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی

ابن سعد طبقات جز ثالث میں ذکر کرتے ہیں کہ:

كان في من ثبت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحدٍ حين ولى الناس. (قسم اول: ص۱۲۴)

"یعنی اُحد کے دن جب لوگ میدانِ جنگ میں پریشانی کی حالت میں منتشر ہوئے ہیں تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے، حضور کا ساتھ نہیں

چھوڑا۔"

حدیبیہ میں کفار کے نمائندے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلخی

حدیبیہ کی مشہور لڑائی ذوالقعدہ ۶ ھ میں ہوئی، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے، کفار مکہ نے ان کو عمرہ سے روکا اور لڑائی پر تیار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کفار کی جانب سے آئے جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے تھے، حضرت عُروہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سُنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو، اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب آ گئے تو یاد رکھو میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا، یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاس کھڑے تھے یہ جملہ سن کر غصہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا کہ: "امصص بظر اللات" "تو اپنے معبود لات کی پیشاب گاہ کو چاٹ! کیا ہم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟" عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں (رضی اللہ عنہ) انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیم احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ پھر حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی، عُروہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ سر پر خود اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے، اُنہوں نے تلوار کا قبضہ عُروہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو، عُروہؓ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مُغیرہ! عُروہؓ

نے کہا او غدار! تیری غداری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں۔ (حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہؓ نے ادا کی تھی، اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض وہ طویل گفتگو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے رہے اور نظریں بچا بچا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی کرتے رہے۔ چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور اُن کے آداب بھی دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے۔ اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اُس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے، جو بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلتی ہے اس کو پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، اُن کے وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں زمین پر نہیں گرنے دیتے، اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر ہاتھ کو ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے، اُن کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، اُن کے سامنے زور سے نہیں بولتے، اُن کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے، اگر اُن کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرکاً اُٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم و احترام کرتے ہیں۔ غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔

غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ کا ایثار

غزوۂ تبوک ۹ھ کے ماہِ رجب میں پیش آیا۔ گرمی شدید زوروں پر تھی اور مقابلہ شاہِ روم ہرقل کے لشکر سے تھا جو نصرانیوں کے اس جھوٹے خط پر بہک گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ قحط سالی کی بناء پر بھوکوں مر رہے ہیں، عرب پر حملہ کیلئے یہ موقع نہایت بہتر ہے۔ ہرقل نے اپنے لشکر کو سال بھر کی تنخواہ میں بھی یک مشت ادا کر دیں اور چالیس ہزار سپاہی عرب کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی یہ خبر معلوم ہوئی آپ نے صحابہ کرام ؓ کو تیاری کا

حکم دے دیا۔ضروری تھا کہ آنے والے لشکر کو سرحد پر ہی روکا جائے۔اس وقت موسم کی شدت اور مسلمانوں کے فقر و فاقہ اور بے سروسامانی کی بناء پر لشکر کی تیاری ہرگز آسان نہ تھی لیکن دیوانگانِ عشق نے یہ مرحلہ بھی بخوبی طے کرلیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چندہ طلب کرنے پر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ بمع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار لاکر آقا ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کردیئے۔حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا مال نچھاور کیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب کچھ سمیٹ کر لے آئے۔آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر کے لئے کیا چھوڑا؟ تو جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں، یعنی بقولِ شاعر۔

پروانے کو ہے چراغ بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کیلئے ہے خدا کا رسولؐ بس

حضور ﷺ کا مرضِ وفات و امامت ابی بکر رضی اللہ عنہ

۱۱ھ کے ماہِ صفر کی ۲۸ تاریخ کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بیمار ہوئے۔ چونکہ اس بیماری سے آنحضور ﷺ جانبر نہ ہوسکے تھے اس لئے اس کو مرضِ وفات کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دورانِ علالت خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهٗ.

"اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا و عقبیٰ اور خدا کی نعمت دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے لئے منتخب کرلے مگر اللہ کے اس بندے نے خدا کی ملاقات کو ترجیح دی ہے"۔

یہ فرمانے کے بعد رسولِ خدا ﷺ پہلے کی طرح پھر خاموش ہوگئے اور حاضرین بھی۔ابوبکر رضی اللہ عنہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ رسول اللہ ﷺ تو اپنے ہی متعلق فرمارہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ دنیا چھوڑنے کو ہیں"۔ یہ نتیجہ تھا حضرت ابوبکرؓ کے اس وجدان کا جو انہیں آنحضرت ﷺ کی صداقت کے بارے میں ازل سے ودیعت تھا۔ ابوبکرؓ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض کیا:

ہل نحن نفدیک بانفسنا و ابناء نا ......

"اے رسولِ خدا! ہماری جانیں اور اولاد نثار ہو جائیں، آپ ہمیں یہ کیسی سناؤنی سنا رہے ہیں"۔

ابوبکرؓ کی منقبت

آنحضرت ﷺ نے ابوبکرؓ کے اس تاثر سے محسوس فرمایا کہ مبادا یہی جذبہ دوسروں کو بھی گریہ و بکا میں مبتلا کر دے۔ ابوبکرؓ کو تلقین ضبط کرتے ہوئے فرمایا "مسجد میں جن لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں، ابوبکرؓ کے گھر کے سوا سب کے دروازے موند دیئے جائیں!" اور اس کے بعد منبر سے اترتے ہوئے فرمایا:

انی لا اعلم احدًا کان افضل فی الصحبة عندی یدًا منه و انی لو کنت متخذًا من العباد خلیلًا لاتخذت ابابکر خلیلًا ولکن صحبة واخاء ایمان حتّٰی یجمع اللّٰه بینا عندهٗ.

"میرے دوستوں میں سے مجھ پر کسی کا احسان ابوبکرؓ کے برابر نہیں۔ اگر میں خدا کی طرف سے کسی کو اپنا خلیل بنانے کا مجاز ہوتا تو یہ منزلت ابوبکرؓ کے لئے ہوتی، لیکن از روئے اسلام باہمی رفاقت و اُخوتِ ایمانی تک کا اختیار ہے اور اسی حالت میں خدا کے سامنے حاضری ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سینہ کھول دیا

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور عرب کے کچھ قبائل مرتد ہو گئے، تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: "آپ لوگوں سے کس طرح لڑیں گے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، "مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہوا ہے جب تک

وہ "لا الٰہ الا اللّٰہ" نہ کہیں۔ جس نے "لا الٰہ الا اللّٰہ" کا اقرار کرلیا، اس نے بجز حق اسلام، مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال بچالیا اور اس کا حساب لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔"

حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا: "خدا کی قسم! زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا، میں اس سے ضرور لڑوں گا۔ بخدا! اگر وہ مجھے ایک رسی دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں اس کے انکار پر بھی ان سے لڑوں گا۔"

حضرت عمر ﷺ کہتے ہیں: "اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے لیے ابوبکر ﷺ کا سینہ کھول دیا ہے اور یہی حق ہے۔" حضرت عمر ﷺ فرماتے تھے، "اللہ تعالیٰ کی قسم! اہلِ ارتداد کی لڑائی میں حضرت ابوبکر ﷺ کا ایمان ساری امت کے ایمان پر بھاری ہے۔"

رزین، حضرت عمر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوبکر ﷺ سے کہا: "اے خلیفۂ رسول! لوگوں سے تالیفِ قلب کریں اور ان کے متعلق نرمی سے کام لیں۔" وہ بولے "جاہلیت میں جبار تھے اور اسلام میں کمزور پڑ گئے؟"

واقدی کی کتاب میں حضرت عمر ﷺ کا یہ قول مذکور ہے، انہوں نے حضرت ابوبکر ﷺ سے کہا: "عربوں نے اپنے مال کے بارہ میں بخل سے کام لیا ہے، ان پر سختی کرنے سے سوائے تنفر کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے اگر آپ اس سال زکوٰۃ وصول نہ کریں تو خوب رہے گا۔"

یعقوب بن محمد زہری اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے تھے: "ابوبکر ﷺ شکر گزاروں کے امیر ہیں، جو اپنے دین پر ثابت رہے اور صبر کرنے والوں کے بادشاہ ہیں، جنہوں نے اپنے دشمنوں (مرتدین) سے جہاد کرنے پر صبر کیا۔ ابوبکر ﷺ ہی کے مشورہ سے صحابہؓ نے ان سے جہاد کرنے پر اتفاق کیا۔" عرب اپنی ردت میں متعدد فرقوں میں منقسم تھے۔ ایک جماعت نے یہ کہہ کر ارتداد اختیار کیا کہ "اگر آپ ﷺ نبی ہوتے، تو آپ کو موت نہ آتی۔" دوسری جماعت نے کہا: "آپ ﷺ کی وفات سے نبوت ختم ہو گئی ہے، اس لیے ہم اب کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔" اس کے متعلق حطیہ نے کہا ہے۔

اطعنا رسول اللّٰہ ما عاش بیننا

فیا العباد اللّٰہ ما لأبی بکر

”جب تک رسول اللہ ﷺ ہم میں زندہ رہے، ہم نے ان کی اطاعت کی، اے اللہ کے بندو! تعجب ہے، ابوبکر ؓ کو کیا ہوا؟“

أیورثها بکرًا اذا مات بعدهٗ
فتلک وبیت اللّٰه فاصمة الظهر

”کیا اپنی موت کے بعد اپنے بیٹے بکر کو اس کا وارث بنائیں گے؟ اللہ کے گھر کی قسم! یہ کمر کو توڑ دینے والی بات ہے!“

بعض نے کہا: ”ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔ مگر اپنے مال کے بارہ میں ان کی بات نہیں مانتے۔“ میں کہتا ہوں، اسی جماعت کے متعلق شبہ واقع ہوا۔ اور ان ہی کے بارہ میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے درمیان بحث و تکرار ہوئی۔ حضرت ابوبکر ؓ نے بڑی پامردی سے ان سے مناظرہ کیا، جس کے نتیجہ میں ان کا شبہ دور ہوا اور سب نے تسلیم کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح ہے اور اُن سے جہاد کرنا برحق ہے۔ انتہیٰ

ان ہی سے جہاد کرنے کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر ؓ سے ان کے ساتھیوں نے جھگڑا کیا۔ ان میں سب سے زیادہ سرگرم حضرت عمر ؓ، ابوعبیدہ ؓ بن جراح اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ ؓ تھے۔ یہ کہتے تھے: ”اب اُسامہ ؓ کے لشکر کو نہ بھیجئے، ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے اس کا مدینہ میں ہونا ضروری ہے۔ گڑبڑ ختم ہونے تک عربوں سے نرمی کا برتاؤ کیجئے اس کے نتائج بڑے دوررس ہیں۔ اگر عرب کا کوئی ایک قبیلہ مرتد ہوتا، تو ہم مشورہ دیتے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مرتدوں سے لڑیں، مگر حالت یہ ہے کہ عرب تو تقریباً سب ہی مرتد ہو گئے ہیں کیونکہ کچھ صراحتاً مرتد ہیں، کچھ مرتدوں کی طرح زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں، کچھ توقف کرنے والے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی اور دشمن کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے؟“

مگر حضرت ابوبکر ؓ نے پورے عزم کے ساتھ کہا: ”خدا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے معلوم ہو کہ اس شہر میں مجھے درندے کھا جائیں گے، تب بھی میں اس لشکر کو ضرور بھیجوں گا جس کے بھیجنے کا اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور میں اپنے

ہاتھ سے وہ جھنڈا نہیں کھولوں گا، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے باندھا ہے۔" پھر اُسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا: "اگر مناسب سمجھیں تو عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس چھوڑ جائیں، مجھے ان کے تعاون کی ضرورت ہے۔" اور ان کو حکم دیا کہ جہاں تک آپ کو جانے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے وہاں ضرور پہنچیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وداع کرنے کے لئے پیدل جا رہے تھے، اور اُسامہ رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں قسم دی تھی کہ وہ سواری سے نہ اتریں۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اور اس کا ارتداد پر آمادہ قبائل پر بڑا خوشگوار اثر پڑا۔ انہوں نے کہا: "اگر اہلِ اسلام میں طاقت نہ ہوتی تو یہ لشکر دشمن سے لڑنے کے لیے سرحد پر نہ آتا۔ ان کا راستہ نہ روکو اور انہیں رومیوں کے مقابلہ میں جانے دو۔" چنانچہ انہوں نے رومیوں کو شکستِ فاش دی اور صحیح وسلامت اپنے وطن لوٹ آئے۔

انتقالِ پُر ملال

عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حسرت سے شعر پڑھا جس کے معنی یہ ہیں:

"نورانی صورت، جس کے چہرہ کی تازگی سے بادل سیراب ہوتے تھے، یتیموں کے شفیق اور بیواؤں کی پناہ تھے۔"

آپ رضی اللہ عنہ نے آنکھیں کھول دیں اور کہا: "یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کا مستحق نہیں۔"

آپ کا آخری کلام یہ تھا: "اے رب! تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحوں سے ملا۔"

یہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تھا، اس کے بعد آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

تدفین کا مسئلہ کس طرح حل ہوا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد صحابہ کرام میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ آپ کو کہاں دفن کیا

جائے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ ان کو شہدائے کرام کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے اور بعض حضرات چاہتے تھے کہ آپ کی قبر شریف جنت البقیع میں بنائی جائے لیکن میری دلی خواہش یہی تھی کہ آپ میرے اسی حجرہ میں سپرد خاک کیے جائیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منور ہے یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور خواب میں یہ آواز میں نے سنی کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ "ضُمُّوْا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ." (یعنی حبیب کو حبیب سے ملا دو) خواب سے بیدار ہو کر میں نے لوگوں سے اس آواز کا ذکر کیا تو بہت سے لوگوں نے کہا کہ یہ آواز ہم لوگوں نے بھی سنی ہے اور مسجد نبوی کے اندر بہت سے لوگوں کے کانوں میں یہ آواز آئی ہے۔ اس کے بعد تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ آپ کی قبر اطہر روضہ منورہ کے اندر بنائی جائے۔ اس طرح آپ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلوئے اقدس میں مدفون ہو کر اپنے حبیب کے قرب خاص سے سرفراز ہو گئے۔ (شواہد النبوۃ ص ۱۵۰)

سلام سے روضۂ رسول ﷺ کا دروازہ کھل گیا

جب حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدس جنازہ لے کر لوگ حجرۂ منورہ کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عرض کیا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ هٰذَا اَبُوْبَکْرٍ" یہ عرض کرتے ہی روضہ منورہ کا بند دروازہ یک دم خود بخود کھل گیا اور تمام حاضرین نے قبر انور سے یہ غیبی آواز سنی:

"اُدْخُلُوْا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ"......

یعنی حبیب کو حبیب کے دربار میں داخل کر دو۔

(تفسیر کبیر، ج ۵ ص ۴۷۸)

حضرت رسول اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہم خیال رہے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ عظیم اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی کسی کام میں مخالفت نہیں کی اس سلسلہ میں خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق موجود ہے۔

طبرانی نے سہلؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ جب حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو منبر پر رونق افروز ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا،

"ایھاالناس ان ابا بکر لم یسونی قط."

(تاریخ الخلفاء احوال ابی بکر۔ فصل فی الاحادیث الواردہ فی فضلہ)

"اے لوگو بلاشبہ ابوبکرؓ نے کبھی مجھے ملول نہیں کیا۔"

یہ ایک اہم اور عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جب عرب معاشرہ طرح طرح کی برائیوں اور شر و فساد کی قباحتوں میں سرتاپا غرق ہو چکا تھا، اور بھرے پرے ماحول میں سلیم الطبع، انسانیت سرشت انسان کا وجود عنقا ہو گیا تھا صدیق اکبرؓ کا وجود مسعود اس دور میں بھی موجود تھا۔ جس کا ہر قول و عمل اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر اشارہ ابرو کے عین مطابق سرانجام پاتا تھا۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ آخر اس کی وجہ کیا تھی کہ پورا ماحول تو صدیق اکبرؓ پر اثر انداز نہ ہو سکا اور صرف ایک فرد واحد کے اعمال و افکار کی خوشبو ان کی طبیعت میں رچ بس گئی۔

حضرت سید نورالحسن شاہ بخاریؒ نے اس سوال کے جواب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی ہے۔ جسے محدث خطیب بغدادیؒ نے نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انا وابو بکر وعمر خلقنا من تربۃ واحدۃ وفیھا ندفن."

(الحق والمفرق)

"میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی ایک ہی مٹی میں ہم دفن ہونگے۔"

چنانچہ آنے والے حالات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک پیشین گوئی کے حرف حرف پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کو اپنے آقا اور مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفن نصیب ہوا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى.

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ پیدائش سے قبل انسان کا خمیر جس مٹی سے اٹھایا جاتا ہے، انتقال کے بعد وہی مٹی اس کا مدفن بنتی ہے۔ ❶ اس سے معلوم ہوا کہ قدرت نے جس مٹی سے حضرت سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر اٹھایا تھا، حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کا خمیر بھی اسی مٹی سے لیا تھا۔ چنانچہ بعد از وفات تینوں مقدس اجسام پھر اسی مٹی کے حوالے کر دیئے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر کی طبیعت ومزاج میں ہم رنگی وہم آہنگی کی اہم وجہ بھی یہی ہے۔

❁❁❁❁❁

---

❶ ..... فدائے ناموسِ صحابہ شہید اسلام مولانا حق نواز جھنگوی اپنے ولولہ انگیز خطابات میں مشہور حدیث نبوی "مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"اللہ کے آخری پیغمبر اور صدیق اکبر دونوں ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے، ایام وشہور کی تھوڑی سی تقدیم وتاخیر کے ساتھ برابر برابر عمر گزار کر جب دونوں نے وفات پائی تو قانون قدرت کے مطابق ایک ہی جگہ پر دفن ہوئے، اور قیامت کے دن اسی جگہ سے اٹھائے جائیں گے اور چونکہ اللہ کے پیغمبرؐ نے اپنے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ قرار دیا ہے تو ثابت ہوا کہ صدیق.....

پیدا جنت میں ہوا.....

زندگی جنت میں گزاری.....

مر کر جنت میں جا سویا.....

قیامت کی صبح کو اس جنت سے اٹھے گا، اور اپنے آقا کے ہمراہ پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت میں چلا جائے گا۔" (سبحان اللہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی داستانِ عشق

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جب ان کے والد نے اسلام قبول کیا ہے، سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ایک روایت میں بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اسلام کے اظہار کا کتنا شوق تھا اور اس کے لئے قریش سے کس طرح لڑتے تھے۔ فرماتے ہیں:

"جب میرے والد عمرؓ ایمان لائے تو پوچھا، قریش میں سب سے بڑا لپاتونی اور ڈھنڈورچی کون ہے؟ کہا گیا: جمیل بن معمر الجمحی! اس کے پاس پہنچے اور کہا جمیل تمہیں معلوم ہے میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور میں محمد ﷺ کے دین میں داخل ہوگیا ہوں" خدا کی قسم! اس نے ایک لفظ نہ کہا اور چادر گھسیٹتا ہوا چل پڑا۔ حضرت عمرؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ جمیل مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور چلا چلا کے کہنے لگا۔ "اے گروہ قریش!"..... قریش اس وقت کعبے کے چاروں طرف ٹولیاں بنائے بیٹھے تھے..... تمہیں معلوم ہے۔ عمرؓ بے دین ہوگیا ہے۔ فوراً ہی حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ بکتا ہے! میں تو اسلام لایا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ "لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ۔" یہ سنتے ہی قریش بھڑک اٹھے اور حضرت عمرؓ سے لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ جب سورج سروں پر آگیا تو حضرت عمرؓ تھک کے بیٹھ گئے۔ قریش ان پر پلے کھڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا "کرلو جو تمہارا جی چاہے! میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں اگر ہم تین سو کی تعداد میں ہوتے تو یا سب کچھ تم سے لے لیتے یا سب کچھ

تمہارے لئے چھوڑ دیتے۔" اسی اثناء میں ایک معمر قریشی منقش جبہ اور پھول دار قمیص پہنے آیا اور ان کے پاس آکر پوچھنے لگا "کیا بات ہے؟" لوگوں نے کہا: "عمرؓ بے دین ہوگیا ہے!" بوڑھے نے جواب دیا "تو پھر کیا ہوا، ایک شخص نے جو چاہا اپنے لئے پسند کرلیا۔ تمہیں کیا مطلب؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بنو عدی بن کعب اپنے آدمی کو تمہارے رحم وکرم پر چھوڑ دیں گے۔ ہٹ جاؤ اس کے پاس سے۔" پس خدا کی قسم! وہ اس طرح الگ ہوگئے جیسے جسم سے کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ہجرت فرمائی تو آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ نے پوچھا: "ابا! جب آپ اسلام لائے تھے اور قریش آپ سے لڑ رہے تھے تو وہ کون شخص تھا جس نے انہیں ڈانٹ کر آپ سے الگ کیا تھا؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا "بیٹا! وہ عاص بن وائل السہمی تھے۔" (حیاۃ الصحابہؓ)

عاص بن وائل السہمی، عمرو بن العاص کے والد تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبول اسلام کے بعد کئی بار ان کی مدد کی اور اس سے بھی زیادہ مدد کی جو ابھی آپ پڑھ آئے ہیں۔ اس دن حضرت عمرؓ کے پاس سے منتشر ہوجانے کے بعد قریش نے انہیں قتل کی دھمکی دی تھی اور حضرت عمرؓ اپنے گھر میں بیٹھے اس دھمکی کے پورے ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: وہ اپنے گھر میں خوفزدہ بیٹھے تھے کہ عاص بن وائل السہمی آئے۔ ان کا تعلق بنو سہم سے تھا اور بنو سہم عہد جاہلیت میں ہمارے حلیف تھے۔ عاص نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: "کیا بات ہے؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "تمہاری قوم اسلام قبول کرنے کے جرم میں مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔" بولے "وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"
ان کی یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کی ڈھارس بندھ گئی۔

عمرؓ کی آمد سے کعبے میں نماز کا آغاز ہوا

(۲) روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کئی بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم زندگی اور موت میں حق پر نہیں ہیں؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم دنیا اور آخرت میں حق پر ہو!'' حضرت عمرؓ نے کہا ''پھر یہ چوری کیوں؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ہم ضرور کھل کے سامنے آئیں گے!'' چنانچہ نبی اکرم ﷺ صحابہؓ کی دو صفوں میں باہر تشریف لائے۔ ایک صف میں حضرت عمرؓ تھے اور دوسری صف میں حضرت حمزہؓ۔ ان دونوں کا پاؤں جہاں پڑتا تھا وہاں کی زمین ایسی معلوم ہوتی تھی گویا پسا ہوا آٹا ہے۔ مسلمان مسجد میں داخل ہو گئے اور قریش دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ حالانکہ مسلمانوں کی یہ بے خوفی ان سب پر گراں گزری تھی، لیکن ان کا کوئی بے وقوف یا سمجھدار آدمی ان صفوں کے قریب آنے کی جرات نہ کر سکا، جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ تھے۔

حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ سب کو ان کے اسلام کی خبر ہو جائے تا کہ جو بگڑنا چاہے بگڑ لے اور جو لڑنا چاہے لڑ لے۔ جو لوگ کعبے کے اردگرد ٹولیاں بنائے بیٹھے ہیں، اگر وہ مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت عمرؓ ان کا مقابلہ کریں گے اور اسوقت تک پیچھے نہیں ہٹیں گے، جب تک ان کی وقت ہی جواب نہ دے دے۔ اس کے بعد بھی وہ قریش سے ہار نہیں مانیں گے اور جب مسلمانوں کی تعداد تین سو تک پہنچ جائے گی تو پھر ان کا مقابلہ کریں گے۔ یہاں تک کہ مسلمان قریش کو مکہ سے نکال دیں گے یا قریش مسلمانوں کو۔ پھر انہیں ابوجہل کی قوت اور مزاج کی تیزی بھی اس کے گھر کے جانے اور دروازہ دیکھا کر اسے اپنے مسلمان ہو جانے کی خبر دینے سے نہ روک سکی۔ وہ طاقت ور تھے اور انہیں اپنی طاقت پر بھروسا تھا۔ وہ جوان تھے، اور انہیں اپنی جوانی کا مان تھا۔ وہ جرأت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ ان پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا۔ انہیں کوئی نہیں ڈرا سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دوسرے مسلمانوں کی طرح چھپ کر کوئی کام نہ کیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ کعبے میں نماز پڑھنے کی قسم کھائی اور اس وقت کھائی جب مسلمان مکے کے آس پاس کی پہاڑیوں میں چھپ چھپ کے نمازیں پڑھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی قسم پوری ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ ''عمر کا اسلام ہماری فتح، ان کی ہجرت ہماری کامیابی اور ان کی امارت خدا کی رحمت تھی۔ جب تک

عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے ہم کعبے میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن جب وہ مسلمان ہوئے تو قریش کو لڑ بھڑ کے مجبور کر دیا کہ مسلمانوں کو کعبے میں نماز پڑھنے سے نہ روکیں۔'' وہ یہ بھی فرماتے تھے ''جب سے عمرؓ نے اسلام قبول کیا، ہم سربلند ہیں۔'' حضرت صہیب بن سنان سے ایک روایت منقول ہے کہ ''جب عمرؓ مسلمان ہوئے، اسلام کھل کر سامنے آ گیا اور اس کی دعوت علانیہ دی جانے لگی۔ ہم کعبے کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لیتے اور دریدہ دہنی سے پیش آنے والے کو منہ توڑ جواب دیتے تھے۔''

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فاروقِ اعظمؓ کا مشورہ

(۴) مسلمانوں نے غزوۂ بدر میں دشمن کے ستر آدمی گرفتار کیے جن میں بیشتر قریش کے سردار اور اعیان و اکابر تھے ان قیدیوں کے متعلق مسلمانوں میں سب سے زیادہ مخالفانہ روش حضرت عمرؓ کی تھی، وہ ان سب کو قتل کر دینا چاہتے تھے لیکن قیدیوں کو اپنی زندگی عزیز تھی اور وہ چاہتے تھے کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ان کی سفارش کریں۔ انہوں نے سفارش کا وعدہ تو کر لیا لیکن انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت عمرؓ کام خراب نہ کر دیں، اس خیال سے قیدیوں کو ان کے پاس بھیج دیا۔ قیدی پہنچے اور ان سے بھی وہی کہا جو حضرت ابو بکر سے کہا تھا لیکن حضرت عمرؓ کا جواب ایک قہر آلود نگاہ تھی اور بس! حضرت ابو بکرؓ نے خدمت نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ ان قیدیوں پر احسان کیا جائے یا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ فدیے کی رقم سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی۔ لیکن حضرت عمرؓ کا غصہ اپنی آخری حد کو پہنچا ہوا تھا، انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ کے دشمن ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا۔ آپ ﷺ سے لڑے اور آپ کو مکہ سے نکال دیا۔ ان کی گردنیں مار دیجئے! یہ گمراہی کے سردار اور کفر کے امام ہیں ان کے قتل سے اسلام کو سربلندی حاصل ہوگی اور اہل شرک ذلیل ہو جائیں گے۔''

اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا اور بات فدیہ قبول کر لینے پر ختم ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا لیکن اس کے فوراً بعد وحی

آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة والله عزيز حكيم. (الانفال:٦٧)

''نبی ﷺ کو مناسب نہ تھا کہ اُن کے پاس قیدی رہیں جب تک ملک میں خوب قتل نہ کریں۔ تم لوگ تو دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اس طرح اسیران بدر کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی رائے نے الہامی شخصیت ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا جیسا کہ اس سے پہلے اذان کے مسئلے میں بھی ظاہر ہو چکا تھا۔ اس سے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی نگاہ میں حضرت عمرؓ کی حیثیت بلند اور ان کی رائے وقیع ہوگئی۔

مکرز بن حفص نے سہیل بن عمرو کا فدیہ ادا کرنا چاہا۔ سہیل بڑا ابلغ البیان خطیب تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے مکرز کو سہیل کا فدیہ ادا کرتے دیکھا فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اجازت دیجئے کہ میں سہیل بن عمرو کی بتیسی نکال دوں۔ یہ پوپلا ہو جائے گا اور میدان جنگ میں آپ کے سامنے کھڑا نہ ہو سکے گا۔'' ارشاد ہوا: ''میں اس کے ساتھ کوئی ایسا برا سلوک نہیں کرنا چاہتا جو میرے نبی ہونے کے باوجود کل میرے ساتھ اللہ کرے! حضرت عمرؓ کا یہ کہنا ان کے اس اصرار پر صریح دلالت کرتا ہے کہ ان قیدیوں میں صاحب اقتدار ہیں انہیں نہ چھوڑا جائے تاکہ کل وہ مسلمانوں کے مقابلے پر نہ آ سکیں اور وہ اپنی اس رائے پر اس وقت بھی مصر تھے جبکہ مسلمانوں کی جماعت فدیہ وصول کر لینے کے حق میں اپنی رائے دے چکی تھی۔

وحی نازل ہوئی اور اس نے اسیران بدر کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی رائے کی تصدیق کر دی۔ اس سے حضرت عمرؓ کو خدمت نبوی ﷺ میں اور تقرب اور اعتبار حاصل ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے مشیر خاص بن گئے۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ خنیس بن حذافہ کی بیوی تھیں جو سابقون اولون میں سے تھے۔ واقعہ بدر سے چند مہینے پہلے خنیس نے حضرت حفصہؓ کو چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ جس طرح اس سے پہلے حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر سے کیا تھا۔ اب رسالت

آپ ﷺ اور حضرت عمرؓ کے درمیان رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی طرح عمرؓ بھی کاشانہ رسالت میں آنے جانے لگے۔

غزوۂ اُحد میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق

(۴) غزوہ احد میں مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر جھوٹی تھی اور آپ ﷺ زینت افزائے عالم ہیں تو ان کے دلوں میں ایمان کی شمع پھر روشن ہو گئی اور اس یقین نے دوبارہ ان میں زندگی پیدا کر دی کہ اللہ اپنے رسول اللہ ﷺ کا حامی و ناصر ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام اور دوسرے صحابہؓ آپ کی حفاظت کے لئے دوڑے۔ خالد بن ولید کو جب یہ معلوم ہوا تو قریش کے گھڑ سواروں کو لے کر پہاڑ پر چڑھے کہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے فدائیوں کو شہید کر دیں لیکن حضرت عمرؓ بن خطاب نے چند مسلمانوں کے ساتھ خالد اور ان کے سپاہیوں کا مقابلہ کیا اور نبی رحمت ﷺ کی مدافعت میں اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ انہیں پسپا کر دیا اور خالد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک خوبصورت واقعہ

(۵) نبی اکرم ﷺ کے نجی معاملات میں حضرت عمرؓ کی دخل اندازی کا ایک اور واقعہ ہے جو شاید نہ ہوتا اگر ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ امہات المؤمنین میں شامل نہ ہوتیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ازواج مطہرات نے زینب بنت جحش کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ان سے انصاف نہیں کیا جاتا۔ عائشہؓ کی محبت میں ان پر زیادتی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب حضرت ماریہؓ کے ہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ از راہ محبت بچے سے شفقت فرمانے لگے تو حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ اور ان کی دیکھا دیکھی تمام امہات المومنین نے شکایت کی، یہاں تک کہ حضور ﷺ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لینے کی تہدید کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا۔ امہات المومنینؓ میں وہ دو کون تھیں جنہوں نے یہ شکایت کی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، حفصہؓ اور عائشہؓ!

اس کے بعد کہا، ''واللہ! ہم جاہلیت میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے ان کے بارے میں جو نازل کرنا تھا اور جو حصہ انہیں دلوانا تھا، دلوادیا۔'' ایک دفعہ مجھے کوئی معاملہ درپیش آیا۔ میری بیوی نے کہا'' آپؓ ایسا کیوں نہیں کر لیتے؟'' میں نے کہا ''تم کون ہوتی ہو؟ تم سے اس معاملے میں دخل دینے کو کس نے کہا ہے'' وہ بولی۔'' ابن خطاب! تعجب ہے۔ تم میری ذرا سی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتے اور تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو ایسا جواب دیتی ہے کہ حضور ﷺ دن بھر غضب ناک رہتے ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے کہا۔'' یہ سنتے ہی میں نے چادر اٹھائی اور گھر سے نکل کر سیدھا حفصہؓ کے پاس پہنچا اور اس سے کہا'' بیٹی! کیا تم رسول اللہ ﷺ کو ایسا جواب دیتی ہو کہ حضور ﷺ دن بھر غضب ناک رہتے ہیں۔'' حضرت حفصہؓ نے کہا' ہاں! خدا کی قسم! ہم آپ ﷺ کو جواب دیتے ہیں۔'' میں نے کہا'' دیکھو! میں تمہیں اللہ کی سزا اور اس کے رسول کے غضب سے ڈراتا ہوں۔ بیٹی اپنے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو، اس (عائشہؓ) کو تو اس کے حسن اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نے نازاں کر دیا ہے۔'' یہ کہہ کر میں وہاں سے نکلا اور ام سلمہؓ کے پاس پہنچا جو میری رشتہ دار تھیں جب اس سلسلے میں ان سے بات ہوئی تو ام سلمہؓ نے کہا'' ابن خطابؓ! حیرت ہے تم ہر بات میں دخل دیتے ہو، اب یہ چاہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینے لگو!'' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ ان کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں آگے جو کہنا چاہتا تھا نہ کہہ سکا اور ان کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔ ایک انصاری میرے دوست تھے۔ ہم میں سے کسی ایک کی غیر موجودگی میں جو باتیں ہوتیں۔ وہ ہم ایک دوسرے کو سنادیا کرتے تھے۔ ان دنوں ہم غسان کے ایک بادشاہ سے خوف زدہ تھے، جس کے متعلق سننے میں آیا تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور ہمارے دل ہر وقت اس متوقع حملے کے خیالات سے لبریز رہتے تھے۔ ایک دن میرے انصاری دوست نے زور زور سے کنڈی کھٹکھٹائی اور کہا'' دروازہ کھولو! میں نے گھبرا کر پوچھا'' کیا غسانی آگیا؟'' بولے'' نہیں! اس سے بھی بڑا حادثہ پیش آگیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمالی ہے۔'' میں نے کہا'' برا ہوا! حفصہؓ اور عائشہؓ کا۔ اور چادر لے کر سیدھا خدمت نبوی میں پہنچا۔ اس وقت حضور ﷺ بالا خانے پر تشریف فرما تھے جس تک پہنچنے کا ذریعہ ایک سیڑھی

تھی جو کھجور کا تنا کھود کر بنائی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے غلام اسود سیڑھی کے سرے پر کھڑے تھے۔ میں نے ان سے کہا "عرض کردو! عمرؓ بن خطاب حاضر ہوا ہے اور انہوں نے میرے لئے اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں، میں نے یہ گفتگو رسول اللہ کی خدمت میں دہرائی اور جب ام سلمہؓ کی بات پر پہنچا تو حضور ﷺ نے تبسم فرمایا۔"

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ماہ تک ازواج مطہراتؓ سے علیحدہ رہے، جب پورا مہینہ گزر گیا تو مسلمان مسجد میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: "رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے دی" یہ سن کر حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بالا خانے کے پاس پہنچ کر حضور ﷺ کے غلام رباحؓ کو آواز دی کہ حاضری کی اجازت طلب کریں۔ لیکن رباحؓ نے جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ آواز دی اور جب دوسری بار بھی جواب نہ ملا تو بلند آواز سے کہا "رباحؓ! میری حاضری کے لئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرو میرا خیال ہے حضور ﷺ گمان فرما رہے ہیں کہ میں حفصہؓ کے لئے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر حضور ﷺ مجھے حکم دیں تو میں حفصہؓ کی گردن مار دوں!" رسول اللہ ﷺ نے حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی اور حضرت عمرؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کی کون سی بات قلب رسالت ﷺ پر گراں گزری ہے؟ اگر حضورؐ انہیں طلاق دے چکے ہیں تو اللہ اور اس کے ملائکہ، جبرائیل، میکائیل، میں، ابو بکرؓ اور تمام مسلمان حضورؐ کے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد وہ نبی اکرم ﷺ سے مسلسل باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بشرہ مبارک سے غصہ وغضب کے آثار معدوم ہوگئے اور حضور ﷺ مسکرا دیئے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ واقعۂ قرطاس میں

(۶) جب رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات نے شدت اختیار کی۔ حضور ﷺ نے ان مسلمانوں کی طرف جو اس وقت کاشانہ نبوت میں حاضر تھے، اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کاغذ اور قلم لاؤ، میں تمہیں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔" اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا۔ بعض نے کہا "کاغذ اور قلم لے آؤ کہ حضور ایسا ہدایت

نامہ تحریر فرمادیں جس سے تمہاری گمراہی کا امکان باقی نہ رہے۔" لیکن صحابہؓ نے جن کے سرگروہ حضرت عمرؓ تھے، اس کی مخالفت کی اور کہا: "اس وقت رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔" نبی رحمت ﷺ نے صحابہ کا یہ اختلاف دیکھا تو ارشاد ہوا "چلے جاؤ، تمہیں نبی ﷺ کے سامنے جھگڑنا نہیں چاہئے۔" اور کچھ تحریر نہیں فرمایا شاید حضور ﷺ سب سے زیادہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متاثر ہوئے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ ان کے اخلاص صداقت اور رائے کی پاکیزگی سے واقف تھے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک اعزاز

(۷) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے عمرہ کی اجازت چاہی اور آپ ﷺ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا "یا اخی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا!" حضرت عمرؓ جب کبھی اس کا ذکر کرتے تو فرماتے "مجھے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد، یا اخی، ان تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔"

حضور ﷺ کی خوشی پر اظہارِ فخر

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد دو راتوں تک سو نہیں سکے تھے لوگ حضرت صدیقؓ کے پیمان و وصیت کے احترام میں ان سے بیعت کر رہے تھے تاہم ان کے اکثر زعماء حضرت عمرؓ کی شدت اور درشتی کے سبب انہیں پسند نہیں کرتے تھے، پھر ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے دل میں خلافت کی امید رکھتے تھے، لیکن حکومت کے معاملات کبھی مستحکم بنیادوں پر نہیں چل سکتے تاوقتیکہ اہل الرائے اس سیاست میں ذمہ دارانہ حیثیت سے شریک نہ ہوں اور مرحلہ اتنا نازک تھا کہ حضرت عمر اسے وقت کے حوالے کر کے خدا سے یہ دعا مانگنے پر اکتفا نہیں کر سکتے تھے کہ وہ ان کے دل میں لوگوں کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دے۔ اگر اس موقع پر ہمت و جرات سے کام نہ لیا جاتا تو ملکی سیاست میں تشویشناک صورت حال پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن اس حکم سے غلاموں کو ان کے رشتہ داروں کے پاس بھیج دیا جائے، قبائل عرب کی تالیف قلب ہو گئی تھی اور حضرت عمرؓ نے اپنی سختی سے نفرت کرنے والے دلوں کو جیت لیا تھا۔ اب انہیں بے کھٹکے اپنی پالیسی پر کاربند ہو جانا چاہئے

تھا! چنانچہ تیسرے دن جب وہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگ ان کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو اٹھے اور فرمایا:

''عرب کی مثال ایک نکیل پڑے اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کے پیچھے چلتا ہے۔ یہ دیکھنا ساربان کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرح لے جائے۔ قسم ہے مجھے رب کعبہ کی! میں انہیں راہ راست پر لا کے چھوڑوں گا۔''

نگاہیں اور بھی حضرت عمرؓ کے چہرے پر جم گئیں اور مسجد میں جتنے لوگ تھے ان سب نے یہی گمان کیا کہ یہ شخص اپنی سختی اور درشتی کی بنا پر ان کے لئے عذاب کا تازیانہ بن کر رہے گا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے چہروں کو پڑھ لیا اور جب لوگ ظہر کی نماز کے لئے جمع ہوئے تو منبر پر چڑھ کر فرمایا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے اور میری درشتی سے کانپتے ہیں وہ کہتے ہیں، عمرؓ اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب رسول اللہ ﷺ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم تھا۔ پھر وہ اس وقت بھی ہم سے سختی کے ساتھ پیش آتا رہا جب ہمارے اور اس کے درمیان حضرت ابوبکرؓ حائل تھے، لیکن اب کیا ہوگا جب کہ تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور جو بھی یہ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے...... مجھے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ میں سرکار دو عالم ﷺ کا غلام اور ادنیٰ چاکر تھا اور کوئی نہ تھا جو نرمی اور رحم دلی میں آپ ﷺ کو پہنچ سکتا۔ جیسا کہ اللہ نے بھی فرمایا وہ مومنین کے لئے رافت و رحمت کا سرچشمہ ہیں۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں میری حیثیت ایک شمشیر کی سی تھی۔ جب حضور ﷺ چاہتے، مجھے نیام میں فرما لیتے اور جب چاہتے اذن کار عطا کر دیتے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو یاد فرما لیا۔ حضور ﷺ آخر وقت تک مجھ سے خوش رہے۔ اس پر میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس حالت پر مجھے فخر ہے۔''

اس کے بعد مسلمانوں کی زمام کار ابوبکرؓ صدیق کے سپرد کی گئی، جن کے تحمل، کرم اور نرمی کے شکار نہیں، اور میں ان کا بھی خادم اور مددگار تھا۔ اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمو دیتا تھا۔ میں ایک تلوار تھا جسے وہ نیام میں کر لیتے تھے یا اپنا کام کرنے کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ میں اسی طرح ان کے ساتھ بھی رہا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے انہیں بھی ہم

سے جدا کر دیا اور وہ آخر دم تک مجھ سے خوش تھے، اس پر میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس سعادت پر مجھے خوشی ہے۔

اور اب اے لوگو! تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے شانوں پر رکھ دی گئی ہے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اب نرمی سے بدل گئی ہے، لیکن ان لوگوں پر بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو امن وسلامتی سے رہتے اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں سو ان کے لئے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم یا کسی پر ظلم یا کسی کے ساتھ زیادتی کرے گا تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ ٹکا دوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں، تا آنکہ وہ حق کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے۔ لیکن اپنی ان تمام تر شدت کے باوجود اہل عفاف اور اہل کفاف کے لئے میں خود رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

حضور ﷺ کی تنگدستی کا منظر دیکھ کر کیا بیتی!

(۹) ایک مرتبہ دیکھا، چٹائی بچھی ہے، جس پر کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تکیہ پڑا ہے۔ ایک طرف رنگ سازی کے کام آنے والے پتوں کا ڈھیر لگا ہے اور اوپر مشکیزہ لٹک رہا ہے، یہ تھی کل دنیاوی متاع جس میں کونین کا شہنشاہ ﷺ بڑے استغناء سے بیٹھا تھا۔

عاشق کی نگاہ محبوب کے مقدس جسم پاک کی طرف اٹھ گئی جس پر حریر کی ملائمت اور پھولوں کی نزاکت قربان تھی۔ اس پر چٹائی کے واضح نشان دیکھ کر دل کی کیفیت بدل گئی روح ودماغ پر غم واندوہ کے سائے چھا گئے اور نا قابل برداشت صدموں کے تند وتیز جھٹکوں نے انگ انگ کو ہلا ڈالا بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور جذبات الفاظ میں ڈھل گئے:

"اے آقا! یہ کیا شان استغناء ہے، دنیا کے بادشاہ تو عیش وعشرت میں زندگی گزار رہے ہیں، اور دونوں جہاں کا بادشاہ اس حال میں رہ رہا ہے، آپ بھی دعا کریں وسعت حاصل ہو، اور زندگی کے دن فراغت وترفہ میں کٹیں۔"

حضور ﷺ نے حقیقت سے آگاہ فرمانے، ان کی سوچ کا رخ موڑنے اور تسلی

دینے کے لئے فرمایا:

''اے عمر! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ دنیادار بادشاہ اسی جگہ اپنی حسرتیں نکال لیں اور آخرت میں ان کے لئے کچھ حصہ نہ ہو اور ہم اس صبر وقناعت کے بدلے لازوال ابدی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں؟

فاروق اعظمؓ کی سمجھ میں آ گئی، انہوں نے جس نیک نیتی اور محبت سے مجبور ہو کر بارگاہ رسالت میں یہ عرض کی تھی، اس میں گرفت کے قابل کوئی بات نہ تھی، مگر ان کی محبت یہ بھی گوارا نہ کیا اور حضور کی بارگاہ میں عرض کی:

میں نے جو یہ بات کہنے کی جسارت کی ہے، اس کے لئے استغفار کر دیجئے، کہ اللہ تعالیٰ میری یہ لغزش معاف فرمائے!

حضور ﷺ کے نواسوں سے پیار

(۹) آپؓ کے فرزند جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے، حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ بھی ان کے ہمراہ تھے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس وقت کاروبار سلطنت میں مصروف تھے اس لئے اپنے فرزند کو اجازت نہ دی، وہ لوٹ گئے اور ساتھ ہی دونوں شہزادے بھی چلے گئے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو فوراً سارے کام چھوڑ دیئے اور انہیں واپس بلایا اور پوچھا:

''آپ واپس کیوں چلے گئے تھے؟

انہوں نے جواب دیا:

جب آپ نے بھائی عبداللہ کو اجازت نہ دی تو ہم نے بھی مخل ہونا پسند نہ کیا''

آپ نے کہا، عزیزان! کام آپ سے اہم نہیں، اور نہ کوئی آپ کی مثل ہے، آپ جب چاہیں تشریف لے آیا کریں، خلافت کا یہ تاج آپ ہی کی بدولت اس سر کی زینت ہے۔

حضور ﷺ کے چچا کی تکریم

(۱۱) ایک دفعہ مدینہ میں قحط پڑ گیا۔ آپ نے حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ

عنہ کو آگے کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کے توسل سے یوں دعا کی:

اللّٰھم انا کنا نتوسلُ الیک نبیاً ﷺ فتسقینا واِنّا نتوسَّلُ الیک بعم نبیّنا فاسقِنا. (ص:۱۳۷،ج:۱،بخاری)

''اے اللہ! ہم اپنے پیارے نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے اور تو ہمیں باران رحمت عطا فرمایا کرتا تھا اب ہم تیرے پیارے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں ہمیں بارش دے''۔

جب بھی فاروقؓ اعظم یہ دعا کرتے تو بارش ضرور ہوتی۔ اللہ تعالیٰ محبت سے معمور دل سے نکلی ہوئی دعا رد نہ فرماتے۔

آخری لمحات میں عشق کے مظاہر

(۱۲) قاتلانہ حملہ میں زخمی ہونے کے بعد جب لوگ آپ کو مسجد سے اٹھا کر گھر لائے تو طبیب آیا۔ پہلے اس نے کھجوروں کا پانی آپ کو پلایا، لیکن وہ زخم کے راستے باہر نکل گیا اس کے بعد دودھ پلایا وہ بھی سارا کا سارا باہر نکل آیا، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کو یقین آگیا کہ اب ان کا آخری وقت آپہنچا ہے۔

اس یقین کے بعد آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ وہ انہیں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مزاروں کے پہلو میں دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں اسے عمرؓ کے لئے قربان کرتی ہوں''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے لیکن اپنے بیٹے عبداللہ کو بلا کر فرمایا۔ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہلا بھیجا تھا کہ وہ مجھے اپنے دوستوں کے پاس دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں انہوں نے خلافت کے اثر یا تکلیف سے اجازت نہ دے دی ہو اس لئے جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل اور کفن دے کر میرا جنازہ ان کے دروازے پر لے جانا اور کہنا:

''عمر اجازت چاہتا ہے کہ اسے آپ کے حجرہ میں اس کے دو محترم رفیقوں کے

برابر دفن کیا جائے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع لے جانا"

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ والد کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد ہم ان کا جنازہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے قریب لے گئے اور ان سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور وہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کے برابر دفن کئے گئے تھے اور حضرت عمرؓ آپ کے پہلو کے متوازی۔

(حضرت عمرؓ کے اکثر واقعات محمد حسین ہیکل کی کتاب "عمر فاروقِ اعظمؓ" سے لیے گئے ہیں ...... مرتب)

حضرات صحابہ کرام ﷺ کے دلوں میں

حضور ﷺ کی محبت

حضرت سعد بن معاذ ؓ کی ایک درخواست

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت سعد بن مُعاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا نبی اللہ! کیا ہم آپ کے لئے ایک چھپّر نہ بنا دیں جس میں آپ رہیں اور آپ کی سواریاں تیار کر کے آپ ﷺ کے پاس کھڑی کر دیں پھر ہم دشمن سے لڑنے چلے جائیں اگر اللہ نے ہمیں عزت دے دی اور ہمیں دشمن پر غالب کر دیا تو پھر تو یہ بات ہوگی جو ہمیں پسند ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آگئی (یعنی ہم ہار جائیں) تو آپ سواریوں پر بیٹھ کر ہماری قوم کے ان لوگوں کے پاس چلے جائیں جو مدینہ منورہ پیچھے رہ گئے ہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں ایسے بہت سے لوگ رہ گئے ہیں جو آپ ﷺ کی محبت میں ہم سے پیچھے نہیں ہیں، اگر انہیں ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ آپ کو لڑائی لڑنی پڑے گی تو وہ ہرگز مدینہ میں پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائیں گے وہ آپ کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں گے اور آپ کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے یہ سن کر حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ کی بڑی تعریف فرمائی اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی اور پھر حضور ﷺ کے لئے ایک چھپّر بنایا گیا جس میں آپ ﷺ رہے۔[1]

---

[1] اسندہ ابن اسحاق کذا فی البدایۃ (ج ۳ ص ۲۶۸)

ایک صحابی کا انوکھا خوف اور اللہ کی طرف سے تسلی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ سے اپنی جان سے اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت ہے۔ میں بعض دفعہ گھر میں ہوتا ہوں آپ مجھے یاد آجاتے ہیں تو پھر جب تک حاضر خدمت ہو کر آپ کی زیارت نہ کرلوں مجھے چین نہیں آتا۔ اب مجھے یہ خیال آیا ہے کہ میرا بھی انتقال ہو جائے گا آپ بھی دنیا سے تشریف لے جائیں گے اور آپ تو نبیوں کے ساتھ سب سے اُوپر کی جنت میں چلے جائیں گے اور میں نیچے کی جنت میں رہ جاؤں گا تو مجھے ڈر ہے کہ میں وہاں آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا (تو پھر میرا جنت میں کیسے دل لگے گا) ابھی حضور ﷺ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا تھا کہ اتنے میں حضرت جرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ. (النساء: ۶۹)

”اور جو شخص اللہ ورسول ﷺ کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء کے ساتھ۔“

پھر حضور ﷺ نے اس آدمی کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

ایک صحابی کا سوال اور حضور ﷺ کا جواب

بخاری اور مسلم میں یہ حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے کہ قیامت کے متعلق سوال کرتے ہو؟ عرض کیا، حضور! تیاری تو کچھ نہیں کی لیکن مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے آپ نے فرمایا تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں یہاں محبت ہوگی۔ حضرت انس فرماتے ہیں حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں محبت ہوگی اس سے جتنی خوشی ہوئی

اتنی خوشی اور کسی چیز سے نہیں ہوئی اور مجھے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت ہے اور چونکہ مجھے ان حضرات سے محبت ہے اس وجہ سے مجھے پوری امید ہے کہ میں ان ہی حضرات کے ساتھ ہوں گا۔

بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ دیہاتی آدمی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا تیرا بھلا ہو! تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا اور تو کچھ نہیں تیار کر رکھا ہے بس اتنی بات ضرور ہے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں جس سے محبت ہوگی تم اسی کے ساتھ ہوگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ بشارت ہمارے لئے بھی ہے (یا صرف اسی دیہاتی کے لئے ہے) حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تمہارے لئے بھی ہے۔ اس پر اس دن ہمیں بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ ترمذی کی روایت میں اس کے بعد یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے صحابہ ؓ کو اس سے زیادہ کسی اور چیز سے خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک آدمی نے پوچھا یارسول اللہ! ایک آدمی دوسرے سے اس وجہ سے محبت کرتا ہے کہ وہ نیک عمل کرتا ہے لیکن یہ خود وہ نیک عمل نہیں کرتا (تو کیا یہ بھی محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوگا؟) حضور ﷺ نے فرمایا آدمی جس سے محبت کرے گا، اسی کے ساتھ ہوگا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ایک آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کرسکتا (کیا یہ بھی ان کے ساتھ ہوگا) حضور ﷺ نے فرمایا، اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کروگے میں نے کہا مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم جس سے محبت کرو گے اُسی کے ساتھ ہوگے۔ میں نے اپنا جملہ پھر دُہرایا تو حضور ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔

حضرت بلال کا عشق رسالت ﷺ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہ صحابی رسول ﷺ ہیں جن کو بالکل آغاز اسلام میں باسلام ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ ایسے خوفناک ماحول میں جب اسلام لانے کی پاداش

میں سخت ترین مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔حضرت بلال کو کفار مکہ سخت اذیتیں دیتے تھے۔ان کو پکڑ کر جاتے اور دھوپ میں لٹادیتے اور پتھر لاکران کے پیٹ پر رکھ دیتے اور کہتے تمہارا دین لات وعزیٰ کا دین ہے۔حضرت بلال کہتے میرا پروردگار اللہ ہے۔ایسے ایسے مصائب جھیلتے مگر سینے میں عشق مصطفیٰ اس طرح پیوست تھا کہ سارے آلام ومصائب اس کے سامنے ہیچ تھے۔

ایک دن حضرت بلال خانہ کعبہ میں داخل ہوئے قریش کو اس کا علم نہ تھا آپ نے ادھرادھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا بس آپ بتوں کے پاس آکران پر تھوکنے لگے اور کہنے لگے وہ لوگ ناکام اور خسارہ میں ہیں جنہوں نے تمہاری پرستش کی قریش نے ان کو گرفتار کرنا چاہا،لیکن آپ نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور مالک عبداللہ بن جدعان کے گھر میں چھپ گئے۔قریش کے لوگ عبداللہ کے پاس آئے اوراس کو آواز دی وہ باہر آیا تو اس سے ان لوگوں نے کہا۔کیا تم بے دین ہوگئے؟اس نے کہا مجھ جیسے شخص سے بھی ایسی بات کہی جارہی ہے اب تو میں محض اسکے کفارہ میں لات وعزیٰ کے لئے سو اونٹنیاں قربان کروں گا۔ قریش سے لوگوں نے کہا تمہارے کالے(بلال)نے یہ کرڈالا ہے۔اس نے ان کو بلایا۔ لوگ ان کو تلاش کر کے عبداللہ کے پاس لائے یہ ان کو پہچانتا نہ تھا۔اس نے خولیہ کو بلا کر پوچھا،یہ کون ہے کیا میں نے تم کو یہ حکم نہ دے رکھا تھا کہ مکہ کے غلاموں میں کسی کو یہاں نہ رہنے دینا؟خولیہ نے کہا یہ تمہاری بکریاں چراتا تھا اوراس کے علاوہ کوئی اوران کو بکریوں کو پہچانتا نہ تھا اس طرح میں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔اس کے عبداللہ نے ابوجہل اورامیہ بن خلف سے کہا بلال تمہارے حوالہ ہے۔تم لوگ اس کے ساتھ جو چاہو کرو یہ دونوں ان کو بطحا کے تپتے ہوئے حصہ پر کھینچتے ہوئے لاتے ہیں اوران کے دونوں بازوؤں پر چکی رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں اکفر بمحمد محمد کا انکار کرو۔یہ کہتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ دامن مصطفیٰ چھوڑدوں اور پھر اللہ کی توحید کا اعلان کرتے ہیں۔

اس عذاب کا سلسلہ ٹوٹا نہ تھا کہ وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا انہوں نے فرمایا اس اسود(کالے)کو کیا کرنا چاہتے ہو خدا کی قسم تم اس سے انتقام لے ہی نہیں سکتے۔ امیہ بن خلف نے اپنے آدمیوں سے کہا دیکھو میں ابوبکر کے ساتھ ایک ایسا کھیل

کھیلتا ہوں کہ ابھی تک ان کے ساتھ یہ کھیل کھیلا نہ گیا ہوگا۔ پھر ہنس کر بولا ابوبکر تمہارا میرے اوپر قرض ہے تم مجھ سے بلال کو خرید لو آپ نے فرمایا ہاں (کیا لوگے) اس نے کہا تمہارے غلام نسطاس کو۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر میں اسے دیدوں تو تم بلال کو مجھے دیدو گے اس نے کہا ہاں حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ میں نے یہ کرلیا۔ پھر وہ ہنس کر بولا نہیں واللہ آپ کو اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی دینا ہوگا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا چلو یہی سہی پھر اس نے وہی شرارت کی کہ نہیں آپ کو اس کی بیوی کے ساتھ اس کی لڑکی کو بھی دینا ہوگا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا چلو یہ بھی سہی پھر وہ ہنس کر بولا اتنے میں بھی نہیں ہوسکتا جب تک کہ آپ ان کے ساتھ دوسو دینار نہ دیں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تمہیں جھوٹ سے کچھ شرم نہیں۔ اس نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا اگر آپ یہ دوسو دینار بھی دیدیں تو ضرور اپنی بات پوری کروں گا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یہ بھی سہی۔

اب جا کر یہ سودا مکمل ہوتا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اتنی باری قیمت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر رضائے الٰہی کے لئے آزاد کردیتے ہیں (تہذیب تاریخ دمشق ۳۰۵ تا ۳۷۰) حضرت بلال کو جانگسل مصائب وآلام سے چھٹکارا ملتا ہے۔

چونکہ عرب کے بت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے اس لئے اُن کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر ایک ہی ایک ورد تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہوجاتی ہے، اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا۔ سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کردیا جاتا کہ وہ ان کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ "ایک ہی ایک ہے۔" کی رٹ لگائے تھے۔ اسی کا یہ صلہ ملا کہ پھر حضور ﷺ کے دربار میں موذّن بنے اور سفر وحضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور ﷺ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا۔ اس لئے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جتنے دن ہیں جہاد میں گزار دیں، اس لئے جہاد میں شرکت کی

نیت سے چل دیئے۔ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، بلال یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے، تو آنکھ کھلنے پر مدینہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن، حسین رضی اللہ عنہما نے اذان کی فرمائش کی، لاڈلوں کی فرمائش ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانے کی اذان کانوں میں پڑ کر کہرام مچ گیا، عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں، چندروز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔

(اسد الغابۃ: ۱/۲۱۵ تا ۲۱۷)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عشقِ رسول کی کیا خوب منظر کشی کی ہے:

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا — حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا

ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی — تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لئے — کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لئے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورت سلماں ادا شناس تری — شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا — اویسؓ طاقت دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا — ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید — خنک دلے کہ تپید و دمے نیا سائید

گری وہ برق تری جان نا شکیبا پر — کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دست موسیٰ پر

تپش ز شعلہ گرفتند و بر دل تو زدند — چہ برق جلوہ بخاشاک حاصل تو زدند!

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری — کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی — نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا!

خشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

سرکار کے کمسن جانباز

غابہ مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل پر ایک آبادی ہے۔ وہاں حضور اکرم ﷺ کے کچھ اونٹ چرا کرتے تھے۔ کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمٰن فزاری نے ان کو لوٹ لیا جو صاحب چراتے تھے ان کو قتل کر دیا۔ اور اونٹوں کو لیکر چل دیئے۔ یہ لٹیرے لوگ گھوڑے پر سوار تھے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے اتفاقاً حضرت سلمہ بن اکوع صبح کے وقت پیدل تیر کمان لئے ہوئے غابہ کی طرف چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان لٹیروں پر نظر پڑی بچے تھے دوڑتے بہت تھے کہتے ہیں کہ ان کی دوڑ ضرب المثل اور مشہور تھی یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے پکڑ لیتے تھے اور گھوڑا ان کو پکڑ نہیں سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیر اندازی میں بہت مشہور تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے ایک پہاڑی پر چڑھ کر لوٹ کا اعلان کیا اور خود تیر کمان ساتھ تھی ہی ان لٹیروں کے پیچھے دوڑ لئے حتیٰ کہ ان کے پاس تک پہنچ گئے اور تیر مارنے شروع کئے اور اس پھرتی سے دمادم تیر برسائے کہ وہ لوگ بڑا مجمع سمجھے اور چونکہ خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے اس لئے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کو تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہو جاتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا اگر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا۔ حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ غرض وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا حتیٰ کہ جتنے اونٹ انہوں نے حضور کے لوٹے تھے وہ میرے پیچھے ہو گئے اور اس کے علاوہ تیس برچھے اور تیس چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے اتنے میں عینیہ ابن حصن کی ایک جماعت مدد کے طور پر ان کے پاس پہنچ گئی، اور ان لٹیروں کو قوت حاصل ہو گئی یہ بھی ان کو معلوم ہو گیا کہ میں اکیلا ہوں۔ ان کے کئی آدمیوں نے مل کر میرا پیچھا کیا میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہ بھی چڑھ گئے۔ جب میرے قریب ہو گئے تو میں نے کہا کہ ذرا ٹھہرو! پہلے میری ایک بات سنو! تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں انہوں نے کہا کہ بتا تو کون ہے میں نے کہا میں ابن الاکوع ہوں اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی تم میں سے کوئی اگر مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور میں تم میں سے جس کو پکڑنا چاہوں وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔ ان کے متعلق چونکہ عام

طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتیٰ کہ عربی گھوڑا بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔اس لئے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا۔سلمہ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح ان سے بات چیت کرتا رہا اور میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہنچ گئی ہے مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کر کے آیا تھا۔غرض ان سے اسی طرح میں بات کرتا رہا۔اور درختوں کے درمیان سے مدینہ منورہ کی طرف غور سے دیکھتا تھا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑ کر آتی ہوئی نظر آئی ان میں سے سب سے آگے اخرم اسدی تھے انہوں نے آتے ہی عبدالرحمٰن فزاری پر حملہ کیا اور عبدالرحمٰن بھی ان پر متوجہ ہوا۔انہوں نے عبدالرحمن کے گھوڑے پر حملہ کیا اور پاؤں کاٹ دیئے جس سے وہ گھوڑا گرا اور عبدالرحمٰن نے گرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا جس سے وہ شہید ہو گئے اور عبدالرحمٰن فوراً ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ان کے پیچھے ابوقتادہ تھے فوراً انہوں نے حملہ شروع کر دیا۔عبدالرحمٰن نے ابوقتادہ کے گھوڑے کے پاؤں پر حملہ کیا جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انہوں نے عبدالرحمٰن پر حملہ کیا جس سے وہ قتل ہو گیا اور ابوقتادہ فوراً اس کے گھوڑے پر (جو پہلے اخرم اسدی کا تھا اور اب اس پر عبدالرحمٰن سوار ہو رہا تھا) سوار ہو گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضور ﷺ کے لئے مزدوری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو سخت فاقہ کی نوبت آگئی جس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی طرح خبر ہو گئی۔وہ کسی کام کی تلاش میں نکلے تاکہ کھانے کی کسی چیز کا انتظام ہو جائے اور وہ اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر سکیں چنانچہ وہ ایک یہودی کے باغ میں گئے اور پانی کے سترہ ڈول نکالے۔ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور طے ہوئی تھی۔یہودی نے اپنی تمام قسم کی کھجوریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیں کہ جس میں سے چاہیں لے لیں۔چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سترہ عجوہ کھجوریں لے لیں اور جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں حضور ﷺ نے پوچھا اے ابوالحسن رضی اللہ عنہ!تمہیں یہ کھجوریں کہاں سے مل گئیں؟حضرت علی نے کہا یا نبی اللہ!مجھے آپ کے سخت فاقہ کی خبر ملی تو میں کسی کام کی تلاش میں گیا تاکہ آپ کے لئے کوئی کھانے کی

چیز حاصل کرسکوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم نے ایسا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی وجہ سے کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! حضور ﷺ نے فرمایا جو بندہ بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے فقر و فاقہ اس کی طرف اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے جتنی تیزی سے پانی کا سیلاب نچلی جگہ کی طرف جاتا ہے لہٰذا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے اسے چاہئے کہ وہ بلا اور آزمائش کے لیے ڈھال (یعنی صبر، زہد و قناعت) تیار کرلے۔[1]

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حضور ﷺ کے لئے مزدوری

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ آپ کا رنگ بدلا ہوا ہے میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا بات ہے مجھے آپ کا رنگ بدلا ہوا نظر آرہا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا تین دن سے میرے پیٹ میں ایسی کوئی چیز نہیں گئی جو کسی جاندار کے پیٹ میں جاسکتی ہے یہ سنتے ہی میں وہاں سے چلا گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک یہودی (کنویں سے پانی نکال کر) اپنے اونٹوں کو پلانا چاہتا ہے۔ میں نے ایک ڈول کے بدلہ میں ایک کھجور مزدوری پر اس کے اونٹوں کو پانی پلانا شروع کیا بالآخر کچھ کھجوریں جمع ہوگئیں جو میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں جاکر پیش کردیں۔ آپ نے پوچھا اے کعب! تمہیں یہ کھجوریں کہاں سے مل گئیں؟ میں نے آپ کو ساری بات بتادی۔ آپ نے فرمایا اے کعب! کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، میرا باپ آپ پر قربان ہو۔ آپ نے فرمایا جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس کی طرف فقر اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے جتنی تیزی سے سیلاب نچلی جگہ کی طرف جاتا ہے۔ اب تم پر اللہ کی طرف سے آزمائش آئے گی اس کے لئے ڈھال تیار کرلو (اس کے بعد میں بیمار ہوگیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں نہ جاسکا تو) جب حضور ﷺ نے مجھے چند دن نہ دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کعب کو کیا ہوا؟ (نظر نہیں آرہا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں۔ یہ سن کر آپ پیدل چل کر میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا اے

---

[1] اخرجہ ابن عساکر کذا فی کنز العمال (ج ۳ ص ۳۲۱) وقال وفیہ ضش۔

کعب! تمہیں خوشخبری ہو! میری والدہ نے کہا اے کعب! تمہیں جنت میں جانا مبارک ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ پر قسم کھانے والی عورت کون ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ میری والدہ ہے حضور ﷺ نے (میری والدہ کو) فرمایا اے ام کعب رضی اللہ عنہ! تمہیں کیا معلوم شاید کعبؓ نے کوئی بے فائدہ بات کہی ہو اور (مانگنے والے ضرورت مند کو) ایسی چیز نہ دی ہو جس کی خود کعب کو ضرورت نہ ہو۔[1] کنز کی روایت میں یہ الفاظ ہیں شاید کعب رضی اللہ عنہ نے لایعنی بات کہی ہو یا ایسی چیز نہ دی ہو جس کی خود اسے ضرورت نہ ہو۔

حضرت طلحہ ﷺ کی سعادت مندی کا عجیب واقعہ

حضرت حصین بن وحوح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کی خدمت میں ملنے گئے تو وہ حضور ﷺ سے چمٹنے لگے اور آپ کے پاؤں مبارک کا بوسہ دینے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نوعمر لڑکے تھے اس لئے ان کی اس بات پر حضور ﷺ کو بڑا تعجب ہوا۔ اس پر آپ نے ان سے فرمایا جاؤ اور جا کر اپنے باپ کو قتل کر دو۔ وہ اپنے باپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے چل پڑے تو حضور ﷺ نے انہیں بلایا اور فرمایا ادھر آجاؤ۔ مجھے رشتے توڑنے کے لئے نہیں بھیجا گیا اس کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے حضور ﷺ ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر گئے سردی کا زمانہ تھا خوب سردی پڑ رہی تھی اور بادل بھی تھے جب آپ واپس آنے لگے تو حضرت طلحہؓ کے گھر والوں سے آپ نے کہا مجھے تو طلحہؓ پر موت کے آثار نظر آرہے ہیں جب ان کا انتقال ہو تو مجھے خبر کر دینا تاکہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھ سکوں اور ان کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا۔ حضور ﷺ ابھی قبیلہ بنو سالم بن عوف تک نہیں پہنچے تھے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور رات کا وقت ہو گیا تھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے انتقال سے پہلے جو باتیں کیں ان میں یہ وصیت بھی تھی کہ مجھے جلدی سے دفن کر کے مجھے میرے رب کے پاس پہنچا دینا اور حضور ﷺ کو نہ بلانا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ میری وجہ سے رات کو ہی تشریف

---

[1] اخرجہ الطبرانی قال الہیثمی (ج ۱۰ ص ۳۱۴) رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ جید اھ وکذا قال الترغیب (ج ۵ ص ۱۵۳) عن شیخہ الحافظ ابی الحسن واخرجہ ابن عساکر مثلہ کما فی الکنز (ج ۳ ص ۳۲۰)

لائیں اور راستہ میں یہودی حضور ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں۔ چنانچہ (رات کو حضور ﷺ کو اطلاع دیئے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر ان کے گھر والوں نے ان کو دفنا دیا اور) صبح کو جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ ان کی قبر پر کھڑے ہو گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی اے اللہ! تیری ملاقات طلحہ رضی اللہ عنہ سے اس حال میں ہو کہ تو اسے دیکھ کر ہنس رہا ہو اور وہ تجھے دیکھ کر ہنس رہا ہو۔ [1]

حضرت طلحہ بن بَراء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپ سے بیعت ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں تمہیں اپنے والدین سے تعلق توڑنے کو کہوں تو بھی تم بیعت ہونے کو تیار ہو؟ میں نے کہا نہیں میں نے دوبارہ حاظر ہو کر عرض کیا آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپ سے بیعت ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کس بات پر بیعت ہونا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا اسلام پر۔ آپ نے فرمایا اور اگر میں تمہیں والدین سے تعلق توڑنے کو کہوں تو پھر؟ میں نے کہا نہیں۔ میں نے پھر تیسری مرتبہ حاضر ہو کر بیعت ہونے کی درخواست کی۔ میری والدہ حیات تھیں اور میں ان کے ساتھ اوروں سے زیادہ حسن سلوک کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے طلحہ رضی اللہ عنہ! ہمارے دین میں رشتہ توڑنا نہیں ہے لیکن میں نے چاہا کہ تمہارے دین میں کسی طرح کا شک نہ رہے۔ راوی کہتے ہیں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور بڑے اچھے مسلمان بنے۔ اس کے بعد یہ بیمار ہو گئے حضور ﷺ ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لائے۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو یہ بے ہوش تھے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تو یہی نظر آ رہا ہے کہ آج رات ہی ان کا انتقال ہو جائے گا لیکن اگر انہیں افاقہ ہو تو مجھے پیغام بھجوا دینا۔ آدھی رات کو کہیں وہ ہوش میں آئے تو پوچھا کیا حضور نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف نہیں لائے؟ گھر

---

[1] اخرجہ الطبر انی کذافی الکنز (ج ۷ ص ۵۰) واخرجہ البغوی وابن ابی خیثمۃ وابن ابی عاصم وابن شاہین وابن السکن کمافی الاصابۃ (ج ۲ ص ۲۲۷) قال الہیثمی (ج ۹ ص ۳۶۵) وقد روی ابوداؤد بعض ہذا الحدیث وسکت علیہ فہو حسن انشاء اللہ۔ انتہی۔

لوں نے کہا آئے تھے اور یہ فرما گئے تھے کہ جب تمہیں ہوش آئے تو انہیں پیغام بھیج دیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اب انہیں پیغام نہ بھیجو کیونکہ رات کا وقت ہے کوئی جانور انہیں کاٹ لے گا یا انہیں کوئی اور تکلیف پہنچ جائے گی، جب میں مر جاؤں تو حضور ﷺ کو میرا سلام کہہ دینا اور ان سے عرض کر دینا کہ وہ میرے لئے استغفار فرما دیں۔ حضور ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو ان کے بارے میں پوچھا لوگوں نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور انتقال سے پہلے انہوں نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کو نہ بتایا جائے، حضور ﷺ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی اے اللہ! اس سے تیری ملاقات اس حال میں ہو کہ تو اسے دیکھ کر ہنس رہا ہو اور وہ تجھے دیکھ کر ہنس رہا ہو۔[1]

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی چھپی ہوئی خوبی

حضرت زُہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن حُذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ شکایت بیان کی گئی کہ وہ مذاق بہت کرتے ہیں اور بے کار باتیں کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ اس میں ایک چھپی ہوئی خوبی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔[2]

عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضور ﷺ کے غم کی وجہ

حضرت اَدْرَع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک رات آ کر حضور ﷺ کا پہرا دینے لگا تو وہاں ایک آدمی اونچی آواز سے قرآن پڑھ رہا تھا حضور ﷺ باہر تشریف لے آئے میں نے کہا یا رسول اللہ یہ (اونچی آواز سے قرآن پڑھنے والا) ریا کار ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں یہ تو عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ ہے۔ پھر ان کا مدینہ میں انتقال ہو گیا جب صحابہ ان کا جنازہ تیار کر کے انہیں اٹھا کر لے چلے تو حضور ﷺ نے فرمایا ان کے ساتھ نرمی کرو اللہ نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کیا کرتے

---

[1] اخرجہ الطبرانی ایضا عن طلحۃ بن مسکین قال الہیثمی (ج ۹ ص ۳۶۵) رواہ الطبرانی مرسلا وعبدربہ بن صالح لم اعرفہ وبقیۃ رجالہ وثقوا انتہی واخرجہ ابن السکن نحوہ کما فی الاصابۃ (ج ۲ ص ۲۲۷) [2] اخرجہ ابن عساکر کذا فی المنتخب (ج ۵ ص ۲۲۳)

تھے۔ جب حضور ﷺ قبرستان پہنچے تو قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی قبر خوب کھلی اور کشادہ بناؤ۔ اللہ نے ان کے ساتھ کشادگی کا معاملہ کیا ہے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو ان کے مرنے کا بڑا غم ہے! آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے تھے۔[1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب عمل

حضرت عبدالرحمٰن بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا ان کا پاؤں سو گیا، میں نے کہا اے عبدالرحمٰن! آپ کے پاؤں کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا یہاں سے اس کا پٹھا اکٹھا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا آپ کو جس سے سب سے زیادہ محبت ہے اس کا نام لے کر پکاریں (انشاء اللہ پاؤں ٹھیک ہو جائے گا) انہوں نے کہا اے محمد ﷺ! اور یہ کہتے ہی ان کا پاؤں ٹھیک ہو گیا اور انہوں نے اسے پھیلا لیا۔[2]

ہماری جاں چلی جائے لیکن حضور ﷺ کے پاؤں میں کانٹا نہ چبھے

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرتے وقت ان سے حضرت ابوسفیان (یہ اس تک اسلام نہیں لائے تھے) نے کہا اے زید! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو یہ پسند ہے کہ محمد (ﷺ) اس وقت ہمارے پاس ہوں اور ہم تمہاری جگہ ان کی گردن ماردیں اور تم اپنے اہل و عیال میں رہو؟ تو حضرت زید نے جواب میں کہا اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد ﷺ اس وقت جہاں ہیں وہاں ہی ان کو ایک کانٹا چبھے اور اس تکلیف کے دوران میں اپنے اہل و عیال میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (ﷺ) کے صحابہ ﷺ کو محمد ﷺ سے ہے۔

کافر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھا کر بلند آواز سے قسم دے کر پوچھ رہے تھے کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ (حضرت) محمد (ﷺ) تمہاری جگہ ہوں (اور ان کو سولی دے دی جائے؟) حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، عظیم اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی

---

[1] اخرجہ ابن ماجہ والبغوی وابن مندہ وابونعیم کذا فی المنتخب (ج ۵ ص ۲۲۲) وقال فی سندہ موسیٰ بن عبیدۃ الربذی ضعیف۔ [2] اخرجہ ابن سعد (ج ۴ ص ۱۵۴)

پسند نہیں کہ میرے بدلہ میں ان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

حضور ﷺ کی محبت اپنی محبت پر مقدم رکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے قصہ میں بیان کرتے ہیں جب حضرت ابو قحافہ نے حضور ﷺ سے بیعت ہونے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگر اس وقت میرے والد کے ہاتھ کی جگہ آپ کے چچا کا ہاتھ (بیعت ہونے کے لئے) ہوتا اور وہ مسلمان ہوتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اسلام لانے سے آپ کی آنکھ ٹھنڈی کر دیتے تو یہ میرے لئے میرے والد کے مسلمان ہونے سے زیادہ خوشی کا باعث ہوتا اور مجھے زیادہ پسند ہوتا (کیونکہ آپ کو چچا کے اسلام لانے سے زیادہ خوشی ہوتی)۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن ہاتھ پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے کیونکہ وہ بوڑھے بھی تھے اور نابینا بھی، حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ارے تم نے ان بڑے میاں کو گھر ہی کیوں نہ رہنے دیا ہم ان کے پاس چلے جاتے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو (خود چل کر حاضر خدمت ہونے کا) اجر عطا فرمائے، مجھے اپنے والد کے اسلام لانے سے جتنی خوشی ہو رہی ہے (آپ کے چچا) ابو طالب کے اسلام لانے سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی کیونکہ اس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا ہی میری زندگی کا مقصود ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم ٹھیک کہہ رہے ہو (تمہارے دل میں یہی بات ہے)۔[2]

انصار رضی اللہ عنہم کا ایثار اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اظہار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنگ بدر کے دن دوسرے قیدیوں کے

---

[1] اخرجہ عمر بن شبہ وابو یعلی وابو بشر سمویہ فی فوائدہ وسندہ صحیح واخرجہ الحاکم من بذا الوجہ وقال صحیح علی شرط الشیخین کذا فی الاصابۃ (ج ۴ ص ۱۱۶) [2] عند الطبرانی والبزار قال الہیثمی (ج ۶ ص ۱۷۴) وفیہ موسیٰ بن عبیدۃ وہو ضعیف۔

ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی قید ہوئے تھے۔ انہیں ایک انصاری نے قید کیا تھا۔ انصار نے انہیں قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ حضور ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا آج رات میں اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی وجہ سے سو نہیں سکا کیونکہ انصار کہہ چکے ہیں کہ وہ عباس رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں انصار کے پاس جاؤں؟ (اور ان سے عباس رضی اللہ عنہ کو لے آؤں) حضور ﷺ نے فرمایا ہاں جاؤ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جا کر انصار سے کہا عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو۔ انصار نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ان کے چھوڑنے سے اللہ کے رسول ﷺ راضی اور خوش ہوں تو پھر؟ انصار نے کہا اگر ان کے چھوڑنے سے اللہ کے رسول ﷺ راضی اور خوش ہیں تو پھر تم ان کو لے لو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لے لیا۔ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اے عباس! مسلمان ہو جاؤ اللہ کی قسم! تمہارا مسلمان ہونا مجھے (اپنے باپ) خطاب کے مسلمان ہونے سے زیادہ محبوب ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضور ﷺ کو تمہارا مسلمان ہونا بہت پسند ہے۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا اسلام لے آؤ تمہارا اسلام لانا مجھے (اپنے باپ) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں دیکھا ہے کہ حضور ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اسلام لانے میں سبقت حاصل ہو جائے۔ [2]

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی کام کو کروانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت زیادہ تقاضا کیا اور ان سے کہا اے امیر المومنین! آپ ذرا یہ بتائیں کہ آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا مسلمان ہو کر آجاتے تو آپ ان کے ساتھ کیا کرتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں ان

---

[1] اخرجہ ابن مردویہ والحاکم کذا فی البدایۃ (ج ۳ ص ۲۹۸)

[2] عند ابن عساکر کذا فی کنز العمال (ج ۷ ص ۶۹)

کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا چچا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوالفضل! (یہ حضرت عباس کی کنیت ہے) آپ کا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم! آپ کے والد مجھے اپنے والد سے زیادہ محبوب ہیں حضرت عباس نے کہا واقعی اللہ کی قسم؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا ہاں۔ اللہ کی قسم! کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے والد حضور ﷺ کو میرے والد سے زیادہ محبوب ہیں اور میں حضور ﷺ کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دیتا ہوں۔[1]

حضرت ابوجعفر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا نبی کریم ﷺ نے مجھے بحرین کا علاقہ بطور جاگیر کے دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس بات کا اور کس کو علم ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لے آئے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں گواہی دی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ نہ کیا گویا کہ انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو قبول نہ کیا اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت بات کہہ دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ سے) کہا اے عبداللہ! اپنے والد کا ہاتھ پکڑلو۔ اللہ کی قسم! اے ابوالفضل! اگر میرے والد خطاب مسلمان ہو جاتے تو ان کے اسلام لانے پر مجھے جتنی خوشی ہوتی مجھے آپ کے اسلام لانے پر اس سے زیادہ خوشی ہوئی تھی کیونکہ آپ کا اسلام حضور ﷺ کی خوشی کا باعث تھا۔[2]

اہل مدینہ کی محبت کا ایک اور انداز

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو شروع میں ہمارا دستور یہ تھا کہ جب ہم میں سے کسی کا انتقال ہونے لگتا ہم لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر خبر کرتے حضور ﷺ اس کے پاس تشریف لے جاتے اور

---

[1] عند ابن سعد (ج ۴ ص ۱۰) [2] عند ابن سعد (ج ۴ ص ۱۲) ایضاً۔

اس کے لئے استغفار فرماتے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہو جاتا تو حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس تشریف لے آتے اور کبھی اس کے دفنانے تک وہیں تشریف رکھتے اس طرح آپ کو بعض دفعہ وہاں بڑی دیر لگ جاتی جب ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ اس طرح حضور ﷺ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے تو ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ہم حضور ﷺ کو انتقال ہو جانے کے بعد خبر کیا کریں تو اس سے حضور ﷺ کو زیادہ ٹھہرنے کی مشقت نہ ہوگی چنانچہ ہم لوگ ایسے ہی کرنے لگ گئے اور حضور ﷺ کو ساتھی کے انتقال کے بعد خبر کرتے آپ تشریف لا کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے۔ اس کے لئے استغفار کرتے کبھی نماز جنازہ سے فارغ ہو کر آپ واپس تشریف لے جاتے اور کبھی دفن تک ٹھہرے رہتے ایک عرصہ تک ہمارا یہی دستور رہا پھر ہم نے آپس میں کہا اللہ کی قسم! اگر ہم لوگ حضور ﷺ کو تشریف لانے کی زحمت نہ دیا کریں بلکہ ہم جنازہ کو اٹھا کر حضور ﷺ کے گھر کے پاس لے جایا کریں پھر حضور ﷺ کو خبر کیا کریں اور حضور ﷺ اپنے گھر کے پاس ہی اس کی نماز جنازہ پڑھا دیا کریں تو اس میں حضور ﷺ کو زیادہ سہولت ہوگی چنانچہ ہم نے پھر ایسا کرنا شروع کر دیا۔ حضرت محمد بن عمرؓ کہتے ہیں اس وجہ سے اس جگہ کو جنازہ گاہ کہا جاتا ہے کیونکہ جنازے اٹھا کر وہاں لائے جاتے تھے اور پھر اس کے بعد سے آج تک یہی سلسلہ چلا آرہا ہے کہ لوگ اپنے جنازے وہاں لاتے ہیں اور وہاں ان پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ [1]

سیدہ فاطمہؓ سے حضرت فاروقِ اعظم ؓ کی عقیدت

حضرت اسلمؒ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے فاطمہؓ! اللہ کی قسم! میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جس سے حضور ﷺ کو آپ سے زیادہ محبت ہو، اللہ کی قسم! آپ کے والد کے بعد آپ سے زیادہ مجھے کسی سے محبت نہیں ہے۔ [2]

حضور ﷺ کی عزت اور تعظیم کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام مہاجرین اور انصار بیٹھے ہوئے

---

[1] اخرجہ ابن سعد (ج ا ص ۲۵۷) [2] اخرجہ الحاکم کذا فی کنز العمال (ج ۷ ص ۱۱۱)

تھے اور ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آتے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے علاوہ اور کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (عظمت کی وجہ سے) نگاہ نہ اٹھاتا۔ یہ دونوں حضرات آپ کی طرف دیکھتے اور آپ ان دونوں کی طرف دیکھتے دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسکراتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکراتے (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات سے بہت تعلق اور بہت زیادہ مناسبت تھی)۔[1]

صحابہ کرام مجلسِ نبوی میں

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے سکون سے بیٹھے ہوئے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں یعنی بالکل حرکت نہیں کر رہے تھے کیونکہ پرندہ ذرا سی بھی حرکت سے اڑ جاتا ہے ہم میں سے کوئی آدمی بات نہیں کر رہا تھا کہ اتنے میں کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا اللہ کے بندوں میں سے کون اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے سب سے اچھے اخلاق والا۔[2]

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے صحابہؓ آپ کے اردگرد ایسے سکون سے بیٹھے ہوئے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔[3]

حضرت براء بن عازب ؓ کا ادبِ رسول

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں کسی چیز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کا ارادہ کرتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے دو سال بغیر پوچھے گزار دیتا۔[4]

---

[1] اخرجہ الترمذی کذا فی الشفا للقاضی عیاض (ج ۲ ص ۳۰) [2] اخرجہ الطبرانی وابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب (ج ۴ ص ۱۸۷) وقال ورواۃ الطبرانی محتج بہم فی الصحیح [3] اخرجہ الاربعۃ وصححہ الترمذی کذا فی ترجمان السنۃ (ج ۱ ص ۳۶۷) [4] اخرجہ ابو یعلی و کذا فی ترجمان السنۃ (ج ۱ ص ۳۷۰)

صحابہ کرام کے عشقِ نبوی ﷺ کا ایک منظر

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک قابل اعتماد انصاری نے یہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے یا کھنکارتے تو صحابہ جھپٹ کر وضو کا پانی اور کھنکار لے لیتے اور اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہم اس سے برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بننا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بات سچی کرے، امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ [1]

حضرت ابوقراد سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے وضو کے لئے پانی منگوایا۔ پھر آپ نے اس میں ہاتھ ڈال کر وضو کرنا شروع کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کو ہاتھوں میں لے کر پیتے جاتے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا تم اس طرح کیوں کر رہے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تم سے محبت کرنے لگیں تو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے اور رکھنے والا مطالبہ کرے تو تم وہ امانت ادا کرو اور جب تم بات کرو تو سچ بولو اور جو تمہارا پڑوسی بن جائے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ [2]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا انوکھا عشق

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد (حضرت عبداللہ بن زبیر) نے انہیں یہ قصہ سنایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پچھنے لگوا رہے تھے فارغ ہونے کے بعد حضورؐ نے فرمایا اے عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور ایسی جگہ ڈال کر آؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ حضورؐ کے گھر

---

[1] اخرجہ البیہقی کذافی الکنز (ج ۸ ص ۲۲۸)۔

[2] اخرجہ الطبرانی قال الہیثمی (ج ۸ ص ۲۷۱) وفیہ عبید بن واقد القیسی وھو ضعیف

سے باہر آ کر میرے والد نے وہ خون پی لیا۔ جب حضور کی خدمت میں واپس پہنچے تو حضورؐ نے ان سے پوچھا اے عبداللہ! تم نے خون کا کیا کیا؟ انہوں نے کہا ایسی چھپی ہوئی ہوئی جگہ میں ڈال کر آیا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ لوگوں میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکے گا۔ حضورؐ نے فرمایا شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے خون کیوں پیا؟ لوگوں کو تم سے ہلاکت ہو اور تمہیں لوگوں سے (مروان اور عبدالملک کی طرف سے جو فتنہ پیش آیا اس کی طرف اشارہ ہے) حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں حضرت ابو عاصم نے فرمایا کہ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ میں جو اتنی زیادہ طاقت تھی وہ اس خون کی برکت سے تھی۔[1]

ایک روایت میں یہ ہے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما میں جو بہت زیادہ طاقت تھی وہ حضور ﷺ کے خون کی قوت کی وجہ سے تھی (حضورؐ کے فضلات اور خون سب پاک تھے)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت کیسان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس ایک تسلا ہے جس میں کچھ پی رہے ہیں اسے پی کر حضرت عبداللہؓ حضور کی خدمت میں آئے، حضورؐ نے فرمایا کام سے فارغ ہو گئے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت سلمانؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا کام تھا؟ حضورؐ نے فرمایا میں نے اپنے پچھنے کا دھوون اسے گرانے کے لئے دیا تھا حضرت سلمانؓ نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! انہوں نے تو اسے پی لیا ہے حضورؐ نے فرمایا تم نے اسے پی لیا ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا جی ہاں۔ حضور نے فرمایا کیوں؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا میں نے چاہا کہ حضور ﷺ کا خون مبارک میرے پیٹ میں چلا جائے۔ حضورؐ نے حضرت (عبداللہ) بن زبیرؓ کے سر پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا تمہیں لوگوں سے ہلاکت ہو اور لوگوں کو تم سے۔ تمہیں

---

[1] اخرجہ ابو یعلی والبیہقی فی الدلائل کذا فی الاصابۃ (ج ۲ ص ۳۱۰) واخرجہ الحاکم (ج ۳ ص ۵۵۴) والطبرانی نحوہ قال الہیثمی (ج ۸ ص ۲۷۰) رواہ الطبرانی والبزار باختصار ورجال البزار رجال الصحیح غیر ہنید بن القاسم وہو ثقۃ انتہی واخرجہ ایضا ابن عساکر نحوہ کما فی الکنز (ج ۷ ص ۵۷) مع ذکر قول ابی عاصم۔

آگ نہیں چھوئے گی صرف اللہ تعالیٰ کی قسم پوری کرنے کے لئے پل صراط سے گزرنا پڑے گا۔[1]

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے اور فرمایا یہ خون لے جاؤ اور اسے ایسی جگہ دفن کر دو جہاں جانوروں، پرندوں اور انسانوں سے محفوظ رہے میں خون لے گیا اور چھپ کر اسے پی لیا پھر آ کر میں نے حضور کو بتایا تو آپ ہنس پڑے۔[2]

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جنگ احد کے دن حضور ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تو میرے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کے خون کو چوس کر نگل لیا۔ لوگوں نے ان سے کہا ارے میاں! کیا تم خون پی رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں میں حضور ﷺ کا خون مبارک پی رہا ہوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ان کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہے لہٰذا انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔[3]

ایک خوش نصیب لونڈی کا عمل

حضرت حکیمہ بنت امیمہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ سے نقل کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جسے آپ اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے اور (رات کو) اس میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے کھڑے ہو کر اسے تلاش کیا وہ پیالہ نہ ملا آپ نے پوچھا کہ پیالہ کہاں ہے؟ گھر والوں نے بتایا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ حضرت سُترہ رضی اللہ عنہا جو ان کے ساتھ حبشہ سے آئی ہے اس نے (اس پیالہ کا پیشاب) پی لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اس نے جہنم کی آگ سے بڑی مضبوط آڑ بنا لی ہے۔[4]

---

[1] عندابی نعیم فی الحلیۃ (ج ۱ص ۳۳۰) واخرجہ ابن عساکر عن سلمان نحوہ مختصر اور جالہ ثقات کذا فی الکنز (ج ۷ص ۵۶) [2] اخرجہ الطبرانی قال الہیثمی (ج ۸ص ۲۷۰) رجال الطبرانی ثقات [3] اخرجہ الطبرانی فی الاوسط قال الہیثمی (ج ۸ص ۲۷۰) لم ار فی اسنادہ من اجمع علی ضعفہ انتہیٰ

[4] اخرجہ الطبرانی قال الہیثمی (ج ۸ص ۲۷۱) رجالہ رجال الصحیح غیر عبداللہ بن احمد بن حنبل وحکیمۃ وکلاھما ثقہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کا جذبۂ حبِ رسول

حضرت ابواَیُّوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور ﷺ نے میرے ہاں قیام فرمایا۔ حضورؐ نیچے ٹھہرے تھے اور میں (مع اہل و عیال) اوپر کی منزل میں۔ جب رات ہوگئی تو مجھے خیال آیا کہ میں اس کمرے کی چھت پر ہوں جس میں نیچے حضورؐ ہیں اور میں حضورؐ کے اور وحی کے درمیان حائل ہو رہا ہوں۔ اس لئے ساری رات مجھے نیند نہ آئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سونے کی حالت میں اوپر ہم کچھ ہلیں جلیں اور اس سے غبار حضورؐ پر گرے جس سے حضورؐ کو تکلیف ہو۔ صبح کو میں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! آج ساری رات نہ مجھے نیند آئی اور نہ میری بیوی اُمِ ایُّوب کو۔ حضورؐ نے فرمایا اے ابواَیُّوبؓ! کیوں؟ میں نے عرض کیا مجھے یہ خیال آ گیا کہ میں اس کمرے کی چھت پر ہوں جس میں آپ مجھ سے نیچے ہیں۔ میں کچھ ہلوں گا تو اس سے غبار آپ پر گرے گا جس سے آپ کو تکلیف ہوگی اور دوسری بات یہ ہے میں آپ کے اور وحی کے درمیان حائل ہو رہا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اے ابواَیُّوب! ایسا نہ کرو کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھادوں کہ جب تم انہیں صبح اور شام دس دس مرتبہ کہو گے تو تمہیں دس نیکیاں ملیں گی اور تمہارے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور ان کی وجہ سے تمہارے دس درجے بلند کر دیئے جائیںگے اور قیامت کے دن تمہیں دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور وہ کلمات یہ ہیں: لا الٰہ اِلّا اللّٰہُ لہُ الْمُلکُ ولہُ الحمدُ لا شریکَ لہٗ.[1]

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ میرے مہمان بنے تو میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں اوپر ہوں اور آپ نیچے۔ حضورؐ نے فرمایا ہمیں سہولت اسی میں ہے کہ ہم نیچے رہیں کیونکہ ہمارے پاس لوگ آتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک رات دیکھا کہ ہمارا گھڑا ٹوٹ گیا اور اس کا پانی فرش پر پھیل گیا۔ میں اور ام ایوب دونوں اپنا کمبل لے کر کھڑے ہو گئے اور اس کمبل سے وہ پانی خشک کرنے لگے ہمیں یہ ڈر تھا کہ ہماری طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے

---

[1] اخرجہ الطبرانی کذا فی الکنز (ج ۵ ص ۲۹۴)

جس سے حضورؐ کو تکلیف ہو یعنی چھت سے پانی کہیں حضورؐ پر نہ ٹپکنے لگ جائے۔ اس کمبل کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور لحاف بھی نہیں تھا (وہ کمبل گیلا ہو گیا اور ہم نے ساری رات جاگ کر گزاری) ہم کھانا تیار کر کے حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے جب آپ بچا ہوا کھانا واپس کرتے تو ہم اس جگہ سے خاص طور سے کھانا کھاتے جہاں آپ کی مبارک انگلیاں لگی ہوتیں یوں ہم حضورؐ کی برکت حاصل کرنا چاہتے ایک رات آپ نے کھانا واپس کیا ہم نے اس میں لہسن یا پیاز ڈالا تھا ہمیں اس میں حضورؐ کی انگلیوں کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ میں نے جا کر حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی انگلیوں والی جگہ سے برکت کے لئے کھایا کرتے تھے لیکن آج آپ نے کھانا ویسے ہی واپس کر دیا ہے اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے اس کھانے سے لہسن یا پیاز کی بو محسوس ہوئی اور میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہوں اور فرشتوں سے بھی بات کرتا ہوں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ میرے منہ سے کسی طرح کی بو آئے لیکن آپ لوگ یہ کھانا کھا لو[1] ابو نعیم اور ابن عساکر کی روایت میں یہ مضمون یوں ہے:

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں آپ کے اوپر رہوں، آپ بالا خانہ میں تشریف لے چلیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ میرا سامان منتقل کر دو چنانچہ آپ کا سامان اوپر منتقل کر دیا گیا اور آپ کا سامان بہت تھوڑا سا تھا۔[2]

محبتِ رسول کا ایک اور انداز

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے دیکھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ منبر پر اس جگہ رکھا جہاں حضور ﷺ بیٹھا کرتے تھے پھر اسے اپنے چہرے پر رکھ لیا۔[3]

حضرت یزید بن عبداللہ بن قسیط رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کے

---

[1] عند الطبرانی ایضا کذا فی الکنز (ج ۸ ص ۵۰) وہکذا اخرجہ الحاکم (ج ۳ ص ۴۶۱) الا انہ لم یذکر فلکنا نصنع طعاما الی آخرہ وقال وہذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ ووافقہ الذہبی۔ [2] کذا فی الکنز (ج ۸ ص ۵۰) وہکذا اخرجہ ابن ابی شیبۃ وابن ابی عاصم عن ابی ایوب کما فی الاصابۃ (ج ۱ ص ۴۰۵) [3] اخرجہ ابن سعد (ج ۱ ص ۲۵۴)

بہت سے صحابہؓ کو دیکھا کہ جب مسجد خالی ہو جاتی تو حضورؐ کی قبر اطہر کی جانب منبر کی جو چمکدار اور چکنی مٹھی ہے اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرتے تھے۔[1]

حضور ﷺ کے جسم مبارک کا بوسہ لینا

حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بڑے نیک، ہنس مکھ اور خوبصورت آدمی تھے ایک مرتبہ وہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر کے لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ اتنے میں حضورؐ نے ان کے پہلو میں انگلی ماری۔

انہوں نے کہا آپ کے مارنے سے مجھے درد ہو گیا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا بدلہ لے لو۔

انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے اور میرے جسم پر کوئی قمیص نہیں تھی۔

حضور ﷺ نے اپنی قمیص اوپر اٹھالی۔ یہ (بدلہ لینے کے بجائے) حضورؐ کے سینے سے چمٹ گئے اور حضورؐ کے پہلو کے بوسے لینے شروع کر دیئے اور پھر یوں کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میرا مقصد تو یہ تھا (بدلہ لینے کا تذکرہ تو میں نے ویسے ہی کیا تھا مقصد آپ کا بوسہ لینا تھا)۔[2]

حضرت حبان بن واسع رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوم کے چند عمر رسیدہ لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جنگ بدر کے دن اپنے صحابہؓ کی صفوں کو سیدھا کیا۔ آپ کے ہاتھ میں نوک اور پر کے بغیر کا ایک تیر تھا جس سے آپ لوگوں کو برابر کر رہے تھے۔ آپ حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ یہ بنو عدی بن نجار قبیلہ کے حلیف تھے اور صف سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ان کے پیٹ میں وہ تیر چبھو کر فرمایا اے سواد! سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے تیر چبھونے سے

---

[1] عند ابن سعد ایضاً [2] اخرجہ الحاکم (ج ۳ ص ۲۸۸) قال الحاکم ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ووافقہ الذہبی فقال صحیح واخرجہ ابن عساکر عن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ مثلہ کما فی الکنز (ج ۷ ص ۳۰۱) والطبرانی عن اسید بن حضیر نحوہ کما فی الکنز (ج ۷ ص ۴۳)

مجھے درد ہو گیا اور اللہ نے آپ کو حق اور انصاف دے کر بھیجا ہے لہٰذا آپ مجھے بدلہ دیں۔ اس پر آپ ؐ نے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر فرمایا لو بدلہ لے لو۔ وہ حضورؐ سے چمٹ گئے اور حضورؐ کے پیٹ کے بوسے لینے لگے حضورؐ نے فرمایا اے سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ! آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ لڑائی کا موقع آ گیا ہے (شاید میں اس میں شہید ہو جاؤں) تو میں نے چاہا کہ میری آپ سے آخری ملاقات اس طرح ہو کہ میری کھال آپ کی کھال سے مل جائے۔ اس پر آپ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ [1]

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ایک آدمی سے ملاقات ہوئی جس نے (کپڑوں پر) زرد رنگ لگا رکھا تھا۔ حضورؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ حضورؐ نے اس سے فرمایا یہ ورس رنگ اتار دو (ورس یمن کی زرد رنگ کی ایک بوٹی کا نام ہے) پھر آپ نے وہ ٹہنی اس آدمی کے پیٹ میں چبھو کر فرمایا کیا میں نے تم کو اس سے روکا نہیں تھا؟ ٹہنی چبھونے سے اس کے پیٹ پر نشان پڑ گیا لیکن خون نہیں نکلا۔ اس آدمی نے کہا یارسول اللہ! بدلہ دینا ہوگا۔ لوگوں نے کہا کیا تم اللہ کے رسول سے بدلہ لوگے؟ اس نے کہا کسی کی کھال میری کھال سے بڑھیا نہیں ہے حضورؐ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر فرمایا لو بدلہ لے لو۔ اس آدمی نے حضورؐ کے پیٹ کا بوسہ لیا اور کہا میں اپنا بدلہ چھوڑ دیتا ہوں تا کہ آپ قیامت کے دن میری سفارش فرمائیں۔ [2]

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے حضرت سواد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے خلوق خوشبو لگا رکھی ہے (خلوق ایک قسم کی خوشبو ہے جس کا جزو اعظم زعفران ہوتا ہے) تو حضورؐ نے فرمایا اس ورس کو اتار دو پھر آپ نے اس کے پیٹ میں لکڑی یا مسواک چبھوئی اور اسے پیٹ پر ذرا ہلایا جس سے ان کے پیٹ پر نشان پڑ گیا! اور آگے پچھلی حدیث جیسا مضمون ذکر کیا۔ [3]

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک انصاری آدمی اتنی زیادہ خلوق خوشبو لگایا کرتے تھے کہ وہ کھجور کے خوشے کی ٹہنی کی طرح زرد نظر آتے تھے انہیں سوادہ بن عمرو رضی

---

[1] اخرجہ ابن اسحاق کذا فی البدایۃ (ج ۳ ص ۲۷۱) [2] اخرجہ عبدالرزاق کذا فی الکنز (ج ۷ ص ۳۰۲)
[3] اخرجہ ابن سعد (ج ۳ ص ۷۲)

اللہ عنہ کہا جاتا تھا جب حضور ﷺ انہیں دیکھتے تو خوشبوان کے کپڑوں سے جھاڑتے چنانچہ ایک دن وہ خلوق خوشبو لگائے ہوئے آئے۔ حضورؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ نے وہ چھڑی ہلکی سی ماری جس سے کچھ زخم ہو گیا تو انہوں نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ! بدلہ دینا ہوگا حضورؐ نے وہ چھڑی ان کو دی اور حضورؐ پر دو کُرتے تھے حضورؐ انہیں اوپر اٹھانے لگے۔ اس پر لوگوں نے انہیں ڈانٹا اور بدلہ لینے سے روکا۔ لیکن جب حضورؐ کے جسم مبارک کا وہ حصہ نظر آیا جہاں خود ان کو زخم لگا تھا تو چھڑی پھینک کر حضورؐ کو چمٹ گئے اور حضورؐ کو چومنے لگ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! میں اپنا بدلہ چھوڑ دیتا ہوں تا کہ آپ میری قیامت کے دن سفارش فرمائیں۔ [1]

حضور ﷺ سے صحابہ کرامؓ کی محبت کے عنوان کے ذیل میں حضرت حصین بن وحوح رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے کہ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ سے ملتے تو آپ سے چمٹ جاتے اور آپ کے دونوں قدموں کے بوسے لینے شروع کر دیتے۔

غزوۂ اُحد میں حضرت ابوطلحہ ﷺ کا اظہارِ عشق

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگ احد کے دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر (دشمن پر) تیر چلا رہے تھے اور حضورؐ اُن کے پیچھے تھے اور وہ حضورؐ کے لئے ڈھال بنے ہوئے تھے اور وہ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔

جب بھی وہ تیر چلاتے حضورؐ اوپر ہو کر دیکھتے کہ تیر کہاں گرا ہے اور حضرت ابوطلحہؓ اپنا سینہ اوپر کر کے کہتے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں! آپ ایسے ہی نیچے رہیں کہیں آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینے کی حفاظت کے لئے حاضر ہے حضرت ابوطلحہ حضورؐ کے سامنے خود کو ڈھال بنائے ہوئے تھے اور آپ کی حفاظت کی خاطر خود کو شہید ہونے کے لئے پیش کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! میں بہت مضبوط اور طاقتور ہوں آپ مجھے اپنی تمام ضرورتوں میں استعمال فرمائیں اور جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ [2]

---

[1] اخرجہ عبدالرزاق ایضا کما فی الکنز (ج ۷ ص ۳۰۲) واخرجہ البغوی کما فی الاصابۃ (ج ۲ ص ۹۶) [2] اخرجہ احمد کذا فی البدایۃ (ج ۴ ص ۲۷) واخرجہ ابن سعد (ج ۳ ص ۶۵) عن انس نحوہ۔

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو ہدیہ میں ایک کمان ملی آپ نے وہ کمان احد کے دن مجھے دے دی۔ میں اس کمان کو لے کر حضورؐ کے سامنے کھڑے ہو کر خوب تیر چلاتا رہا یہاں تک کہ اس کا سر ٹوٹ گیا۔ میں برابر حضورؐ کے چہرے کے سامنے کھڑا رہا اور میں اپنے چہرے پر تیروں کو لیتا رہا۔ جب بھی کوئی تیر آپ کے چہرے کی طرف مڑ جاتا تو میں اپنے سر کو گھما کر تیر کے سامنے لے آتا اور حضورؐ کے چہرے کو بچا لیتا (چونکہ میری کمان ٹوٹ چکی تھی اس لئے) میں تیر تو چلا نہیں سکتا تھا۔

حضور ﷺ کی جدائی کے یاد آجانے پر صحابہ کرام ﷺ کا رونا

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا غم والم

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ مرض الوفات میں ایک دن ہمارے پاس باہر تشریف لائے، ہم لوگ مسجد میں تھے۔ آپ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی آپ سیدھے منبر پر تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل کر آپ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں اس وقت حوض (کوثر) پر کھڑا ہوا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ ایک بندے پر دنیا اور اس کی زینت پیش کی گئی لیکن اس نے آخرت کو اختیار کر لیا اور تو کوئی نہ سمجھ سکا (کہ اس بندے سے کون مراد ہے؟) البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے (کہ اس سے مراد خود حضور ﷺ) اور ان کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ رو پڑے اور یوں کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! ہم اپنے ماں باپ اور اپنا مال اور جان سب آپ پر قربان کرتے ہیں اس کے بعد حضورؐ (منبر سے) نیچے تشریف لے آئے اور پھر انتقال تک منبر پر تشریف فرما نہ ہوئے۔[1]

سیدہ فاطمہؓ سے حضور ﷺ کا راز و نیاز

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اذا جاء نصر اللہ

---

[1] اخرجہ ابن ابی شیبۃ کذا فی کنز العمال (ج ۴ ص ۵۸) واخرجہ ابن سعد (ج ۲ ص ۴۶) عن ابی سعید نحوہ۔

والفتح سورت نازل ہوئی (اوراس میں بتادیا گیا کہ آپ جس کام کے لئے آئے تھے وہ پورا ہو گیا) تو حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا مجھے (اس سورت میں) اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے یہ سن کر وہ رو پڑیں حضورؐ نے ان سے فرمایا مت رو کیونکہ میرے خاندان میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی۔ یہ سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ حضورؐ کی ایک زوجہ محترمہ یہ منظر دیکھ رہی تھیں انہوں نے (بعد میں) حضرت فاطمہؓ سے پوچھا، میں نے تمہیں پہلے روتے ہوئے دیکھا پھر ہنستے ہوئے (اس کی کیا وجہ ہے؟) حضرت فاطمہؓ نے بتایا پہلے حضورؐ نے مجھ سے فرمایا مجھے اپنی وفات کی خبر دی گئی یہ سن کر میں رو پڑی تھی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا مت رو کیونکہ میرے خاندان میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی تو میں ہنس پڑی تھی۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ نے اپنی صاجزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرض الوفات میں بلایا اوران کے کان میں کوئی بات کہی جس پر وہ رو پڑیں۔ حضورؐ نے پھر انہیں بلا کر ان کے کان میں کوئی بات کہی جس پر وہ ہنس پڑیں۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا حضورؐ نے پہلے مجھے بتایا کہ اس بیماری میں ان کا انتقال ہو جائے گا تو میں رو پڑی پھر حضورؐ نے بتایا کہ میں ان کے خاندان میں سے سب سے پہلے ان سے جا کر ملوں گی تو میں ہنس پڑی۔ [2]

ابن سعد نے اسی جیسی حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کی ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے پہلے رونے اور پھر ہنسنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا حضورؐ نے پہلے مجھے بتایا کہ عنقریب ان کا انتقال ہونے والا ہے پھر یہ بتایا کہ میں حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کے بعد جنت کی عورتوں کی سردار ہوں اس پر میں ہنسی تھی۔

حضرت علاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں حضورؐ نے ان سے فرمایا اے میری بٹیا! مت رو جب میرا انتقال ہو جائے تو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ط پڑھنا کیونکہ انا اللہ پڑھ لینے

---

[1] اخرجہ الطبرانی قال الہیثمی (ج ۹ ص ۲۳) رجالہ رجال الصحیح غیر ہلال بن خباب وہو ثقۃ وفیہ ضعف انتہی

[2] اخرجہ ابن سعد (ج ۲ ص ۳۹) واخرجہ باسناد آخر عنہا باطول منہ۔

سے انسان کو مصیبت کا بدلہ مل جاتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کا بدل بھی مل جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا میرا بدل بھی مل جائے گا۔ [1]

حضرت معاذ ﷺ کا پھوٹ پھوٹ کر رونا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو حضورؐ ان کو ہدایات دینے کے لئے ان کے ساتھ خود بھی (شہر سے) باہر نکلے۔ حضرت معاذؓ سواری پر تھے اور حضورؐ ان کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جب حضورؐ ہدایات سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اے معاذؓ! شاید اس سال کے بعد آئندہ تم مجھ سے نہ مل سکو اور شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ حضورؐ کی جدائی کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر حضورؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور مدینہ کی طرف منہ کر کے فرمایا (قیامت کے دن) لوگوں میں سے میرے سب سے زیادہ قریب متقی لوگ ہوں گے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں (اس کے لئے کسی خاص قوم میں سے ہونا یا میرے شہر میں رہنا ضروری نہیں)۔ [2]

امام احمد نے اسی حدیث کو عاصم بن حمید راوی سے نقل کیا ہے اس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا اے معاذؓ! مت رو کیونکہ (پھوٹ پھوٹ کر) رونا شیطان کی طرف سے ہے۔ (اصل رضا بر قضا ہے)

حضور ﷺ کی وفات کے خوف سے صحابہ کرام ﷺ کا رونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ انصار کے مرد اور عورتیں مسجد میں بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں حضورؐ نے پوچھا وہ کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ اس ڈر سے رو رہے ہیں کہ کہیں آپ کا انتقال نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس پر حضور ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے منبر پر بیٹھ گئے۔ آپ

---

1 اخرجہ ابن سعد (ج ۲ ص ۳۱۲)

2 اخرجہ احمد قال الہیثمی (ج ۹ ص ۲۲) رواہ احمد باسنادین ورجال الاسنادین رجال الصحیح غیر راشد بن سعد عاصم بن حمید وہما ثقتان انتہیٰ

ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے جس کے دونوں کنارے اپنے کندھوں پر ڈال رکھے تھے اور آپ سر پر ایک میلی پٹی باندھے ہوئے تھے۔ حمد وثناء کے بعد آپ نے فرمایا:

"امابعد! اے لوگو! آئندہ لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ انصار لوگوں میں ایسے ہو جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ لہٰذا جو بھی انصار کے کسی کام کا ذمہ دار بنے اسے چاہئے کہ ان کے بھلا کرنے والے کی بھلائی کو قبول کرے اور ان کے برے سے درگزر کرے"۔[1]

حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں میں حضورؐ کے مرض الوفات میں حضورؐ کی خدمت میں آئی اور میں رونے لگی۔ حضورؐ نے سر اٹھا کر فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے انتقال کے خوف سے اور اس وجہ سے کہ پتہ نہیں آپ کے بعد ہمیں لوگوں کی طرف سے کیسا رویہ برداشت کرنا پڑے گا۔ حضورؐ نے فرمایا تمہیں میرے بعد کمزور سمجھا جائے گا۔[2]

حضور ﷺ کا (صحابہ کرام اور امت کو) الوداع کہنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے محبوب نبی کریم (میرے والد اور میری جان ان پر قربان ہو) کے انتقال سے چھ دن پہلے ہمیں ان کے انتقال کی خبر ہوگئی تھے۔ جب جدائی کا وقت قریب آیا تو حضورؐ نے ہمیں اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع فرمایا۔ ہمارے اوپر آپ کی نظر پڑی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور فرمایا مرحبا! تمہیں خوش آمدید ہو! اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے! اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے! اللہ تمہیں ٹھکانہ دے! اللہ تمہاری مدد فرمائے! اللہ تمہیں بلند فرمائے! اللہ تمہیں ہدایت دے! اللہ تمہیں رزق عطا فرمائے! اللہ تمہیں توفیق عطا

[1] اخرجہ البزار قال الہیثمی فی المجمع (ج ۱۰ ص ۳۷) رواہ البزار عن ابن کرامۃ عن ابن موسیٰ ولم اعرف الآن اسماء ہما وبقیۃ رجالہ الصحیح وہو فی الصحیح خلا اولہ الی قولہ فخرج فجلس انتھی وقال فی ہامشہ عن ابن حجر ابن کرامۃ ہو محمد بن عثمان بن کرامۃ وابن موسیٰ ہو عبیداللہ وہما من رجال الصحیح انتھی واخرجہ ابن سعد (ج ۲ ص ۲۵۲) عن ابن عباس نحوہ۔

[2] اخرجہ احمد قال الہیثمی (ج ۹ ص ۳۴) وفیہ یزید بن ابی زیاد ضعفہ جماعۃ۔

فرمائے! اللہ تمہیں سلامت رکھے! اللہ تمہیں قبول فرمائے! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہارا خیال رکھے اور تمہارے کام اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ میں تمہیں اس بات سے واضح طور پر ڈراتا ہوں کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کے بندوں کے متعلق اس کی زمین پر تکبر نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اور تم سے فرمایا ہے:

تلک الدارُ الآخرۃُ نجعلها للذین لایریدون علوافی الارض ولا فسادًا وَالعاقبۃُ للمتقینَ۔ (قصص: ۸۳)

''یہ عالم آخرت ہم ان ہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الیس فی جهنم مثوی للمتکبرین (زمر: ۶۰)

''کیا ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟''

پھر آپ نے فرمایا اللہ کا مقرر کردہ وقت اور اللہ تعالیٰ، سدرۃُ المنتہیٰ (ساتویں آسمان پر بیری کا ایک درخت ہے فرشتوں کے پہنچنے کی حدو ہیں تک ہے اور یہ ایک مرکزی مقام ہے۔ عرش الٰہی سے احکام یہیں پہنچتے ہیں) جنتُ الماوی (متقیوں کی آرام گاہ والی جنت) لبریز پیالے اور سب سے بلند رفیق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف واپس جانے کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے۔

ہم نے پوچھا، یا رسول اللہ! اس وقت آپ کو غسل کون دے؟

آپ نے فرمایا میرے خاندان کے مرد۔ سب سے زیادہ قریب کے رشتہ والا پھر اس کے بعد والا درجہ بدرجہ۔

پھر ہم نے پوچھا ہم آپ کو کس میں کفن دیں؟

آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے ان ہی کپڑوں میں کفن دے دینا یا یمنی جوڑے میں یا مصری کپڑوں میں کفن دے دینا۔

پھر ہم نے کہا ہم میں سے کون آپ کی نماز جنازہ پڑھائے؟

یہ کہہ کر ہم بھی رو پڑے اور حضور ﷺ بھی۔

آپ نے فرمایا ذرا ٹھہرو، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور تمہیں تمہارے نبی کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے! جب تم مجھے غسل دے چکو اور میرے جنازہ کو میرے اس کمرے میں قبر کے کنارے پر رکھ دو تو پھر سب تھوڑی دیر باہر چلے جانا کیونکہ سب سے پہلے میرے خلیل اور ہم نشین حضرت جبرائیل علیہ السلام میری نماز جنازہ پڑھیں گے پھر حضرت میکائیل پھر حضرت اسرافیل پھر ملک الموت علیہم السلام اپنے پورے لشکر کے ساتھ سارے فرشتے نماز جنازہ پڑھیں گے پھر تم ایک ایک جماعت بن کر اندر آ جانا اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور کسی عورت کو نوحہ کر کے نہ رونے دینا اور نہ شور مچانے دینا اور نہ بلند آواز سے رونے دینا ورنہ مجھے تکلیف ہوگی پہلے میرے خاندان کے مرد اندر آ کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں پھر تم لوگ تم میری طرف سے اپنے لئے سلام قبول کر لو اور جتنے میرے بھائی اس وقت غائب ہیں انہیں میرا سلام کہہ دینا اور میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میرے بعد جو بھی تمہارے دین میں داخل ہو میں اسے بھی سلام کر رہا ہوں اور آج سے لے کر قیامت تک جو بھی میرے دین کا اتباع کرے گا میں اسے بھی سلام کہہ رہا ہوں پھر ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کون آپ کو قبر میں اتارے؟ آپ نے فرمایا میرے خاندان کے مرد اور ان کے ساتھ بہت سے فرشتے ہوں گے وہ فرشتے تو تمہیں دیکھ رہے ہوں گے لیکن تم انہیں نہ دیکھ سکو گے۔

حضور ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام کی حالت اور ان کا حضور ﷺ کی جدائی پر رونا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی جدائی کا غم

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے اپنے غلام سے فرمایا جاؤ اور سنو کہ لوگ چپکے چپکے کیا باتیں کر رہے ہیں پھر مجھے آ کر بتاؤ، اس نے واپس آ کر بتایا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی تیزی سے چلے اور وہ فرما رہے تھے کہ ہائے! میری کمر ٹوٹ رہی ہے۔ انہیں اتنا زیادہ غم تھا کہ لوگ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ مسجد تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ بہر حال وہ ہمت کر کے کسی طرح مسجد پہنچ گئے۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت فراقِ رسول میں

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ کے صحابہ کو اس کا اتنا زیادہ رنج و صدمہ ہوا کہ بعض صحابہ کو تو (یہ وسوسہ بھی آنے لگ گیا کہ اب اسلام مٹ جائے گا) میں بھی ان ہی لوگوں میں تھا۔ ایک دن میں مدینہ کی حویلی میں بیٹھا ہوا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی تھی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے لیکن شدتِ غم کی وجہ سے مجھے ان کے گزرنے کا بالکل پتہ نہ چلا۔ حضرت عمرؓ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا اے خلیفۂ رسول اللہ! کیا میں آپ کو ایک عجیب بات نہ بتاؤں؟ میں حضرت عثمانؓ کے پاس سے گزرا اور میں نے انہیں سلام کیا لیکن انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔

یارِ غار کے صدمے کی ایک اور جھلک

حضرت عبدالرحمٰن بن سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے سر پر کپڑا اڑالا ہوا تھا اور بہت غمگین تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کیا بات ہے؟ بڑے غمگین نظر آ رہے ہو۔ حضرت علیؓ نے کہا مجھے وہ زبردست غم پیش آیا ہے جو آپ کو نہیں آیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا سنو یہ کیا کہہ رہے ہیں! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہارے خیال میں کوئی آدمی ایسا ہے جسے مجھ سے زیادہ حضور ﷺ کا غم ہوا ہو؟ [2]

---

[1] اخرجہ ابن خسرو کذا فی الکنز (ج ۴ ص ۴۸) [2] اخرجہ ابن سعد (ج ۳ ص ۸۴)

حضور ﷺ کی جدائی پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی حالت

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ (کا انتقال ہو چکا تھا اور ان) کا جنازہ ہمارے گھروں میں رکھا ہوا تھا۔ ہم سب ازواج مطہرات جمع تھیں اور رو رہی تھیں اور اس رات ہم بالکل نہ سوئی تھیں۔ ہم آپ کو چارپائی پر دیکھ کر خود کو تسلی دے رہی تھیں کہ اتنے میں آخر شب میں حضور ﷺ کو دفن کر دیا گیا اور قبر پر مٹی ڈالنے کے لئے ہم نے پھاوڑوں کے چلنے کی آواز سنی تو ہماری بھی چیخ نکل گئی اور مسجد والوں کی بھی، اور سارا مدینہ اس چیخ سے گونج اٹھا۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی تو جب انہوں نے اذان میں حضور کا نام لیا یعنی اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو زور زور سے رو پڑے اور اس سے ہمارا غم اور بڑھ گیا۔ تمام لوگ آپ کی قبر کی زیارت کے لئے اندر جانے کی کوشش کرنے لگے اس لئے دروازہ اندر سے بند کرنا پڑا۔ ہائے وہ کتنی بڑی مصیبت تھی۔ اس کے بعد جو بھی مصیبت ہمارے اوپر آئی حضورؐ (کے جانے) کی مصیبت کو یاد کرنے سے مصیبت ہلکی ہو گئی۔[1]

صحابہ کرام کی آہ و بکاء

حضرت ابوذویب ہذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے دیکھا کہ مدینہ والے اونچی آواز سے ایسے زور زور سے رو رہے ہیں جیسے کہ سارے حاجی احرام کی حالت میں زور سے لبیک کہہ رہے ہوں۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے (اس وجہ سے سب لوگ رو رہے ہیں)۔[2]

حضرت عتاب ابن اُسید ؓ پر صدمے کا اثر

حضرت عبید اللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ انتقال ہوا اس وقت مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کے امیر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ

---

[1] اخرجہ الواقدی کذا فی البدایۃ (ج ۵ ص ۲۷۱) ورواہ ابن سعد مختصراً (ج ۲ ص ۱۲۱) [2] اخرجہ ابن عبدہ وابن عساکر کذا فی الکنز (ج ۴ ص ۵۸) وابن اسحاق بطولہ کما سنذکر فیما قالت الصحابۃ علی وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تھے۔ جب مکہ والوں کو حضورؐ کے انتقال کی خبر ملی تو مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے سارے مسلمان زور زور سے رونے لگ گئے اور شدت غم کی وجہ سے حضرت عتاب تو مکہ مکرمہ سے باہر ایک گھاٹی میں چلے گئے (تاکہ تنہائی میں بیٹھ کر روتے رہیں) حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آکر حضرت عتاب کو کہا (تنہائی چھوڑ دو اور) کھڑے ہو کر لوگوں میں بات کرو۔ انہوں نے کہا حضور ﷺ کے انتقال کی وجہ سے مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہیں۔ حضرت سہیل نے کہا آپ میرے ساتھ چلیں آپ کی جگہ میں بات کرلوں گا۔ چنانچہ دونوں اس گھاٹی سے نکل کر مسجد حرام آئے اور حضرت سہیل نے کھڑے ہو کر بیان کیا انہوں نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد اپنے بیان میں وہ تمام باتیں کہہ دیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں فرمائی تھیں ان میں سے ایک بات بھی نہ چھوڑی (اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ والوں کے سنبھالنے کا ذریعہ بنالیا) جنگ بدر کے موقع پر حضرت سہیل بن عمرو بھی کافر قیدیوں میں تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے آگے کے دانت نکالنا چاہتے تھے تو ان سے حضورؐ نے فرمایا تھا اے عمرؓ! تم کیوں ان کے آگے کے دانت نکالنے لگے ہو؟ انہیں چھوڑ دو۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں (اپنے دین کی خدمت کے لئے) کھڑے ہونے کا ایسا زبردست موقع دے جس سے تمہیں بہت زیادہ خوشی ہو۔ چنانچہ یہ وہی موقع تھا جس کی حضور ﷺ نے خبر دی تھی اور ان کے اس بیان کا بہت اثر ہوا اور مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے سارے علاقے کے مسلمان سنبھل گئے اور حضرت عتاب کی امارت اور مضبوط ہوگئی۔ [1]

سیدہ فاطمۃ الزہراء کی حالت فراقِ رسول ﷺ میں

حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ (کے انتقال) کے بعد کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا ہاں صرف تھوڑا سا مسکرا لیتیں جس سے چہرے کی ایک جانب ذرا لمبی ہو جاتی۔ [2]

حضور ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام ؓ نے کیا کہا

حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضور ﷺ کے انتقال پر حضرت ابوبکر رضی

[1] اخرجہ سیف وابن عساکر کذا فی الکنز (ج ۳ ص ۴۶) [2] اخرجہ ابن سعد (ج ۲ ص ۸۴)

اللہ عنہ نے کہا آج ہم وحی سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنے والے کلام سے محروم ہو گئے

حضرت اُمِّ ایمن کا صدمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا آؤ۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کرنے چلتے ہیں (میں بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ گیا) جب ہم حضرت ام ایمن کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ ان حضرات نے ان سے فرمایا آپ کیوں روتی ہیں؟ اللہ کے ہاں جا کر اللہ کے رسول کو جو کچھ ملا ہے وہ ان کے لئے یہاں سے (ہزاروں گنا) بہتر ہے۔ حضرت ام ایمن نے کہا اللہ کی قسم! میں اس وجہ سے نہیں رو رہی کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں جا کر اللہ کے رسول کو جو کچھ ملا ہے وہ ان کے لئے یہاں سے (ہزاروں گنا) بہتر ہے بلکہ میں تو اس وجہ سے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی آنے کا سلسلہ رک گیا ہے یہ بات ایسی موثر تھی کہ اسے سن کر دونوں حضرات بھی رونے لگ پڑے۔

کاش ہمیں حضور ﷺ سے پہلے ہی موت آئی ہوتی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور ﷺ کے انتقال پر لوگ رونے لگے اور کہنے لگے اللہ کی قسم! ہماری تمنا یہ تھی کہ ہم حضورؐ سے پہلے مر جاتے کیونکہ اب ہمیں خطرہ ہے کہ آپ کے بعد کہیں فتنوں میں نہ مبتلا ہو جائیں اس پر حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن اللہ کی قسم! میری تمنا تو یہ نہیں تھی کہ حضورؐ سے پہلے مر جاتا بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جیسے میں نے حضور کی زندگی میں حضور کو سچا مانا اور ان کی تصدیق کی ایسے ہی ان کے انتقال کے بعد ان کی تصدیق کروں۔

سیدہ فاطمہ کی بے قراری

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کی بیماری اور بڑھ گئی اور آپ بہت زیادہ بے چین ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ نے کہا ہائے ابا جان کی بے چینی! حضورؐ نے ان سے فرمایا آج کے بعد تمہارے والد پر کبھی بے چینی نہیں آئے گی۔ پھر جب حضور کا

انتقال ہو گیا تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا ہائے میرے ابا جان نے رب کی دعوت قبول کر لی۔ ہائے میرے ابا جان کا ٹھکانہ جنت الفردوس بن گیا۔ ہائے میرے ابا جان! ان کی موت پر ہم حضرت جبرائیل سے تعزیت کرتے ہیں۔ پھر جب حضور دفن ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا اے انس! تمہارے دل حضور ﷺ پر مٹی ڈالنے کے لئے کیسے آمادہ ہو گئے۔ (بخاری)

حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، اے انسؓ! تمہارے دل کیسے آمادہ ہو گئے کہ تم حضور ﷺ کو مٹی میں دفنا کر واپس آ گئے؟ حضرت حماد کہتے ہیں جب حضرت ثابتؓ یہ حدیث بیان کرتے تو اتنا روتے کہ پسلیاں ہلنے لگتیں۔ [1]

حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کا رنج والم

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (حضور ﷺ کی پھوپھی) حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی وفات پر چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱ میرا دل غمگین ہے اور میں نے رات اس آدمی کی طرح گزاری جس کا سب کچھ چھن گیا ہو اور میں نے انتظار میں اس آدمی کی طرح ساری رات جاگ کر گزاری جو لٹ گیا ہو اور اس کے پاس کچھ نہ بچا ہو۔

۲ اور یہ سب کچھ ان غموں اور پریشانیوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے میری نیند اڑا رکھی ہے کاش کہ مجھے موت کا جام اس وقت پلا دیا جاتا۔

۳ جب کہ لوگوں نے کہا مقدر میں لکھی ہوئی موت حضور ﷺ پر آ گئی ہے۔

۴ جب ہم حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس گئے تو ہماری گردن کے بال غم کی وجہ سے سفید ہو گئے۔

۵ جب ہم نے آپ کے گھروں کو دیکھا کہ اب وہ وحشت ناک ہو گئے ہیں اور میرے حبیب ﷺ کے بعد اب ان میں کوئی نہیں رہا۔

۶ تو اس سے مجھ پر بہت بڑا غم طاری ہو گیا جو بہت دیر تک رہے گا اور میرے دل

---

[1] عند احمد کذا فی البدایۃ (ج۵ص۲۷۳) واخرجہ ایضا ابن عساکر وابو یعلی عن انس حدیث البخاری کما فی الکنز (ج۴ص۵۷) واخرجہ ابن سعد (ج۲ص۸۳) نحوہ۔

میں ایسا پیوست ہوا کہ وہ دل رعب زدہ ہو گیا۔

اور یہ اشعار بھی حضرت صفیہؓ نے کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱ غور سے سنو! یا رسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ سہولت کا معاملہ کرنے والے تھے آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے اور سخت معاملہ کرنے والے نہ تھے۔

۲ آپ ہمارے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرنے والے اور نہایت مہربان اور ہمارے نبیؐ تھے اور ہر رونے والے کو آج آپ پر رو لینا چاہئے۔

۳ میری زندگی کی قسم! میں نبی کریمؐ کی موت کی وجہ سے نہیں رو رہی ہوں بلکہ آپ کے بعد آنے والے فتنوں اور اختلافات کی وجہ سے رو رہی ہوں۔

۴ حضرت محمد ﷺ کے تشریف لے جانے اور ان کی محبت کی وجہ سے میرے دل پر گرم لوہے سے داغ لگے ہوئے ہیں۔

۵ اے فاطمہؓ! حضرت محمد ﷺ کا رب اللہ تعالیٰ اس قبر پر رحمت بھیجے جو یثرب میں آپ کا ٹھکانہ بنی ہے۔

۶ میں حضرت حسنؓ کو دیکھ رہی ہوں کہ آپ نے اسے یتیم کر دیا اور اسے اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ رو رو کر دور چلے جانے والے اپنے نانا کو پکار رہا ہے۔

۷ میری ماں، خالہ، چچا اور میری جان اور میری آل اولاد سب اللہ کے رسولؐ پر قربان ہیں۔

۸ آپ ﷺ نے صبر فرمایا اور انتہائی صداقت کے ساتھ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور آپ کا انتقال اس حال میں ہوا کہ آپ دین میں مضبوط اور آپ کی ملت واضح اور آپ کا دین بالکل صاف ستھرا ہے۔

۹ اگر عرش کا مالک آپ کو ہم میں باقی رکھتا تو ہم بڑے خوش قسمت ہوتے لیکن (آپ کے انتقال فرمانے کا) اللہ کا فیصلہ پورا ہو کر رہا۔

۱۰ اللہ کی طرف سے آپ پر سلام اور تحیہ ہو اور آپ کو خوشی خوشی جنات عدن میں داخل کیا جائے۔[1]

حضرت محمد بن علی الحسین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں جب حضور ﷺ کا انتقال

ہوا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (حضورؐ کے سامنے) اپنی چادر سے اشارہ کر کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

آپ کے بعد پریشان کن حالات اور سخت مصیبتیں پیش آگئی ہیں اگر آپ اس موقع پر تشریف فرما ہوتے تو یہ حالات اور مصیبتیں اتنی زیادہ نہ ہوتیں۔[1]

حضرت غنیم بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے والد کو سنا کہ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''ہوش سے سنو! حضرت محمد ﷺ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے میں ہلاک ہو گیا۔ حضورؐ کی زندگی میں میرا خاص ٹھکانہ تھا۔ جہاں میں ساری رات صبح تک امن وچین سے گزارتا تھا''۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کو یاد کر کے رونا

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دیکھ بھال کرنے نکلے تو انہوں نے ایک گھر میں چراغ جلتے ہوئے دیکھا وہ اس گھر کے قریب گئے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا کاتنے کے لئے اپنا اون تیر سے دھن رہی ہے اور حضور ﷺ کو یاد کر کے یہ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

١ حضرت محمد ﷺ پر نیک لوگوں کا درود ہو (یارسول اللہ!) آپ پر چنے ہوئے بہترین لوگ درود بھیجیں۔

٢ آپ راتوں کو خوب عبادت کرنے والے اور صبح سحری کے وقت (اللہ کے سامنے) بہت زیادہ رونے والے تھے۔ موت کے آنے کے بہت سے راستے ہیں۔

٣ اور کاش میں جان لیتی کہ کیا میں اور میرے حبیب حضور ﷺ کسی گھر میں کبھی اکھٹے ہو سکیں گے؟

---

[1] عند الطبرانی قال الہیثمی (ج ۹ ص ۳۹) رجالہ رجال الصحیح الا ان محمدا لم یدرک صفیۃ انتہیٰ

[2] اخرجہ البخاری والبخاری والبغوی کذافی الاصابۃ (ج ۳ ص ۲۶۴) واخرجہ البزار نحوہ قال الہیثمی (ج ۹ ص ۳۹) رجالہ رجال الصحیح غیر بشر بن آدم وہو ثقۃ واخرجہ ابن زیاد (ج ۷ ص ۸۹)

یہ (محبت بھرے اشعار) سن کر حضرت عمرؓ بیٹھ کر رونے لگے اور بڑی دیر تک روتے رہے۔ آخر انہوں نے اس عورت کا دروازہ کھٹکھٹایا:

اس بڑھیا نے کہا کون؟

انہوں نے کہا عمرؓ بن خطاب۔

اس بڑھیا نے کہا مجھے عمرؓ سے کیا واسطہ اور عمرؓ اس وقت یہاں کس وجہ سے آئے ہیں؟

حضرت عمرؓ نے کہا اللہ تم پر رحم فرمائے! تم دروازہ کھولو تمہارے لئے کوئی ایسی خطرے کی بات نہیں ہے۔

چنانچہ اس بڑھیا نے دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ اندر گئے اور فرمایا ابھی تم جو اشعار پڑھ رہی تھی ذرا مجھے دوبارہ سنانا۔ چنانچہ اس نے وہ اشعار دوبارہ حضرت عمرؓ کے سامنے پڑھے۔ جب وہ آخری شعر پر پہنچی تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا تم نے آخری شعر میں اپنا اور حضورؐ کا تذکرہ کیا ہے کسی طرح تم مجھے بھی اپنے دونوں کے ساتھ شامل کرلو۔ اس نے یہ شعر پڑھا "وعمر فاغفر له یاغفار" یعنی اے غفار! عمرؓ کی بھی مغفرت فرما اس پر حضرت عمرؓ خوش ہو گئے اور واپس آ گئے۔[1]

حضرت ابن عمرؓ کے بے اختیار آنسو

حضرت عاصم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں جب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کا تذکرہ کرتے تو ایک دم بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے۔[2]

حضرت انسؓ کی سعادت مندی

حضرت مثنیٰ بن سعید ذارع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ہر رات اپنے حبیب ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہوں اور یہ فرما کر رونے لگ پڑے۔[3]

---

[1] اخرجہ ابن المبارک وابن عساکر کذافی منتخب الکنز (ج ۴ ص ۳۸۱) [2] اخرجہ ابن سعد (ج ۴ ص ۱۶۸)

[3] اخرجہ ابن سعد (ج ۷ ص ۲۰)

حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو صحابہ کرام ؓ کا مارنا

حضرت کعب بن علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت غرفہ بن حارث کندی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صحبت یافتہ صحابی ہیں۔ انہوں نے سنا کہ ایک نصرانی حضور ﷺ کو برا بھلا کہہ رہا ہے تو انہوں نے اسے ایسا مارا کہ اس کی ناک ٹوٹ گئی۔ یہ معاملہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عمرو نے حضرت غرفہ سے فرمایا ہم تو ان سے امن دینے کا معاہدہ کر چکے ہیں۔ حضرت غرفہ نے کہا اللہ کی پناہ۔ یہ لوگ حضور ﷺ کو برا بھلا کہیں اور ہم ان کے معاہدے کا بھی لحاظ کریں؟ ہم نے ان شرطوں پر ان سے معاہدہ کیا ہے کہ ہم ان کے عبادت خانوں کو کچھ نہیں کہیں گے یہ اپنے عبادت خانوں میں جو چاہیں کہیں اور ہم ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر نہیں ڈالیں گے اور اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا تو ہم ان کی طرف سے لڑیں گے اور ان کے احکام میں ہم کوئی دخل نہیں دیں گے ہاں اگر یہ ہمارے احکامات پر راضی ہو کر ہمارے پاس فیصلہ کروانے آئیں گے تو ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق ان کے بارے میں فیصلہ کریں گے اور اگر یہ اپنے معاملات کے بارے میں ہم سے الگ تھلگ رہیں گے تو ہم انہیں کچھ نہیں کہیں گے اس پر حضرت عمرو ؓ نے کہا تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ [1]

حضرتِ سعد ؓ کی سعادت

حضرت سلیمان بن بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ بدر کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ دونوں نے حضورؐ کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ حضورؐ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا دونوں میں سے ایک جائے (چونکہ رُکنے کے لئے کوئی راضی نہیں ہے اس لئے) دونوں قرعہ ڈال لو۔ حضرت خثیمہ بن حارث نے اپنے بیٹے سعد سے کہا اب ہم دونوں میں سے ایک کا یہاں رہنا ضروری ہو گیا ہے لہٰذا تم اپنی عورتوں کے پاس ٹھہر

---

[1] اخرجہ ابن المبارک عن حرملۃ بن عمران کذا فی الاستیعاب (ج ۳ ص ۱۹۳) واخرجہ البخاری فی تاریخہ عن نعیم بن حماد عن عبداللہ ابن المبارک عن حرملۃ باسنادہ نحوہ واسنادہ صحیح کما فی الاصابۃ (ج ۳ ص ۱۹۵)

جاؤ۔ حضرت سعد نے کہا کہ اگر جنت کے علاوہ کوئی اور چیز ہوتی تو میں (حضورؐ کے ساتھ جانے میں) آپ کو اپنے سے آگے رکھتا۔ میں اپنے اس سفر میں شہادت کی امید لگائے ہوئے ہوں چنانچہ دونوں نے قرعہ اندازی کی جس میں حضرت سعد کا نام نکل آیا۔ چنانچہ حضرت سعد حضورؐ کے ساتھ بدر گئے اور عمرو بن عبدود نے ان کو شہید کیا۔[1]

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی جانثاری کا منظر

حضرت محمد بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے دن عتبہ نے اپنے مقابلہ کے لئے (مسلمانوں کو) للکارا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ولید بن عتبہ کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ یہ دونوں نوجوان برابر کے جوڑ والے تھے۔ راوی نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے ہتھیلی کو زمین کی طرف الٹا کر بتایا کہ اس طرح حضرت علی نے ولید کو قتل کر کے زمین پر گرا دیا۔ پھر کافروں میں سے شیبۃ بن ربیعہ باہر نکلا اس کے مقابلہ کے لئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ یہ دونوں بھی برابر کے جوڑ والے تھے اور اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ اونچا اشارہ کر کے بتایا حضرت حمزہ نے شیبہ کو قتل کر کے زمین پر گرا دیا پھر کافروں کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ کھڑا ہوا۔ اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اٹھے وہ دونوں ان دو ستونوں کی طرح تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر تلوار کے وار کئے۔ چنانچہ حضرت عبیدہؓ نے عتبہ کو اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا بایاں کندھا لٹک گیا۔ پھر عتبہ نے قریب آ کر حضرت عبیدہ کی ٹانگ پر تلوار کا وار کیا جس سے ان کی پنڈلی کٹ گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت حمزہ اور حضرت علی دونوں عتبہ کی طرف لپکے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اور وہ دونوں حضرت عبیدہ کو اٹھا کر حضور ﷺ کی خدمت میں چھپر میں لے آئے۔ حضورؐ نے ان کو لٹایا اور ان کا سر اپنی ٹانگ پر رکھا اور ان کے چہرے سے غبار صاف کرنے لگے۔ ان کی ٹانگ کٹ چکی تھی، اس میں سے گودا بہہ رہا تھا۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم اگر ابو طالب مجھے اس حال میں دیکھ لیتے تو وہ یقین کر لیتے کہ میں ان کے اس شعر کا ان سے زیادہ حقدار ہوں (جو انہوں نے حضورؐ کی

---

[1] اخرجہ الحاکم (ج ۳ ص ۱۸۹) واخرجہ ایضاً ابن المبارک عن سلیمان وموسیٰ بن عقبۃ عن الزہری کما فی الاصابۃ (ج ۲ ص ۲۵)

حمایت میں کہا تھا)

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ
وَنَذْهَلَ عَنْ اَبْنَاءِ نَاوَالْحَلَائِلِ

''ہم اپنے بیوی بچوں سے غافل ہوکران کی حفاظت میں آخردم تک رہیں گے یہاں تک کہ ہم زخمی ہوکران کے اردگرد زمین پر پڑے ہوئے ہوں گے۔''

(اور ساتھ ہی یہ عرض کیا) کیا میں شہید نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا بے شک تم شہید ہو اور میں اس بات میں تمہارا گواہ ہوں۔ پھر حضرت عبیدہ کا انتقال ہوگیا۔ حضورؐ نے ان کو وادی صفراء میں دفن فرمایا اور آپ ان کی قبر میں اترے اور (اس سے پہلے) آپ کسی اور کی قبر میں نہیں اترے تھے۔ [1]

غزوۂ اُحد میں سات انصاری صحابہؓ کی جانثاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے جنگ احد کے دن نبی کریم ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس وقت آپ کے ساتھ سات انصاری اور ایک قریشی صحابی تھے۔ تو آپ نے فرمایا جو ان کو ہم سے پیچھے ہٹائے گا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا چنانچہ ایک انصاری صحابی نے آکران کافروں سے جنگ شروع کی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ جب مشرکوں نے حضورؐ کو گھیر لیا تو آپ نے پھر فرمایا جو ان کو ہم سے پیچھے ہٹائے گا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ (اس طرح ایک ایک کر کے) ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ہم نے اپنے (انصاری) ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا (یا ہمارے ساتھیوں نے ہم سے انصاف نہیں کیا کہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ [2]

حضرت طلحہؓ کا حقیقی عشق

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو وہ حضور ﷺ کو چھوڑ کر چلے گئے اور آپ کے ساتھ گیارہ انصاری اور حضرت

---

[1] اخرجہ ابن عساکر کذا فی کنز العمال (ج ۵ ص ۲۷۲)

[2] اخرجہ الامام احمد ورواہ مسلم ایضا

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ حضورؐ پہاڑ پر چڑھنے لگے کہ پیچھے سے مشرکین ان تک پہنچ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا ان (کے روکنے) کے لئے کوئی مرد نہیں ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا یارسول اللہ! میں ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اے طلحہ! تم جیسے ہو ویسے ہی رہو۔ ایک انصاری نے کہا یارسول اللہ! میں ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ان کافروں سے جنگ شروع کردی۔ حضورؐ باقی صحابہؓ کو لے کر پہاڑ کے اوراوپر چڑھ گئے پھر وہ انصاری شہید ہوگئے اور کافر حضور ﷺ تک پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا کیا ان (کو روکنے) کے لئے کوئی مرد نہیں ہے؟ حضرت طلحہ نے اپنی پہلی بات دہرائی حضورؐ نے ان کو وہی جواب دیا۔ تو ایک انصاری نے کہا یارسول اللہ! میں ہوں، اور انہوں نے ان کافروں سے جنگ شروع کردی۔ حضور ﷺ اور باقی صحابہؓ پہاڑ پر اوراوپر چڑھنے لگے۔ اتنے میں وہ انصاری صحابی شہید ہوگئے اور کافر پھر حضورؐ تک پہنچ گئے۔ حضور ﷺ ہر مرتبہ اپنا وہی فرمان ارشاد فرماتے حضرت طلحہ ہر مرتبہ عرض کرتے یارسول اللہ! میں ہوں۔ حضورؐ انہیں روک دیتے پھر کوئی انصاری ان کافروں سے لڑنے کی اجازت مانگتا حضورؐ اسے اجازت دے دیتے اور وہ اپنے سے پہلے والے کی طرح خوب زور سے لڑتا اور شہید ہوجاتا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے ساتھ صرف حضرت طلحہ باقی رہ گئے تو مشرکین نے ان دونوں کو گھیر لیا۔ حضورؐ نے فرمایا ان سے مقابلے کے لئے کون تیار ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا میں (حضور نے اس مرتبہ ان کو اجازت دے دی، چنانچہ ان سے پہلے والوں نے سب نے جتنی جنگ کی انہوں نے اکیلے ان سب کے برابر جنگ کی (لڑتے لڑتے) ان کے ہاتھوں کے پورے بہت زخمی ہوگئے۔ تو انہوں نے کہا حسِ (جیسے اردو میں ایسے موقع پر ہائے کہا جاتا ہے) حضورؐ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ کہتے تو فرشتے تمہیں اوپر اٹھالیتے اور تمہیں لے کر آسمان میں داخل ہوجاتے اور لوگ تمہیں دیکھ رہے ہوتے۔ پھر حضور ﷺ پہاڑی پر چڑھ کر اپنے صحابہؓ کے پاس پہنچ گئے جو وہاں جمع تھے۔[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سعادت مندی

حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ احد تشریف لے گئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان بن جابر اور حضرت ثابت بن وقش بن زعوراء رضی

[1] عند البیہقی کذافی البدایۃ (ج ۴ ص ۲۶)

اللہ عنہما عورتوں اور بچوں کے ساتھ قلعہ پر چڑھ گئے۔ یہ دونوں حضرات بوڑھے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا تیرا باپ نہ رہے ہم کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم میں سے ہر ایک کی اتنی عمر باقی رہ گئی ہے جتنی ایک گدھے کی پیاس۔ (تمام جانوروں میں گدھا سب سے کم پیاس برداشت کر سکتا ہے) یعنی بہت تھوڑی عمر باقی رہ گئی ہے ہم آج یا کل مر جائیں گے۔ کیوں نہ ہم اپنی تلواریں لے کر حضورؐ کے ساتھ (لڑائی میں) شریک ہو جائیں چنانچہ یہ دونوں حضرات مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے اور مسلمان ان کو پہچانتے نہیں تھے۔ حضرت ثابت بن وقش کو تو مشرکین نے قتل کر دیا اور حضرت ابو حذیفہ پر مسلمانوں کی تلواریں چلیں اور مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا کیونکہ مسلمان ان کو پہچانتے نہیں تھے چنانچہ حضرت حذیفہ نے پکارا یہ میرے والد ہیں یہ میرے والد ہیں (انہیں نہ مارو مارنے والے) مسلمانوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم ان کو پہچانتے نہیں تھے اور یہ حضرات اپنی اس بات میں سچے تھے۔ اس پر حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت حذیفہ کو ان کے والد کا خون بہا دینا چاہا لیکن انہوں نے مسلمانوں کو خون بہا معاف کر دیا۔ اس سے حضورؐ کے نزدیک حضرت حذیفہ کا مرتبہ اور بڑھ گیا۔[1]

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی داستانِ عشق

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے بعد قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کی ایک جماعت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم لوگوں میں اسلام آ چکا ہے، آپ ہمارے ساتھ اپنے کچھ صحابہ بھیج دیں جو ہمیں دین کی باتیں سمجھائیں اور ہمیں قرآن پڑھائیں اور اسلام کے احکام ہمیں سکھائیں چنانچہ حضورؐ نے ان کے ساتھ اپنے ساتھیوں میں سے چھ آدمی بھیج دیئے اور راوی نے ان چھ آدمیوں کا تذکرہ بھی کیا۔ چنانچہ یہ حضرات اس جماعت کے ساتھ چل پڑے۔ جب یہ مقام رجیع پر پہنچے، یہ قبیلہ ہذیل کا ایک چشمہ ہے جو حجاز کے ایک کنارے پر ہدأۃ مقام کے شروع میں ہے تو

---

[1] اخرجہ الحاکم (ج ۳ ص ۲۰۲) قال الحاکم ہذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ انتہی۔

اس جماعت نے ان صحابہؓ سے غداری کی اور انہوں نے قبیلہ ہذیل کو ان کے خلاف مدد کے لئے بلالیا۔ یہ حضرات صحابہ (اطمینان سے) اپنی قیام گاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اچانک ان کو ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے بہت سے آدمیوں نے گھیر لیا تو یہ حضرات گھبرا گئے حضرات صحابہؓ نے ان سے لڑنے کے لئے اپنی تلوریں ہاتھوں میں پکڑ لیں تو کافروں نے ان سے کہا اللہ کی قسم! ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے ہیں، بلکہ ہم تو تمہارے بدلہ میں مکہ والوں سے کچھ مال لینا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں اللہ کا عہد و پیان دیتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔

حضرت مرثد اور حضرت خالد بن بکیر اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہم کسی مشرک کا عہد و پیان کبھی قبول نہیں کریں گے اور حضرت عاصم بن ثابت نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

ماعلتی وانا جلد نابل

والقوس فیھا وتر عنابل

"میں بیمار نہیں ہوں میں تو طاقتور تیر انداز ہوں اور (میری) کمان میں مضبوط تانت لگا ہوا ہے۔

تزل عن صفحتھا المعابل

الموت حق والحیاۃ باطل

لمبے اور چوڑے پھل والے تیر اس کمان کے اوپر سے پھسل جاتے ہیں۔ موت حق ہے اور زندگی باطل یعنی فانی ہے۔

وکل ماحتم الالٰہ نازل

بالمرءِ والمرءُ الیہ آئِل

ان لم اُقاتلکم فامی ھابل

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھا ہے وہ آدمی کے ساتھ ہو کر رہے گا اور آدمی اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔ اگر میں تم لوگوں سے جنگ نہ کروں تو میری ماں مجھے گم کردے (یعنی میں مرجاؤں)

ابو سلیمان وریش المقعد
وضالة مثل الجحیم الموقد

میں ابوسلیمان ہوں اور میرے پاس تیر ساز مقعد کے بنائے ہوئے تیر ہیں اور میرے پاس دہکتی ہوئی آگ کی طرح کمان ہے۔

اذاالنواجی افترشت لم ارعد
ومجنامن جلدِثورٍاجردٖ
ومومن بماعلیٰ محمدٖ

تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر جب بہادر آدمی آئیں تو میں کپکپی محسوس نہیں کرتا ہوں (کیونکہ بہادر ہوں بزدل نہیں ہوں)اور میرے پاس ایسی ڈھال ہے جو کم بال والے بیل کی کھال سے بنی ہوئی ہے اور حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ آسمان سے نازل ہوا ہے میں اس پر ایمان لانے والا ہوں۔''

اور یہ شعر بھی پڑھا:

ابوسلیمان ومثلی رامیٰ
وکان قومی معشرا کرامًا

''میں ابوسلیمان ہوں اور میرے جیسا بہادر ہی تیر چلاتا ہے اور میری قوم ایک معزز قوم ہے''۔

پھر حضرت عاصم نے ان کافروں سے لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور ان کے دونوں ساتھی بھی شہید ہو گئے جب حضرت عاصم شہید ہو گئے تو قبیلہ ہذیل نے ان کا سر کاٹنا چاہا تاکہ یہ سر سلافہ بنت سعد کے ہاتھ بیچ دیں کیونکہ جب حضرت عاصم نے سلافہ کے بیٹے کو جنگ احد کے دن قتل کیا تھا تو سلافہ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اسے حضرت عاصم کا سر مل گیا تو وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی (جب قبیلہ ہذیل کے لوگ ان کا سر کاٹنے کے لئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا جس نے حضرت عاصم کے جسم کو ہر طرف سے گھیر لیا) اور ان مکھیوں نے قبیلہ ہذیل کے لوگوں کو ان کے قریب نہ آنے دیا۔ جب یہ مکھیاں ان کے اور حضرت عاصم کے درمیان حائل

ہو گئیں تو ان لوگوں نے کہا ان کو ایسے ہی رہنے دو جب شام کو یہ مکھیاں چلی جائیں گی تو پھر ہم آ کر ان کا سر کاٹ لیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کی ایسی رو بھیجی جو ان کی نعش کو بہا کر لے گئی۔ حضرت عاصم نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ وہ کبھی کسی مشرک کو ناپاک ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہیں لگائیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کو ہاتھ لگا سکے چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ شہد کی مکھیوں نے ان کافروں کو قریب نہ آنے دیا تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مومن بندے کی ایسے ہی حفاظت فرمایا کرتے ہیں۔ حضرت عاصم نے تو اپنی زندگی کے لئے یہ نذر مانی تھی کہ انہیں کوئی مشرک ہاتھ نہ لگا سکے اور نہ وہ کسی مشرک کو ہاتھ لگائیں گے لیکن جیسے وہ زندگی میں مشرکوں سے بچے رہے ایسے ہی ان کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی مشرکوں سے حفاظت فرمائی اور حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم نرم پڑ گئے اور زندہ رہنے کو ترجیح دی اور خود کو ان کافروں کے ہاتھوں میں دے دیا یعنی ان کے حوالے کر دیا۔ ان لوگوں نے ان تینوں کو قیدی بنالیا۔ پھر وہ انہیں مکہ جا کر بیچنے کے لئے لے کر چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ مقام ظہران پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن طارق نے اپنا ہاتھ کسی طرح رسی سے نکال لیا اور پھر انہوں نے اپنی تلوار پکڑ لی۔ اور وہ کافران سے پیچھے ہٹ گئے اور ان کو پتھر مارنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کو (پتھر مار مار کر) شہید کر دیا۔ چنانچہ ان کی قبر ظہران میں ہے۔ اور وہ کافر حضرت خبیب اور حضرت زید کو لے کر مکہ آئے اور قبیلہ ہذیل کے دو آدمی مکہ میں قید تھے۔ ان کافروں نے ان دونوں حضرات کو اپنے دو قیدیوں کے بدلے میں قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔ حضرت خبیب کو حجیر بن ابی اہاب تمیمی نے خریدا اور حضرت زید بن دثنہ کو صفوان بن امیہ نے اس لئے خریدا تا کہ انہیں اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر سکے۔ چنانچہ صفوان نے نسطاس نامی اپنے غلام کے ساتھ ان کو تنعیم بھیجا اور قتل کرنے کے لئے ان کو حرم مکہ سے باہر نکالا۔ قریش کا ایک مجمع جمع ہو گیا جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔ جب حضرت زید کو قتل کرنے کے لئے آگے کیا گیا تو ان سے ابوسفیان نے کہا اے زید! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو یہ پسند ہے کہ محمد ﷺ اس وقت ہمارے پاس ہوں اور ہم تمہاری جگہ ان کی گردن ماردیں اور تم اپنے اہل

وعیال میں رہو؟ تو حضرت زید نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ محمد ﷺ اس وقت جہاں بھی ہیں وہاں ہی ان کو ایک کانٹا چبھے اور اس تکلیف کے بدلہ میں اپنے اہل وعیال میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد ﷺ کے صحابہ کو محمدؐ سے ہے پھر حضرت زید کو نسطاس نے قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں حضرت خبیب بن عدی کے بارے میں مجھے حضرت عبداللہ بن ابی نجیح نے یہ بتایا کہ انہیں یہ بتایا گیا کہ حجیر بن ابی اہاب کی باندی ماریہ جو کہ بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں نے بیان کیا کہ حضرت خبیب کو میرے پاس میرے گھر میں قید کیا گیا تھا ایک دن میں نے ان کو جھانک کر دیکھا تو ان کے ہاتھ میں آدمی کے سر کے برابر انگور کا ایک خوشہ تھا جسے وہ کھا رہے تھے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس وقت روئے زمین پر کھانے کے قابل انگور کہیں نہیں تھا۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عاصم بن عمر قتادہ اور حضرت عبداللہ بن ابی نجیح نے کہا کہ حضرت ماریہ نے یہ بیان کیا کہ جب حضرت خبیب کے قتل ہونے کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے ایک استرا دے دو تا کہ میں صفائی کر کے قتل کے لئے تیار ہو جاؤں۔ میں نے قبیلہ کے ایک لڑکے کو استرا دیا اور اس سے کہا کہ اس مکان میں جا کر یہ استرا اس آدمی کو دے آؤ۔ حضرت ماریہ کہتی ہیں کہ جونہی وہ لڑکا استرا لے کر انکی طرف چلا تو میں نے کہا میں نے یہ کیا کیا؟ اللہ کی قسم! اس آدمی نے تو اپنے خون کا بدلہ پالیا، یہ اس لڑکے کو قتل کر دے گا اور اس طرح اپنے خون کا بدلہ لے لے گا اور یوں آدمی کے بدلے آدمی قتل ہوگا۔ جب لڑکے نے ان کو استرا دیا تو انہوں نے اس کے ہاتھ یہ استرا دے کر میرے پاس بھیج دیا تو اسے یہ خطرہ نہ گزرا کہ میں تمہیں دھوکے سے قتل کر دوں گا۔ پھر اس لڑکے کو جانے دیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لڑکا حضرت ماریہ کا اپنا بیٹا تھا۔

حضرت عاصمؓ فرماتے ہیں پھر وہ کافر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو لے کر (حرم سے) باہر آئے اور ان کو لیکر سولی دینے کے لئے مقام تنعیم پہنچے۔ تو حضرت خبیب نے ان کافروں سے کہا اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے دو۔ انہوں نے کہا، لو نماز پڑھ لو چنانچہ انہوں نے نہایت عمدہ طریقے سے دو رکعت نماز مکمل طور سے

ادا کی۔ پھر ان کافروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا غور سے سنو! اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے نماز لمبی کر رہا ہوں تو میں اور نماز پڑھتا۔ اور قتل کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت کو حضرت خبیب نے مسلمانوں کے لئے سب سے پہلے شروع کیا پھر کافروں نے ان کو سولی کے تختہ پر لٹکا دیا۔ جب انہوں نے ان کو اچھی طرح باندھ دیا۔ تو انہوں نے فرمایا اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اور ہمارے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کی ساری خبر کل اپنے رسول کو دینا، پھر انہوں نے یہ بددعا کی اے اللہ! ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑنا اور ان کو ایک ایک کر کے مار دینا اور ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑنا، پھر ان کافروں نے ان کو قتل کر دیا۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی اس دن اپنے والد ابوسفیان کے ساتھ دیگر کافروں کی ہمراہی میں وہاں موجود تھا، میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ حضرت خبیب کی بددعا کے ڈر سے مجھے زمین پر لٹا رہے تھے کیونکہ اس زمانے میں لوگ کہا کرتے تھے کہ جس کے خلاف بددعا ہو رہی ہو وہ اپنے پہلو پر لیٹ جائے تو وہ بددعا اس سے نہیں لگتی بلکہ اس سے پھسل جاتی ہے۔ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں یہ مضمون ہے کہ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما دونوں ایک دن شہید کئے گئے اور جس دن یہ حضرات قتل کئے گئے اس دن سنا گیا کہ حضور ﷺ فرما رہے تھے وعلیکما السلام یا وعلیک السلام، خبیب کو قریش نے قتل کر دیا اور آپ نے یہ بتایا کہ جب کافروں نے حضرت خبیب کو سولی پر چڑھا دیا تو ان کے دین سے ہٹانے کے لئے کافروں نے ان کو تیر مارے۔ لیکن اس سے ان کا ایمان اور تسلیم اور بڑھا۔ حضرت عروہ اور حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کافر حضرت خبیب کو سولی پر چڑھانے لگے تو انہوں نے بلند آواز سے ان کو قسم دے کر پوچھا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ (حضرت) محمد (ﷺ) تمہاری جگہ ہوں (اور ان کو سولی دے دی جائے) حضرت خبیب نے فرمایا نہیں۔ عظیم اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میرے بدلے میں ان کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ اس پر وہ لوگ ہنسنے لگے۔ ابن اسحاق نے اس بات کو حضرت زید بن دثنہ کے قصہ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

---

[1] اخرجہ ابن اسحاق کذا فی البدایۃ (ج ۴ ص ۶۳)

طبرانی نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ مشرکین جنگ بدر کے دن قتل کئے گئے تھے ان کی اولاد نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ جب مشرکوں نے ان کو سولی پر چڑھا کر (مارنے کے لئے) ان پر ہتھیار تان لئے تو بلند آواز سے حضرت خبیب کو قسم دے کر پوچھنے لگے۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ (حضرت) محمد (ﷺ) تمہاری جگہ ہوں؟ انہوں نے فرمایا نہیں عظیم اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میرے بدلے میں ان کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھے۔ اس پر وہ کافر ہنس پڑے۔ جب مشرک حضرت خبیب کو سولی پر لٹکانے لگے تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

وقد جمعوا ابناَءَ هم ونساَءَ هُم

وقربت من جذعِ طويلٍ ممنعِ

اورانہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی جمع کیا ہوا ہے اور مجھے (سولی پر لٹکانے کے لئے) ایک لمبے اور مضبوط کھجور کے تنے کے قریب کردیا گیا ہے۔

الی اللّٰہ اشکو غربتی ثم کربتی

وما ارصدالاحزابُ لی عندمصرعِ

میں وطن سے دوری کی اور اپنے رنج وغم کی اوران چیزوں کی اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں، جوان گرہوں نے میرے قتل ہونے کی جگہ پر میرے لئے تیار کر رکھی ہیں۔

فذاالعرش صبرلی علیٰ مایراُدبی

فقدبضعوالحمی وقدبان مطمع

اے عرش والے! یہ کافر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اس پر مجھے صبر عطا فرما ان لوگوں نے میرا گوشت کاٹ ڈالا ہے اور میری امید ختم ہوگئی ہے۔

وذٰلک فی ذات الالٰہ وان یشأ

یبارک علیٰ اوصالِ شلوٍممزعِ

اور یہ سب کچھ اللہ کی زات کی وجہ سے (میرے ساتھ) ہو رہا ہے اور اگر اللہ چاہے تو وہ میرے جسم کے کٹے ہوئے حصوں میں برکت ڈال سکتا ہے۔

لعمری ما احفل اذا مت مسلمًا
علیٰ ای حالٍ کان للّٰہِ مضجعی

میری عمر کی قسم! جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں مر رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کس حالت میں اللہ کے لئے جان دے رہا ہوں۔[1]

اور ابن اسحاق نے ان اشعار کو ذکر کیا ہے اور پہلے شعر کے بعد یہ شعر ذکر کیا ہے:

و کلھم مبدی العداوۃِ جاھد
علیَّ لانی فی وثاقٍ بمضیع

اور یہ سب دشمنی ظاہر کر رہے ہیں اور میرے خلاف پوری طرح کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ میں بیڑیوں میں ہلاکت کی جگہ میں ہوں۔"

اور پانچوں شعر کے بعد ابن اسحاق نے یہ اشعار بھی ذکر کئے ہیں:

وقد خیرونی الکفر والموت دونہٗ
وقد ھملت عینای من غیر مجزع

ان لوگوں نے مجھے موت اور کفر کے درمیان اختیار دیا، حالانکہ موت اس سے بہتر ہے۔ میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں لیکن یہ کسی گھبراہٹ کی وجہ سے نہیں بہہ رہے ہیں۔

ومالی حذار الموتِ انی لمیت
ولٰکن حذاری جحم نارٍ ملفع

مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں ہے کیونکہ میں نے مرنا تو ضرور ہے مجھے تو لپٹ مارنے والی آگ لپٹ کا ڈر ہے۔

فو اللّٰہ ما ارجو اذا مت مسلمًا
علیٰ ای جنب کان فی اللّٰہِ مضجعیْ

اللہ کی قسم! جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں مر رہا ہوں تو اس بات کا مجھے کوئی ڈر نہیں ہے کہ مجھے اللہ کے لئے کس پہلو پر لیٹنا ہوگا۔

---

[1] قال الہیثمی (ج ۶ ص ۲۰۰) رواہ الطبرانی وفیہ ابن لہیعۃ وحدیثہ حسن وفیہ ضعف انتہیٰ۔

فلست بمبدٍ للعدو تخشعًا
ولا جزعًا انی الی اللّٰہ مرجعیٰ

میں دشمن کے سامنے عاجزی اور گھبراہٹ ظاہر کرنے والا نہیں ہوں کیونکہ مجھے تو اللہ کے ہاں لوٹ کر جانا ہے۔[1]

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی داستانِ درد

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے واقعہ کی تفصیل اس طرح بتلاتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے غزوات میں شرکت کی میں ان سب میں بجز غزوۂ تبوک کے آپ کے ساتھ شریک رہا، البتہ غزوۂ بدر کا واقعہ چونکہ اچانک پیش آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اس میں شریک ہونے کا حکم بھی نہیں دیا تھا، اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی عتاب بھی نہیں فرمایا تھا اس میں بھی شریک نہ ہو سکا تھا، اور میں لیلۃ العقبہ کی بیعت میں بھی حاضر تھا، جس میں ہم نے اسلام کی حمایت وحفاظت کا معاہدہ کیا تھا اور مجھے یہ بیعت عقبہ کی حاضری غزوۂ بدر کی حاضری سے بھی زیادہ محبوب ہے، اگرچہ غزوۂ بدر لوگوں میں زیادہ مشہور ہے، اور میرا واقعہ غزوۂ تبوک میں بھی زیادہ محبوب ہے، اگرچہ غزوۂ بدر لوگوں میں زیادہ مشہور ہے، اور میرا واقعہ غزوۂ تبوک میں غیر حاضری کا یہ ہے کہ میں کسی وقت بھی اس وقت سے زیادہ خوش حال اور مالدار نہ تھا...... بخدا میرے پاس کبھی اس سے پہلے دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں، جو اس وقت موجود تھیں،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ غزوات کے معاملہ میں یہ تھی کہ مدینہ سے نکلنے کے وقت اپنے ارادے کے اخفاء کے لئے ایسا کرتے تھے کہ جس سمت میں جا کر جہاد کرنا ہوتا مدینہ سے اس کے خلاف سمت کو نکلتے تھے، تاکہ منافقین مخبری کر کے فریق مقابل کو آگاہ نہ کر دیں اور فرمایا کرتے تھے کہ جنگ میں (اس طرح کا) خداع (دھوکہ) جائز ہے، یہاں تک کہ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا، (یہ جہاد کئی وجہ سے ممتاز تھا) آپؐ نے سخت گرمی اور تنگدستی کی حالت میں اس جہاد کا قصد فرمایا، اور سفر بھی بڑی دور کا تھا، مقابلہ پر

---

[1] کمافی البدایۃ (ج ۴ ص ۶۷)

دشمن کو قوت اور تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کا کھل کر اعلان کر دیا تا کہ مسلمان اس جہاد لئے پوری تیاری کر سکیں۔

اس جہاد میں شریک ہونے والوں کی تعداد صحیح مسلم کی روایت کے مطابق دس ہزار سے زائد تھی، اور حاکم کی روایت حضرت معاذؓ سے یہ ہے کہ اس جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو ہماری تعداد تیس ہزار سے زائد تھی۔

اور اس جہاد میں نکلنے والوں کی کوئی فہرست نہیں لکھی گئی تھی اس لئے جو لوگ جہاد میں جانا نہیں چاہتے تھے ان کو یہ موقع مل گیا کہ ہم نہ گئے تو کسی کو خبر بھی نہ ہوگی، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاد کے لئے نکلے تو یہ وقت تھا کہ کھجوریں پک رہی تھیں، باغات والے ان میں مشغول تھے، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور جمعرات کے روز آپؐ نے اس سفر کا آغاز کیا، اور سفر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعرات کا دن پسند تھا، خواہ سفر جہاد کا ہو یا کسی دوسرے مقصد کا۔

میرا حال یہ تھا کہ میں روز صبح کو ارادہ کرتا کہ جہاد کی تیاری کروں مگر بغیر تیاری کے واپس آ جاتا، میں دل میں کہتا تھا کہ میں جہاد پر قادر ہوں مجھے نکلنا چاہئے، مگر یوں ہی امروز و فردا میں میرا ارادہ ٹلتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمان جہاد کے لئے روانہ ہو گئے، پھر بھی میرے دل میں یہ آتا رہا کہ میں بھی روانہ ہو جاؤں اور کہیں راستہ میں مل جاؤں اور کاش! کہ میں ایسا کر لیتا، مگر یہ کام (افسوس ہے کہ) نہ ہو سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں مدینہ میں کہیں جاتا تو یہ بات مجھے غمگین کرتی کہ اس وقت پورے مدینہ میں یا تو وہ لوگ نظر پڑتے تھے جو نفاق میں ڈوبے ہوئے تھے، یا پھر ایسے بیمار معذور جو قطعاً سفر کے قابل نہ تھے دوسری طرف پورے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا خیال نہیں آیا یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے، اس وقت آپؐ نے ایک مجلس میں ذکر کیا کہ کعب بن مالکؓ کو کیا ہوا (وہ کہاں ہیں)؟
بنو سلمہ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد سے ان کے عمدہ لباس اور اس پر نظر کرتے رہنے نے روکا ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے

عرض کیا کہ تم نے یہ بُری بات کہی ہے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور قریب تھا کہ میں اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر گھبرا کر تیار کر لیتا اور ایسی باتیں پیش کر دیتا جس کے ذریعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے نکل جاتا اور اس کے لئے اپنے اہل اور دوستوں سے بھی مدد لے لیتا (میرے دل میں یہ خیالات وساوس گھومتے رہے) یہاں تک کہ جب یہ خبر ملی کہ حضورؐ پھر تشریف لے آئے ہیں تو خیالاتِ فاسدہ میرے دل سے مٹ گئے اور میں نے سمجھ لیا کہ میں آپ کی ناراضی سے کسی ایسی بنیاد پر نہیں نکل سکتا جس میں جھوٹ ہو اس لئے میں نے بالکل سچ بولنے کا عزم کر لیا کہ مجھے صرف سچ ہی نجات دلا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو (حسبِ عادت) چاشت کے وقت یعنی صبح کو آفتاب بلند ہونے کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور عادتِ شریفہ یہی تھی کہ سفر سے واپسی کا عموماً یہی وقت ہوا کرتا، اور عادت یہ تھی کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، دو رکعتیں پڑھتے، پھر حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے، اس کے بعد ازوجِ مطہراتؓ سے ملتے تھے۔

اسی عادت کے مطابق آپؐ اول مسجد میں تشریف لے گئے، دو رکعت ادا کی، پھر مسجد میں بیٹھ گئے جب لوگوں نے دیکھا تو غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے منافقین جن کی تعداد اسی سے کچھ اوپر تھی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹے عذر پیش کر کے اس پر جھوٹی قسمیں کھانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری قول وقرار اور قسموں کو قبول کر لیا اور ان کو بیعت کر لیا، ان کے لئے دعاء مغفرت فرمائی اور ان کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کیا۔

اسی حال میں میں بھی حاضر خدمت ہو گیا،، اور چلتے چلتے سامنے جا کر بیٹھ گیا، جب میں نے سلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایسا تبسم فرمایا جیسے ناراض آدمی کبھی کیا کرتا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ پھیر لیا، تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ مجھ سے چہرۂ مبارک کیوں پھیرتے ہیں، خدا کی قسم! میں نے نفاق نہیں کیا، نہ

دین کے معاملہ میں کسی شبہ وشک میں مبتلا ہوا، نہ اس میں کوئی تبدیلی کی، آپؐ نے فرمایا کہ پھر جہاد میں کیوں نہیں گئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟

میں نے عرض کیا بیشک یارسول اللہ ﷺ اگر میں آپؐ کے سوا دنیا کے کسی دوسرے آدمی کے سامنے بیٹھتا تو مجھے یقین ہے کہ میں کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضی سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے جدال اور بات بنانے میں مہارت حاصل ہے، لیکن قسم ہے اللہ کی کہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ اگر میں نے آپؐ سے کوئی جھوٹی بات کہی جس سے آپؐ وقتی طور پر راضی ہو جائیں تو کچھ دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ...... حقیقت حال آپؐ پر کھول کر مجھ سے ناراض کر دیں گے، اور اگر میں نے سچی بات بتلادی جس سے بالفعل آپ مجھ پر ناراض ہوں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادیں گے، صحیح بات یہ ہے کہ جہاد سے غائب رہنے میں میرا کوئی عذر نہیں تھا، میں کسی وقت بھی مالی اور جسمانی طور پر اتنا قوی اور پیسے والا نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے تو سچ بولا ہے، پھر فرمایا کہ اچھا جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ فرمادیں، میں یہاں سے اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے چند آدمی میرے پیچھے لگے، اور کہنے لگے کہ اس سے پہلے تو ہمارے علم میں تم نے کوئی گناہ نہیں کیا یہ تم نے کیا بے وقوفی کی کہ اس وقت کوئی عذر پیش کر دیتے جیسا دوسرے متخلفین نے پیش کیا، اور تمہارے گناہ کی معافی کے لئے رسول اللہ ﷺ کا استغفار کرنا کافی ہو جاتا، بخدا یہ لوگ مجھے بار بار ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں لوٹ جاؤں اور پھر جا کر عرض کروں کہ میں نے جو بات پہلے کہی تھی وہ غلط تھی، میرا عذر صحیح موجود تھا۔

مگر پھر میں نے دل میں کہا کہ میں ایک گناہ کو دو گناہ نہ بناؤں، ایک گناہ تو تخلف کا سرزد ہو چکا ہے دوسرا گناہ جھوٹ بولنے کا کر گذروں، پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ متخلفین میں کوئی اور بھی میرے ساتھ ہے، جس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہو، ان لوگوں نے بتلایا کہ دو آدمی اور ہیں جنہوں نے تمہاری طرح اقرار جرم کر لیا، اور ان کو بھی وہی جواب دیا گیا جو تمہیں کہا گیا ہے، (کہ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو) میں نے پوچھا کہ وہ دو کون ہیں، انھوں نے بتلایا کہ ایک مرارہ ابن ربیع العمری دوسرے ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ ان میں سے پہلے (یعنی مرارہؓ) کے تخلف کا سبب یہ ہوا کہ ان کا ایک باغ تھا جس کا پھل اس وقت پک رہا تھا تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ تم نے اس سے پہلے بہت سے غزوات میں حصہ لیا ہے، اگر اس سال جہاد میں نہ جاؤ تو کیا جرم ہے، اس کے بعد جب انہیں اپنے گناہ پر تنبہ ہوا تو انہوں نے اللہ سے عہد کر لیا کہ یہ باغ میں نے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

اور دوسرے بزرگ حضرت بن امیہ کا یہ واقعہ ہوا کہ ان کے اہل وعیال عرصہ سے متفرق تھے، اس موقع پر سب جمع ہو گئے تو یہ خیال کیا کہ اس سال میں جہاد میں نہ جاؤں اپنے اہل وعیال میں بسر کروں، ان کو بھی جب اپنے گناہ کا خیال آیا تو انہوں نے یہ عہد کیا کہ اب میں اپنے اہل وعیال سے علیحدگی اختیار کر لوں گا۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے ایسے دو بزرگوں کا ذکر کیا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین میں سے ہیں، تو میں نے کہا کہ بس میرے لئے انہی دونوں بزرگوں کا عمل قابلِ تقلید ہے، یہ کہہ کر میں اپنے گھر چلا گیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہم تینوں کے ساتھ سلام کلام کرنے سے منع فرما دیا، اس وقت ہم تو سب مسلمانوں سے بدستور محبت کرتے تھے مگر ان سب کا رخ ہم سے پھر گیا تھا۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ اب ہمارا حال یہ ہو گیا کہ ہم لوگوں کے پاس جاتے تو کوئی ہم سے کلام نہ کرتا نہ سلام کا جواب دیتا۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس وقت ہماری دنیا بالکل بدل گئی ایسا معلوم ہونے لگا کہ نہ وہ لوگ ہیں جو پہلے تھے نہ ہمارے باغ اور مکان وہ ہیں جو پہلے تھے، سب اجنبی نظر آنے لگے، مجھے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر میں اس حال میں مر گیا تو رسول اللہ ﷺ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے، یا خدانخواستہ اس عرصہ میں حضور ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں عمر بھر اسی طرح سب لوگوں میں ذلیل وخوار پھرتا رہوں گا، اس کی وجہ سے میرے لئے ساری زمین بیگانہ وویرانہ نظر آنے لگی، اسی حال میں ہم پر پچاس راتیں گذر گئیں، اس زمانہ میں میرے دونوں ساتھی (مرارہ اور ہلال) تو شکستہ دل ہو کر گھر میں بیٹھ رہے، اور

رات دن روتے تھے، لیکن میں جوان آدمی تھا، باہر نکلتا اور چلتا پھرتا تھا اور نماز میں سب مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا مگر نہ کوئی مجھ سے کلام کرتا نہ میرے سلام کا جواب دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نماز کے بعد حاضر ہوتا اور سلام کرتا تو یہ دیکھا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کو جواب سلام کے لئے حرکت ہوئی یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا تو نظر چرا کر آپکی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا جب میں نماز میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آپؐ میری طرف دیکھتے ہیں اور جب میں آپکی طرف دیکھتا ہوں تو رخ پھیر لیتے ہیں۔

جب لوگوں کی یہ بے وفائی دراز ہوئی تو ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی قتادہؓ کے پاس گیا جو میرے سب سے زیادہ دوست تھے میں ان کے باغ میں دیوار پھاند کر داخل ہوا اور انکو سلام کیا، خدا کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا میں نے پوچھا کہ اے قتادہؓ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں، اس پر بھی قتادہ نے سکوت کیا، کوئی جواب نہیں دیا، جب میں نے بار بار یہ سوال دہرایا تو تیسری یا چوتھی مرتبہ میں انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ جانتا ہے اور اس کا رسولؐ، میں رو پڑا اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آگیا، اسی زمانہ میں ایک روز میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اچانک ملک شام کا ایک نبطی شخص جو غلہ فروخت کرنے کے لئے شام سے مدینہ میں آیا تھا اس کو دیکھا کہ لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا کوئی مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتا سکتا ہے؟ لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری طرف اشارہ کیا، وہ آدمی میرے پاس آگیا اور مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا جو ایک ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

"امابعد! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے نبی نے آپ سے بیوفائی کی اور آپ کو دور رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ میں نہیں رکھا ہے، تم اگر ہمارے یہاں آنا پسند کرو تو آجاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے"

میں نے جب یہ خط پڑھا تو کہا کہ یہ اور ایک میرا امتحان اور آزمائش آئی کہ اہل کفر مجھ سے اس کی طمع اور توقع ہوگئی (کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں) میں یہ خط لے کر آگے بڑھا ایک دکان پر تنور لگا ہوا تھا اس میں جھونک دیا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گذر چکی تھیں تو اچانک دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد خزیمہ بن ثابت میرے پاس آ رہے ہیں، آ کر یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیٰحدگی اختیار کرلو، میں نے پوچھا کہ کیا طلاق دیدوں یا کیا کروں، انہوں نے بتلایا کہ نہیں عملاً اس سے الگ رہو قریب نہ جاؤ، اسی طرح کا حکم میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا میں نے بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکہ میں چلی جاؤ، اور وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرمادیں۔

ہلال بن امیہؓ کی اہلیہ خولہ بنت عاصم یہ حکم سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہلال بن امیہؓ ایک بوڑھے ضعیف آدمی ہیں اور کوئی ان کا خادم نہیں، ابن ابی شیبہؒ کی روایت یہ بھی ہے کہ وہ ضعیف البصر بھی ہیں کیا آپ یہ پسند نہیں فرمائیں گے کہ میں انکی خدمت کرتی رہوں، فرمایا کہ خدمت کرنیکی ممانعت نہیں البتہ وہ تمھارے پاس نہ جائیں، انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو بڑھاپے کی وجہ سے ایسے ہوگئے ہیں کہ ان میں کوئی حرکت ہی نہیں، اور واللہ ان پر تو مسلسل گریہ طاری ہے رات دن روتے رہتے ہیں۔

کعب بن مالک ﷺ فرماتے ہیں مجھے بھی میرے بعض متعلقین نے مشورہ دیا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیوی کو ساتھ رکھنے کی اجازت لے لو جیسا کہ آپؐ نے ہلال ﷺ کو اجازت دیدی ہے، میں نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا، معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیں، اس کے علاوہ میں جوان آدمی ہوں (بیوی کو ساتھ رکھنا احتیاط کے خلاف ہے چنانچہ اسی حال پر میں نے دس راتیں اور گزاریں، یہاں تک کہ پچاس راتیں مکمل ہوگئیں، مسند عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ اس وقت ہماری توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تہائی رات گذرنیکے وقت نازل ہوئی، امّ المومنین حضرت ام سلمہؓ جو اس وقت حاضر تھیں انہوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو کعب بن مالکؓ کو اسی وقت اس کی خبر کر دی جائے، آپ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو لوگوں کا ہجوم ہو جائیگا، رات کی نیند مشکل ہو جائیگی۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ پچاسویں رات کے بعد صبح کی نماز پڑھکر میں اپنے

گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور حالت وہ تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے کہ مجھ پر میری جان اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو چکی تھی، اچانک میں نے سلع پہاڑ کے اوپر سے کسی چلانے والے آدمی کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ کعب بن مالکؓ بشارت ہو۔

محمد بن عمرو کی روایت میں ہے کہ یہ بلند آواز سے کہنے والے ابو بکرؓ تھے جنہوں نے جبل سلع پر چڑھکر یہ آواز دی کہ اللہ نے کعبؓ کی توبہ قبول فرمائی بشارت ہو، اور عقبہ کی روایت میں ہے کہ یہ خوشخبری حضرت کعبؓ کو سنانے کے لئے دو آدمی دوڑے ان میں سے ایک آگے بڑھ گیا تو جو پیچھے رہ گیا تھا اس نے یہ کیا کہ سلع پہاڑ پر چڑھ کر آواز دیدی اور کہا جاتا ہے کہ یہ دوڑنے والے دو بزرگ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما تھے۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر گیا اور انتہائی فرحت سے رونے لگا، اور مجھے معلوم ہو گیا کہ اب کشادگی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد صحابۂ کرام کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خبر دی تھی، اب سب طرف سے لوگ ہم تینوں کو مبارکباد دینے کے لئے دوڑ پڑے، بعض لوگ گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے مگر پہاڑ سے آواز دینے والے کی آواز سب سے پہلے پہنچ گئی۔

کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلا تو لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لئے آرہے تھے، کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ کے گرد (صحابۂ کرام کا مجمع ہے، مجھے دیکھ کر سب سے پہلے طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہو کر میری طرف لپکے اور مجھ سے مصافحہ کر کے قبولِ توبہ پر مبارکباد دی، طلحہؓ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولتا، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اے کعبؓ بشارت ہو تمہیں ایسے مبارک دن کی جو تمہاری عمر میں پیدائش سے لیکر آجتک سب سے زیادہ بہترین ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ فرمایا کہ نہیں، یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ تم نے سچ بولا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی کو ظاہر فرما دیا۔

جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سب مال ومتاع سے نکل جاؤں کہ سب کو اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں، آپ نے فرمایا، نہیں کچھ مال اپنی ضرورت کے لئے رہنے دو یہ بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ اچھا آدھا مال صدقہ کردوں، آپ نے اس سے بھی انکار فرمایا، میں نے پھر ایک تہائی مال کی اجازت مانگی، تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ جبتک میں زندہ ہوں کبھی سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا الحمدللہ کہ آج تک کوئی کلمہ جھوٹ کا میری زبان پر نہیں آیا، اور مجھے قسم! اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولا، جھوٹ سے پرہیز کیا، کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑجاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانیوالے ہلاک ہوئے، جن کے بارے میں قرآن میں یہ نازل ہوا:

سیحلفون باللہِ لکم اذاانقلبتم الیھم سے لے کر فان اللہَ لا یرضیٰ عن القوم الفسقین تک بعض حضرات نے بتایا کہ ان تینوں حضرات سے مقاطعہ کا پچاس دن تک جاری رہنا شاید اس حکمت پر مبنی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ تبوک میں پچاس دن ہی صرف ہوئے تھے۔ (یہ ساری روایت اور تفصیلی واقعہ تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے)

مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس واقعہ سے صحابہ کرام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ انتہائی محبت معلوم ہوئی کہ اس ناراضی اور مقاطعہ سلام وکلام کے زمانہ میں بھی غایت محبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری بھی نہیں چھوڑی اور کنکھیوں سے دیکھ کر آپ کی توجہ اور تعلق کا حال معلوم کرنے کی فکر رہی۔

کعب بن مالکؓ کے گہرے دوست قتادہؓ کا معاملہ، کہ انکے سلام کا جواب نہ دیا اور کوئی کلام نہ کیا، یہ ظاہر ہے کہ یہ کسی دشمنی یا مخالفت یا بغض سے نہیں بلکہ حکم رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی وجہ سے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا قانون صرف لوگوں کے ظاہر پر نافذ نہ ہوتا تھا بلکہ دلوں پر بھی اس کی حکومت ہوتی تھی اور حاضر و غائب کسی حال میں اسکے خلاف نہ کرتے تھے اگرچہ اس میں کسی بڑے سے بڑے عزیز کے خلاف ہی ہو۔

حضرت کعبؓ کے پاس بادشاہ غسان کا خط آنے اور اس کو تنور میں ڈالنے کے واقعہ سے صحابۂ کرام کے ایمان کی انتہائی پختگی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے مقاطعہ سے سخت پریشان ہونیکے عالم میں بھی ایک بڑے بادشاہ کے لالچ دلانے سے انکے دل میں کوئی میلان پیدا نہیں ہوا۔

قبول توبہ نازل ہونے کے بعد صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور عام صحابۂ کرامؓ کا کعب بن مالکؓ کو بشارت دینے کے لئے دوڑنا اور اس سے پہلے سب کا سلام و کلام تک سے سخت پرہیز کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقاطعہ کے زمانے میں بھی ان سب کے دلوں میں حضرت کعب سے محبت اور تعلق تھا۔ مگر حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب کو چھوڑا ہوا تھا، جب آیت توبہ نازل ہوئی تو ان کے گہرے تعلق کا اندازہ ہوا۔

(معارف القرآن سے ماخوذ و ملخص)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، تو حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے، جو مدینہ جانے کے لئے بیتاب تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ جانے کی ٹھان لی۔ لیکن کفار قریش کو ان کے ارادے کی بھنک پڑ گئی اور ان کی نگرانی کا سخت انتظام کر دیا۔ قریش چاہتے تھے کہ وہ تجارت میں کمائی ہوئی دولت اپنے ساتھ لے کر ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کفار سے بچ کر نکل گئے، تو حضرت صہیبؓ موقع کی تلاش میں رہے۔

نگرانی بہت سخت تھی، مگر آپؓ نے دشمنوں کو یہ عندیہ دیا کہ نقص معدہ میں مبتلا

ہیں۔ وہ بار بار رفع حاجت کے لئے باہر جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ نگران یہ سمجھے کہ ان کو دستوں کی شکایت ہے۔ یہ بھاگ نہیں جائیں گے۔ وہ یہ سمجھ کر غافل ہو کو سو رہے۔ یہ موقع غنیمت جان کر آپؓ چپکے سے کھسک گئے اور مدینہ کی راہ لی۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان کی نگرانی کرنے والوں کو پتا چل گیا۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھے اور اپنے تیز رفتار گھوڑوں پر سرپٹ بھاگے۔

جب حضرت صہیب رومیؓ کو محسوس ہوا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے، تو وہ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر زمین پر پھیلا دیئے اور کمان کی تانت چڑھاتے ہوئے بولے: ''قریش کے لوگو! خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ میں بے مثل نشانہ باز ہوں۔ واللہ تم لوگ اس وقت تک میرے قریب نہیں آ سکتے، جب تک میں ہر تیر سے تم میں سے ایک آدمی کو قتل نہ کر لوں۔ پھر میں تلوار سے تمہارا آخری دم تک مقابلہ کروں گا۔'' یہ سن کر ان میں سے ایک نے کہا ''خدا کی قسم ہم تم کو اپنی جان اور مال دونوں چیزیں بچا کر نہیں لے جانے دیں گے۔'' آپؓ نے فرمایا ''اگر میں اپنا مال تمہارے لئے چھوڑ دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟'' انہوں نے کہا ''ہاں! تب حضرت صہیبؓ نے ان کو اپنے گھر میں اس جگہ کی نشاندہی فرما دی، جہاں انہوں نے مال رکھا تھا اور انہوں نے انہیں مدینہ منورہ جانے دیا۔

اس کے بعد حضرت صہیبؓ تیز رفتاری سے مدینہ منورہ کی سمت چل پڑے۔ راہ کی تھکن سے بے پرواہ شاہ دو عالم نور مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رواں دواں رہے اور جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھ لیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''ابو یحیٰ! یہ بیع تمہارے لئے بہت نفع بخش رہی۔'' (یعنی مال کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور خوشنودی)۔ آنحضورؐ نے اس فقرے کو تین بار دہرایا، جس سے حضرت صہیب رومیؓ کا دل باغ باغ ہو گیا اور عرض کی ''مجھ سے پہلے یا رسول اللہؐ آپ کی خدمت میں کسی کی رسائی نہیں ہوئی، جو آپ کو اس بات کی خبر دیتا (جو میرے اور کفار کے درمیان ہوئی)۔ خدا کی قسم! آپ کو یہ بات سوائے جبرائیلؑ کے کسی نے نہیں بتائی۔'' یقیناً ایسا ہی تھا۔ خداوند کریم نے آنحضورؐ کو اس معاملے سے مطلع فرما

دیا تھا۔ (حوالہ "قصص القرآن")

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر کیا بیتی؟

حضرت معبد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بنو قریظہ (کے یہودیوں) کا پچیس دن تک محاصرہ فرمایا یہاں تک کہ اس محاصرے سے وہ سخت پریشان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے بنو قریظہ پر تین باتیں پیش کیں یا تو ایمان لے آؤ یا اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے اپنی موت کی تلاش میں قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں سے میدانِ جنگ میں لڑو یا ہفتہ کی رات میں مسلمانوں پر شبخون مارو بنو قریظہ نے (سردار کی تینوں باتوں سے انکار کرتے ہوئے) کہا ہم ایمان بھی نہیں لا سکتے اور (چونکہ ہفتہ کی رات میں دشمن پر حملہ کرنا ہماری شریعت میں حرام ہے اس لئے) ہم ہفتہ کی رات میں لڑائی حلال قرار نہیں دے سکتے اور اپنے بچوں اور عورتوں کو خود قتل کر دینے کے بعد ہماری کیا زندگی ہوگی؟ یہ یہودی (زمانۂ جاہلیت میں) حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے اس لئے انہوں نے ان کے پاس آدمی بھیج کر ان سے حضور ﷺ کے فیصلے پر اترنے کے بارے میں مشورہ مانگا۔ انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ حضور تمہارے ذبح کئے جانے کا فیصلہ کریں گے (اس وقت تو وہ حضور کی بات بتا گئے لیکن) بعد میں ان کو ندامت ہوئی جس پر وہ حضور کی مسجد نبوی میں گئے اپنے آپ کو مسجد (کے ستون) سے باندھ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان توبہ قبول فرمائی۔[1]

ایک روایت میں یہ ہے کہ بنو قریظہ نے کہا اے ابولبابہ! آپ کی کیا رائے ہے؟ ہم کیا کریں؟ کیونکہ (حضورؐ سے) جنگ کرنے کی تو ہم میں طاقت نہیں ہے تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا اور حلق پر انگلیاں پھیر کر انہیں بتا دیا کہ مسلمان انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں (اس وقت تو وہ حضور کا راز بتا گئے لیکن) جب حضرت ابو لبابہ وہاں سے واپس ہوئے تو انہیں ندامت ہوئی اور وہ سمجھ گئے کہ وہ بڑی آزمائش میں آ گئے اس لئے انہوں نے کہا میں اس وقت تک حضورؐ کے چہرہ انور کی زیارت نہیں کروں گا

---

[1] اخرجہ ابن اسحاق عن ابیہ کذا فی فتح الباری (ج ۷ ص ۲۹۱)

جب تک میں اللہ کے سامنے ایسی سچی توبہ نہ کرلوں کہ اللہ تعالیٰ بھی فرمادیں کہ واقعی یہ دل سے توبہ کررہا ہے اور مدینہ واپس جا کر اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ لوگ بتلاتے ہیں کہ وہ تقریباً بیس دن بندھے رہے۔ جب حضرت ابولبابہ حضور کو کچھ عرصہ نظر نہ آئے تو حضورؐ نے فرمایا کیا ابولبابہ ابھی تک اپنے حلیفوں (کے مشورے) سے فارغ نہیں ہوئے؟ اس پر لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے سزا کے طور پر خود کو مسجد کے ستون سے باندھ رکھا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ تو میرے بعد آزمائش میں آگئے اگر یہ (غلطی سرزد ہوجانے کے بعد) میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے (اللہ سے) استغفار کرتا لیکن جب وہ خود کو سزا کے طور پر ستون سے باندھ چکے ہیں تو اب میں بھی انہیں نہیں کھول سکتا، اللہ ہی ان کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ [1]

حضرت ثابت بن قیس ﷺ کا خوف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو چند دن نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت فرمایا (کہ وہ کہاں ہیں؟) تو ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! میں ابھی اس کا پتہ کرکے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ صحابی حضرت ثابت کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا بڑا برا حال ہے۔ کیونکہ مجھے اونچی آواز سے بولنے کی عادت ہے اور میری آواز حضور کی آواز سے اونچی ہوجاتی تھی (اور اب اس بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوچکی ہیں جن کے مطابق) میرے پہلے تمام اعمال برباد ہوچکے ہیں اور میں دوزخ والوں میں سے ہوگیا ہوں۔ ان صحابی نے حاضر خدمت ہوکر حضور کو بتایا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ بن انس راوی کہتے ہیں حضورؐ نے ان صحابی سے فرمایا جا کر حضرت ثابت سے کہہ دو کہ تم جہنم والوں میں سے نہیں ہو بلکہ جنت والوں میں سے ہو چنانچہ انہوں نے جاکر حضرت ثابت کو یہ زبردست بشارت سنائی (اخرجہ البخاری)

حضرت بنت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں میں نے اپنے والد

---

[1] ذکرہ فی البدایۃ (ج ۴ ص ۱۱۹) عن موسیٰ بن عقبۃ وفی سیاقۃ قال ابن کثیر وہکذا رواہ ابن لہیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ وکذا ذکرہ محمد بن اسحاق فی مغازیہ۔

(حضرت ثابت) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰہ لا یحب کل مختال فخور۔ (لقمان:۱۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے"

تو اس آیت کے مضمون کی وجہ سے وہ سخت پریشان ہو گئے اور دروازہ بند کر کے رونے لگے۔ جب حضور کو اس کا پتہ چلا تو حضورؐ نے ان کے پاس آدمی بھیج کر اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو اللہ پسند نہیں فرماتے (اور یہ خوبیاں مجھ میں ہیں کیونکہ) مجھے خوبصورتی اور جمال پسند ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی قوم کا سردار بنوں۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو (جن کو اللہ پسند نہیں کرتے) بلکہ تمہاری زندگی بھی اچھی ہو گی اور تمہیں موت بھی اچھی حالت پر آئے گی اور تمہیں اللہ جنت میں داخل کرے گا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر یہ آیت نازل فرمائی:

یآ ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النّبی ولا تجھروا لہٗ بالقول۔ (الحجرات:۲)

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔"

تو پھر یہ پہلے کی طرح بہت پریشان ہوئے اور دروازہ بند کر کے رونے لگ گئے جب حضور ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو حضورؐ نے ان کے پاس آدمی بھیج کر اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کی آواز اونچی ہے اور انہیں اس آیت کی وجہ سے ڈر ہے کہ کہیں ان کے اعمال برباد نہ ہو گئے ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ تمہاری زندگی قابل تعریف ہو گی اور تمہیں شہادت کا مرتبہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔[1]

---

[1] عند الطبرانی عن عطاء الخراسانی قال الہیثمی (ج ۹ ص ۳۲۲) و بنت ثابت بن قیس لم اعرفہا و بقیۃ رجالہ رجال الصحیح والظاہر ان بنت ثابت بن قیس صحابیۃ فانہا قالت سمعت ابی الحجی واخرجہ الحاکم (ج ۳ ص ۲۳۵) عن عطاء عن ابنۃ ثابت بن قیس نحوہ مختصرا۔

حضرت محمد بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں ہلاک نہ ہو گیا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے کہا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے روکا ہے کہ جو کام ہم نے نہیں کئے ان پر تعریف کئے جانے کو ہم پسند کریں اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنی تعریف کو بہت پسند کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں تکبر اور عجب سے منع فرمایا ہے اور میرا حال یہ ہے کہ مجھے خوبصورتی بہت پسند ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنے سے روکا ہے اور میری آواز بہت اونچی ہے (جو آپ کی آواز سے اونچی ہو جاتی ہے) حضورؐ نے فرمایا اے ثابت! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ قابل تعریف زندگی گزارو اور تمہیں شہادت کا مرتبہ ملے اور اللہ تمہیں جنت میں داخل کرے؟ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! حضرت محمد بن ثابت کہتے ہیں حضورؐ کا فرمان پورا ہوا اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے واقعی قابل تعریف زندگی گزاری اور مسیلمہ کذاب سے جنگ میں شہادت کا مرتبہ پایا۔ [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عشق کی چند اور جھلکیاں

ایک دن آنحضرت ﷺ نے وضو کیا، پانی بچ گیا تو تمام صحابہ نے اس کو لے کر جسم پر مل لیا ایک بار آپ سر منڈوا رہے تھے، صحابہ کرام نے آپ کو گھیر لیا، حجام سر مونڈتا جاتا تھا اور صحابہؓ اوپر ہی اوپر سے بالوں کو اچک لینا چاہتے تھے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو محذورہؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا، اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے آگے کے بال کٹوائے، نہ مانگ نکالی بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار کے قائم رکھا۔

ایک بار آپ حضرت سعدؓ کے گھر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا! انہوں نے آہستہ سے جواب دیا ان کے صاحبزادے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اذن نہیں دیتے؟ بولے چپ چاپ رہو مقصد یہ ہے کہ آپ ہم پر بار بار سلام کریں، آپ نے دوبارہ

---

[1] قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ بہذہ السیاقۃ ووافقہ الذہبی۔

سلام کیا، پھر اسی قسم کا جواب ملا تیسری بار سلام کر کے آپ واپس چلے تو حضرت سعدؓ پیچھے پیچھے دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ ''میں آپ کا سلام سنتا تھا لیکن جواب اس لئے آہستہ سے دیتا تھا کہ آپ ہم پر متعدد بار سلام کریں۔ (کتاب الادب باب کم دہ یسلم الرجل فی الاستیذان)

صحابہ کرام کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی اکثر یادگاریں محفوظ تھیں جن کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے، حضرت علی بن حسینؒ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے زمانے میں یزید کے دربار سے پلٹ کر مدینہ میں آئے تو حضرت مسور بن مخرمہؓ ملے اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار مجھے دے دو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اس کو چھین لیں، خدا کی قسم اگر تم نے مجھے یہ تلوار دی تو جب تک جسم میں جان باقی ہے کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کا ایک جبہ محفوظ تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا، چنانچہ جب ان کے خاندان میں کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو شفاء حاصل کرنے کے لئے دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔ [2]

غزوہ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں، تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔ [3]

گھر میں بچے پیدا ہوتے تو ادب سے ان کا نام محمد نہ رکھتے، ایک دفعہ ایک صحابی کے گھر میں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے محمد نام رکھا، لیکن ان کی قوم نے کہا ہم نہ یہ نام رکھنے دیں گے نہ اس کنیت سے تم کو پکاریں گے، تم اس کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لو وہ بچے کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا، تو ارشاد ہوا، کہ میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ اختیار کرو۔ [4]

ایک بار آپ کسی نزاع چکانے کے لئے قبیلۂ بنو عمرو بن عوف میں گئے، نماز کا

---

[1] ابوداود کتاب النکاح باب ما یکرہ ان تجمع بینہن من النساء [2] مسند ابن حنبل (ج ۶ ص ۳۴۸)
[3] مسند احمد ابن حنبل (ج ۶ ص ۳۷۰) [4] مسلم کتاب الآداب باب النہی عن التکنی بابی القاسم و بیان ما یستحب من السماء۔

وقت، آ گیا تو مؤذن حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آیا کہ نماز پڑھا دیجئے، وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ آ کر شریک جماعت ہو گئے، لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کیں، حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تاہم جب لوگوں نے مسلسل تالیاں بجائیں تو مڑ کر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو، انہوں نے پہلے تو خدا کا شکر کیا کہ آپ نے ان کی امامت کو پسند فرمایا، پھر پیچھے ہٹ آئے اور آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ، جب میں نے حکم دیا تو تم کیوں اپنی جگہ سے ہٹ آئے؟ بولے کہ ابن قحافہؓ کا یہ منہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے۔[1]

کسی چیز میں آپ کے مقابلہ کی جرأت نہ کرتے، ایک بار چند صحابہ جو قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے تھے، باہم تیراندازی میں مقابلہ کر رہے تھے، آپ نے فرمایا، اے بنو اسماعیل تیر پھینکو، کیونکہ تمہارا باپ تیرانداز تھا اور میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں، دوسرے گروہ کے لوگ فوراً رک گئے، آپ نے پوچھا کہ تیر کیوں نہیں پھینکتے؟ بولے، اب کیونکر مقابلہ کریں جب کہ آپ ان کے ساتھ ہیں، فرمایا، تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔[2]

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لئے رک گئے کہ اگر وہ اپنے فریق پر غالب آ گئے درانحالیکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہیں، تو آپ بھی مغلوب ہو جائیں گے اس لئے انہوں نے ادب سے مقابلہ ہی کرنا چھوڑ دیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد کافروں اور مسلمانوں میں اختلاط ہو گیا حضرت سلمہؓ آئے، اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے، چار مشرک بھی اس جگہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا، ان کو گوارا نہ ہو سکا، اٹھ گئے، دوسری جگہ چلے گئے اور چاروں مشرک بھی ہتھیار کو لٹکا کر سو رہے، اسی حالت میں شور ہوا کہ ابن زنیم قتل کر دیا گیا، حضرت سلمہؓ نے موقع پا کر تلوار میان سے کھینچ لی، اور چاروں پر حالت خواب میں حملہ کر کے ان کے تمام ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا، اور کہا کہ، اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو عزت دی، تم میں سے جو شخص سر اٹھائے گا، اس کا دماغ پاش پاش کر دیا جائے گا۔[3]

---

[1] کتاب الصلوٰۃ باب التصفیق فی الصلوٰۃ [2] ایضاً کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی [3] مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا۔

ایک شخص کا نام محمد تھا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی ان کو گالیاں دے رہا ہے، بلا کر کہا، دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالی دی جا رہی ہیں، اب تا دم مرگ تم اس نام سے پکارے نہیں جا سکتے، چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا، پھر بنو طلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیے جائیں، اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا، لیکن انہوں نے کہا، خود رسول اللہ ﷺ نے میرا نام محمد رکھا ہے، بولے، اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا۔ [1]

چھوٹے چھوٹے بچے بھی، اگر آپ کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی کرتے تو صحابہ کرامؓ ان کو ڈانٹ دیتے، حضرت ام خالدؓ اپنے باپ کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں، اور بچپن کی وجہ سے خاتم النبوۃ سے کھیلنے لگیں ان کے والد نے ڈانٹا لیکن آپ نے فرمایا کھیلنے دو۔ [2]

جو چیزیں شان نبوت کے خلاف ہوتیں، صحابہ کرام آپ کے سامنے ان کے ذکر تک کو سوء ادبی سمجھتے، آپ نے جب عمرہ قضا ادا فرمایا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ کے آگے آگے اشعار پڑھتے چلے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حدود حرم کے اندر شعر پڑھتے ہو، لیکن آپ نے خود اس کو مستحسن خیال فرمایا۔ [3]

یہ تعظیم یہ ادب عزت آپ کی زندگی ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام آپ کا اسی طرح ادب کرتے تھے، آپ کے وصال کے بعد قبر کے متعلق اختلاف ہوا کہ لحد کھودی جائے یا صندوق، اس پر لوگوں نے شور وغل کرنا شروع کیا، حضرت عمر نے فرمایا آپ کے سامنے موت وحیات دونوں حالتوں میں شور وشغب نہ کرو۔ [4]

ہجرت کے بعد آپ اور بھی خطرات میں مبتلا ہو گئے تھے، کفار کے علاوہ اب منافقین اور یہود نئے دشمن پیدا ہو گئے تھے، جن کا رات دن ڈر لگا رہتا تھا اس لئے آپ کو اکثر پاسبانی کی ضرورت ہوتی تھی، اور صحابہ کرامؓ آپ کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو ان تمام خطرات میں ڈال دیتے تھے، چنانچہ ابتدائے ہجرت میں آپ ایک شب بیدار ہوئے تو

---

[1] مسند ابن حنبل (ج ۴ ص ۲۱۶) [2] بخاری کتاب الجہاد باب من تکلم بالفارسیۃ الرطانۃ [3] نسائی کتاب المناسک انشاد الشعر فی الحرم والمشی بین ایدی الامام ترمذی میں ہے کہ اشعار حضرت کعب بن مالک نے پڑھے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔ [4] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الشق۔

فرمایا دکاش آج کی رات کوئی صالح بندہ میری حفاظت کرتا تھوڑی دیر کے بعد ہتھیار کی جھنجناہٹ کی آواز آئی، آپ نے آواز سن کر فرمایا، کون؟ جواب ملا، میں سعد بن ابی وقاصؓ فرمایا کیوں آئے، بولے، میرے دل میں آپ کی نسبت خوف پیدا ہوا اس لئے حفاظت کے لئے حاضر ہوا۔[1]

غزوات میں یہ خطرات اور بھی بڑھ جاتے تھے، اس لئے صحابہ کرام کی جان نثاری میں اور بھی ترقی ہو جاتی تھی۔

غزوہ ذات الرقاع میں ایک صحابی نے ایک مشرک کی بی بی کو گرفتار کیا، اس نے انتقام لینے کے لئے قسم کھائی کہ "جب تک اصحاب محمدؐ میں کسی صحابی کے خون سے زمین کو رنگین نہ کرلوں گا، چین نہ لوں گا، اس لئے جب آپ واپس ہوئے تو اس نے تعاقب کیا، آپ منزل پر فروکش ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کون میری حراست کی ذمہ داری اپنے سر لے گا؟ مہاجرین وانصار دونوں میں سے ایک ایک بہادر اس شرف کے حاصل کرنے کے لئے اُٹھے، آپ نے حکم دیا کہ گھاٹی کے دہانے پر جا کر متمکن ہو جائیں، کہ وہی کفار کا کمین گاہ ہو سکتا تھا دونوں بزرگ وہاں پہنچے تو مہاجر بزرگ سو گئے اور انصاری نے نماز پڑھنا شروع کر دی مشرک آیا اور فوراً تاڑ گیا کہ یہ محافظ اور نگہبان ہیں، تین تیر مارے اور تینوں کے تینوں ان کے جسم میں ترازو[2] ہو گئے، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔

آپؐ غزوہ حنین کے لئے نکلے تو ایک صحابی نے شام کے وقت خبر دی کہ میں نے آگے جا کر پہاڑ کے اوپر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن کے زن و مرد چار پایوں اور مویشیوں کو لے کر اُمنڈ آئے ہیں، آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "آج میری پاسبانی کون کرے گا، حضرت انسؓ بن ابی مرثد غنوی نے کہا میں یا رسول اللہ ارشاد ہوا کہ سوار ہو جاؤ،" وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، تو فرمایا کہ، اس گھاٹی کے اوپر چڑھ جاؤ، آپ نماز فجر کے لئے اُٹھے تو صحابہ سے فرمایا کہ "تمہیں اپنے شہ سوار کی بھی خبر ہے"؟ صحابہ نے عرض کیا، ہمیں تو کچھ خبر نہیں، جماعت قائم ہوئی تو آپ نماز پڑھاتے جاتے تھے اور مڑ مڑ کے گھاٹی کی طرف دیکھتے جاتے تھے نماز ادا کر چکے تو فرمایا، لو مبارک تمہارا شہ سوار آ گیا، صحابہؓ نے

---

[1] ترمذی کتاب الفضائل مناقب سعد بن ابی وقاص۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من الدم،

گھاٹی کے درختوں کے درمیان سے دیکھا تو وہ آ پہنچے اور خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام کیا، اور کہا کہ میں گھاٹی کے بلند ترین حصے پر جہاں آپ نے مامور فرمایا تھا چڑھ گیا، صبح کو دونوں گھاٹیاں بھی دیکھیں تو ایک متنفس بھی نظر نہ آیا، آپ نے فرمایا، کبھی نیچے بھی اترے تھے،؟ بولے، صرف نماز اور قضائے حاجت کے لئے ارشاد ہوا، تم کو جنت مل چکی، اس کے بعد اگر کوئی عمل نہ کرو، تو کوئی حرج نہیں [1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ جب آپ کہیں جاتے تو وہ پہلے آپ کو جوتیاں پہناتے، پھر آگے آگے عصا لے کر چلتے، آپ مجلس میں بیٹھنا چاہتے تو آپ کے پاؤں سے جوتیاں نکالتے، پھر آپ کو عصا دیتے، آپ اٹھتے تو پھر اسی طرح جوتیاں پہناتے، آگے آگے عصا لے کر چلتے اور حجرہ مبارک تک پہنچا جاتے آپ نہاتے تو پردہ کرتے، آپ سوتے تو بیدار کرتے آپ سفر میں جاتے تو آپ کا بچھونا، مسواک، جوتا، اور وضو کا پانی ان کے ساتھ ہوتا، اس لئے وہ صاحب سواد رسول اللہ ﷺ یعنی آپ کے میر سامان کہے جاتے تھے۔[2]

حضرت ربیعہ اسلمیؓ بھی شب و روز آپ کی خدمت میں مصروف رہتے، جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر شانہ نبوت میں تشریف لے جاتے، تو وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے کہ مبادہ آپ کو کوئی ضرورت پیش آجائے، ایک بار انہوں نے آپ کو تاہل اختیار کرنے کا مشورہ دیا بولے، یہ تعلق آپ کی خدمت گزاری میں خلل انداز ہوگا، جس کو میں پسند نہیں کرتا لیکن آپ کے بار بار کے اصرار سے شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔[3]

وصال کے بعد آپ آتے تو صحابہ بے اختیار رو پڑتے، ایک دن حضرت عبداسد ابن عباسؓ نے فرمایا، جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا، اس کے بعد اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں، حضرت سعید بن جبیرؓ نے پوچھا، جمعرات کا دن کیا؟ بولے، اسی دن آپ کے مرض الموت میں اشتداد ہوا تھا۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ عزوجل [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ [3] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸، ۵۹

[4] مسلم کتاب الوصیۃ باب برکت الوصیۃ لمن لیس لہ شئی یوصی فیہ

شوق زیارتِ رسول ﷺ

صحابہ کرامؓ کے دل رسول اللہ ﷺ کے شوق زیارت سے لبریز تھے، اس لئے جب زیارت کا وقت قریب آتا تو یہ جذبہ اور بھی ابھر جاتا اور اس کا اظہار مقدس نغمہ سنجیوں کی صورت میں ہوتا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو سب کے سب ہم آہنگ ہو کر زبان شوق سے یہ رجز پڑھنے لگے۔

غدًا نلقی الاحبہ　　محمدًا وحزبہٗ

ہم کل اپنے دوستوں یعنی محمدؐ اور ان کے گروہ سے ملیں گے۔[1]

مصافحہ کی رسم سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے ایجاد کی جو اظہار شوق ومحبت کا ایک لطیف ذریعہ ہے۔

دربار نبوت کی غیر حاضری صحابہؓ کے نزدیک بڑا جرم تھا ایک دن حذیفہؓ کی والدہ نے پوچھا کہ، تم نے کب سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی؟ بولے اتنے دنوں سے، اس پر انہوں نے ان کو برا بھلا کہا، تو بولے، کہ مجھے آپ کی خدمت میں جانے دو، تا کہ آپؐ کے ساتھ مغرب پڑھوں اور اپنے اور تمہارے لئے استغفار کی درخواست کروں۔[2]

آپ کے وصال کے بعد یہی شوق تھا جو صحابہ کرامؓ کو آپ کے مزار کی طرف کھینچ لاتا تھا، ایک بار حضرت ابوایوب انصاریؓ آئے اور مزار پاک پر اپنے رخسار رکھ دیئے، مروان نے دیکھا تو کہا، کچھ خبر ہے یہ کیا کرتے ہو؟ بولے میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔[3]

بعض صحابہ کو آنکھیں صرف اس لئے عزیز تھیں کہ ان کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوتا تھا، لیکن جب خدا نے ان کو اس شرف سے محروم کر دیا، تو وہ آنکھوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۲۳۔ [2] ترمذی کتاب المناقب فضائل الحسنؓ والحسینؓ،
[3] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۴۲۲۔

ایک صحابی کی آنکھیں جاتی رہیں، لوگ عیادت کو آئے تو انہوں نے کہا "ان سے مقصود تو صرف رسول اللہ ﷺ کا دیدار تھا، لیکن جب آپ کا وصال ہو گیا، تو اگر میرے عوض تبادلہ کی ہرنیاں اندھی ہو جائیں اور میری بینائی لوٹ آئے تب بھی مجھے پسند نہیں۔ [1]

رسول ﷺ کی وفات پر اظہارِ رنج وغم

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کو جو محبت تھی، اس کا اثر آپ کی زندگی میں جن طریقوں سے ظاہر ہوتا تھا، اس کا حال اوپر گذر چکا، لیکن آپ کی وفات کے بعد اس محبت کا اظہار صرف گریہ وبکاء، آہ وفریاد اور نالہ وشیون کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا، اور صحابہ کرامؓ نے آپ کے ماتم میں یہ دردانگیز صدائیں اس زور سے بلند کیں کہ مدینہ بلکہ کل عرب کے در ودیوار ہل گئے، آپ پر موت کے آثار بتدریج طاری ہوئے جمعرات کے دن مرض میں اشتداد پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب یہ دن یاد آتا تھا تو کہتے تھے کہ جمعرات کا دن، جمعرات کا کون سا دن؟ وہ جس میں آپ کے مرض میں ترقی ہوئی، نزع کا وقت قریب آیا تو غشی طاری ہوئی، حضرت فاطمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو بے اختیار چیخ اٹھیں واکرب اباہ، ہائے میرے باپ کی تکلیفیں۔ آپ کا وصال ہوا تو یہ الفاظ کہہ کر آپ پر روئیں: ویا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنة الفردوس ماواہ، یا ابتاہ الیٰ جبرائیل ننعاہ، لوگ آپ کو دفن کر کے آئے؟ انہوں نے حضرت انسؓ سے نہایت دردانگیز لہجے میں پوچھا، کیوں انسؓ! کیا رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالنا تم کو گوارا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مجھے کسی کا مرض الموت نہیں کھلتا۔

ایک شخص صحابہ کے قلق واضطراب کا یہ عالم دیکھ کر مدینہ سے عمان آیا، تو لوگوں کو آپؐ کے وصال کی خبر دی اور کہا کہ میں مدینہ کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ ان کے سینے دیگچی کی طرح ابال کھا رہے ہیں [2] حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے وصال کے وقت میں بچہ تھا، لوگ اپنے سروں اور کپڑوں پر خاک ڈال رہے

---

[1] ادب المفرد باب العیادة من الرمد [2] اصابہ تذکرہ خمیصہ۔

تھے اور میں ان کے گریہ و بکا کو دیکھ کر روتا تھا۔ [1]

مدینہ کے باہر جب یہ وحشتناک خبر پہنچی تو قبیلۂ باہلہ کے لوگوں نے اس ماتم میں اپنے خیمے گرادیئے اور متصل سات دن تک ان کو کھڑا نہیں کیا۔ [2]

آتشِ نمرود میں عشق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ تو مشہور ہے کہ نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال کر جلانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا ہی نمونہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کے ایک بزرگ حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ظاہر فرمایا، جس وقت یمن کے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی نے انہیں بُلا کر اپنی نبوت کا اقرار لینا چاہا، لیکن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اسود عنسی نے آگ کی ایک زبردست چِتا دہکائی اور حضرت ابو مسلم خولانی کو اس میں ڈال دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے حق میں بے ضرر بنادیا، اور یہ اس سے صحیح سالم نکل آئے۔ لوگوں نے اسود عنسی کو مشورہ دیا کہ اب آپ ان کو مزید نہ چھیڑیں، البتہ اگر یہ آپ کے ملک میں رہے تو لوگوں میں آپ کے خلاف فساد مچائیں گے اس لئے یہاں سے جلاوطن کر دیں چنانچہ اسود عنسی نے حضرت ابو مسلم خولانیؒ کو جلاوطن کر دیا۔

یمن سے جلاوطن ہو کر انہوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا، جب یہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی، اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بن گئے تھے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر انہوں نے اپنی اونٹنی کو باندھا اور ایک ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھا تو پوچھا: "کہاں سے آئے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "یمن سے!"

اس واقعہ کی شہرت مدینہ تک پہنچ چکی تھی کہ اسود عنسی نے ایک مسلمان کو آگ میں ڈالا تھا، مگر وہ اللہ کی رحمت سے محفوظ رہا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا:

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰؓ [2] اصابہ تذکرہ جہم بن کلدہ باہلی۔

''ہمارے اس دوست کا کیا قصہ تھا جسے اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے آگ میں ڈالا تھا مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا؟''

''وہ واقعہ عبداللہ بن ثوب کے ساتھ پیش آیا تھا'' ابو مسلم خولانی'' نے جواب دیا۔ عبداللہ بن ثوب'' ابو مسلم خولانی'' ہی کا نام تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''قسم کھا کر بتاؤ، وہ شخص تم ہی تو نہیں ہو؟''

''ہاں میں ہی ہوں'' ابو مسلم نے فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ابو مسلم خولانی'' کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انہیں حضرت ابو بکرؓ کے پاس لے گئے اور فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھنے سے پہلے موت نہیں دی جس کے ساتھ بالکل ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ ہوا''۔

یہ ابو مسلم خولانی'' حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہے۔ حضرت معاویہؓ ان کا بڑا احترام فرماتے تھے، یہ حضرت معاویہؓ کو نرم وگرم نصیحتیں کرتے رہتے تھے اور وہ ان کی باتیں بڑی قدر کے ساتھ سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں سرکاری ملازمین کو دو یا تین مہینے تک تنخواہیں نہیں ملیں، اسی دوران حضرت معاویہؓ ایک دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابو مسلمؒ نے بیچ ہی میں کہا:

''اے معاویہؓ یہ مال نہ تمہارا ہے نہ تمہارے باپ کا، نہ تمہاری ماں کا۔''

حضرت معاویہؓ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا، اندر تشریف لیجا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا: ''لوگو! ابو مسلم نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا، ابو مسلم نے سچ کہا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا ہوا اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کر لو، اللہ تعالیٰ برکت دے۔ (حلیۃ الاولیا لابی نعیم ص ۱۲۷ تا ۱۳۰ ج ۲)

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ دشمن کی قید میں

حضرت عمرؓ نے اہل روم کی طرف ایک لشکر روانہ کیا جس کے امیر حضرت عبداللہ

بن حذافہؓ تھے، دشمن نے انہیں اوران کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا، جب یہ مقدس قیدی بادشاہ روم کے پاس لیجائے گئے تو اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو پیش کش کی کہ اگر تم عیسائی بن جاؤ تو میں تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کرلوں گا۔ بے چارہ سمجھتا تھا کہ مال و دولت اور اقتدار کا لالچ اس صحرا نشیں کو ڈگمگا دے گا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ سامنے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جاں نثار ہے جس کے فقر وفاقہ پر ایک نہیں، ہزاروں سلطنتیں قربان ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے اس پیش کش کو صاف ٹھکرا دیا۔

اس کا صلہ حضرت عبداللہ کو وہی ملنا تھا جو دنیا راہِ حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو دیا کرتی ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں سولی پر چڑھا کو تیر مارے جائیں یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ سپاہیوں نے انہیں سولی پر چڑھا دیا کمانوں کے چلے انکا جسم چھلنی کرنے کے لئے تیار تھے۔

موت سامنے رقص کررہی تھی، لیکن بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس بندۂ خدامست کے چہرے پر گھبراہٹ، پریشانی یا خوف وہراس کا دور دور پتہ نہیں۔ موت سے آنکھیں ملا کر ایسے مسکرانے والے اس بادشاہ نے کب اور کہاں دیکھے تھے؟ لیکن اس نے سوچا کہ انہیں قتل کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے یہ نڈر انسان بھی گھبرا اٹھے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ انہیں سولی سے اتار کر لایا جائے اور ایک دیگ میں پانی ڈال کر اسے جوش دیا جائے۔

جب دیگ کھولنے لگی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مقدس ساتھیوں میں سے ایک قیدی کو لا کر ان کے سامنے دیگ میں ڈال دیا گیا، حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ اس دیگ میں گرتے ہی ان کی ہڈیوں سے گوشت اتر گیا۔ اور ہڈیاں چمکنے لگیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تم نے عیسائی مذہب اختیار نہ کیا تو یہی انجام تمھارا بھی ہونا ہے لیکن یہ ہولناک منظر بھی حضرت عبداللہؓ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کرسکا، ان کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ اس کھولتی ہوئی دیگ میں گر کر جھلس جانا مجھے گوارا ہے، مگر اسلام کو چھوڑنا گوارا نہیں۔

چنانچہ سپاہی انہیں بھی دیگ میں ڈالنے کے لئے لے چلے، مگر یہاں ایک عجیب

منظر نظر آیا۔ وہی عبداللہ بن حذافہؓ جو تختۂ دار پر بھی مسکراتے نظر آئے تھے، اب دیگ کے قریب پہنچ کر ان کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے، بادشاہ سمجھا کہ یہ میری فتح ہے، اس نے فوراً انہیں واپس بلایا اور ان سے رونے کا سبب پوچھا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے جواب دیا:

"رونے کی وجہ یہ ہے کہ کاش! میری سو جانیں ہوتیں، اور ہر جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں یہی معاملہ کیا جاتا۔"

بادشاہ یہ سن کر حیران رہ گیا، ایک انتہائی اذیت ناک موت کے منہ میں جانے والے کسی شخص سے اسے ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ بالآخر اس نے شاید یہ سوچا ہو کہ ایسے شخص کی سزا اسے مارنا نہیں، زندہ رکھنا ہے، اس لئے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

اچھا! تم میرے سر کو بوسہ دے دو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا!"

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: "اگر اس کے عوض صرف مجھے نہیں، بلکہ میرے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دو تو مجھے منظور ہے۔"

بادشاہ نے کہا: "ٹھیک ہے، میں تمہارے تمام ساتھیوں کو رہا کر دوں گا۔"

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ آگے بڑھے اسکے سر کو بوسہ دیا اور تمام ساتھیوں کو صحیح سلامت واپس لے آئے۔

جب یہ مقدس قافلہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ نے پورا واقعہ سنا تو اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے سر کو بوسہ دیا کہ انہوں نے کیسے جوشِ ایمانی اور کیسے فراست و حکمت سے اپنے لشکر کی قیادت فرمائی۔ اور کس معجزانہ طور پر انہیں واپس لے آئے۔

(الاصابہ للحافظ ابن حجرؒ ص ۲۸۸، ج ۲، بحوالہ بیہقی وابن عساکر)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

ایک خوش نصیب صحابی جنہوں نے شہادت کے بعد وصیت کی اور حضرت ابوبکرؓ نے اسے نافذ فرمایا

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں اپنے زمانہ کے مشہور خطیب تھے۔ آنحضرت ﷺ کے لئے کتاب وحی کے فرائض بھی انجام دیئے جامع ترمذیؒ میں صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

نعم الرجل ثابت بن قیس بن شماس.

''ثابت بن قیس بن شماسؓ اچھے آدمی ہیں۔''

حضرت عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو مجھے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو حضرت ثابت کے حالات سنا سکے۔ لوگوں نے مجھے ان کی صاحبزادی کا پتہ بتایا، میں نے جا کر ان سے حضرت ثابتؓ کے حالات معلوم کئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے یہ واقعہ سنا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی:۔

ان اللہ لایحب کل مختالٍ فخورٍ

بلاشبہ اللہ کسی آدمی کو پسند نہیں کرتا جو اترانے والا اور بہت فخر کرنے والا ہو۔ تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی وہ گھر میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے۔ اور ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی آپ نے انہیں بلا کر ان سے وجہ دریافت کی۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے حُسن و جمال سے بھی محبت ہے۔ اور میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ (اس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں مذکورہ آیت کے حکم میں شامل نہ ہو جاؤں) آنحضرت ﷺ نے یہ سنکر فرمایا:

انک لست منھم، بل تعیش بخیرٍ وتموت بخیرٍ و یدخلک

اللہ الجنۃ.

"بلاشبہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو، بلکہ تم زندہ بھی خیر کے ساتھ رہو گے تمہارا انتقال بھی خیر کے ساتھ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا"۔

بعینہ یہی واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوآ اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہٗ بالقول. (الحجرات: ۲)

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز کے سامنے بلند نہ کیا کرو، اور ان سے بلند آواز کے ساتھ گفتگو نہ کیا کرو"۔

اس موقع پر بھی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی، آنحضرت ﷺ نے بُلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میری آواز بلند ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کی آواز سے بلند آواز کے سبب میرے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

انک لست منھم، بل تعیش حمیدا وتقتل شھیدًا ویدخلک اللہ الجنۃ.

"بلاشبہ تم ان میں سے نہیں ہو بلکہ تم قابل تعریف انداز میں زندہ رہو گے، تمہیں موت کے وقت شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائیگا"۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ اُٹھا، اور مسلمانوں کا ایک لشکر یمامہ کے مقام پر ان سے جنگ کے لئے روانہ ہوا تو حضرت ثابت بن قیس بھی اس میں شامل تھے۔ جنگ کی ابتداء میں دشمن کے حملے اس قدر شدید تھے کہ مسلمانوں کو تین مرتبہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے جب جنگ کا یہ نقشہ دیکھا تو کہا کہ "ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تو اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔"

یہ کہنے کے بعد ان دونوں نے زمین میں دو گڑھے کھودے اور ان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے، تاکہ وہاں سے پیچھے ہٹنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ جب تک دم میں دم

باقی رہا یہ دونوں حضرات انہیں گڑھوں میں ڈٹے لڑتے رہے یہاں تک کہ انہیں گڑھوں میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

حضرت ثابتؓ کی صاحبزادی نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ حضرت ثابتؓ کی شہادت کے بعد ایک شخص نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہے ہیں کہ جب کل مجھے قتل کردیا گیا تو ایک شخص میری نعش کے قریب سے گزرا، میرے سینہ پر ایک نفیس زرہ تھی وہ اس نے اتارلی ہے۔ اس شخص کا مکان لشکر کے بالکل آخری سرے پر فلاں جگہ واقع ہے اور اس کے سامنے ایک لمبا تڑنگا گھوڑا بندھا ہوا ہے اس شخص میری زرہ پر ایک ہانڈی اوندھی کردی ہے اور اس ہانڈی پر اونٹ کا کجاوہ ڈال دیا ہے۔ تم خالد بن ولیدؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں پھر جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ (یعنی حضرت ابوبکرؓ) کے پاس پہنچو تو ان سے کہہ دینا کہ "میرے ذمہ اتنا اتنا قرض ہے اور میں نے اتنا اتنا مال اپنے پیچھے چھوڑا ہے، اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں۔"
حضرت ثابتؓ نے خواب ہی میں اس شخص سے بھی فرمایا کہ "تم میری ان باتوں کو خواب کی بات سمجھ کر نہ ٹال دینا، بلکہ ان پر عمل کرنا۔"

وہ شخص حضرت خالدؓ کے پاس پہنچا اور انہیں خواب سنایا، حضرت خالدؓ نے آدمی بھیج کر زرہ کے واقعہ کی تحقیق فرمائی تو زرہ اسی پتے کے مطابق مل گئی۔ اس کے بعد وہ شخص حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور انہیں بھی یہ پورا قصہ سنایا تو آپ نے ان کی وصیت پر عمل کا اہتمام فرمایا۔ حضرت ثابتؓ کے علاوہ کوئی شخص ہمیں ایسا معلوم نہیں جس نے موت کے بعد وصیت کی ہو اور پھر اس طرح عمل کیا گیا ہو۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے اور بھی متعدد شواہد موجود ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۲۵ ج ۶)

حضرت معن بن عدیؓ کی نرالی آرزو

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو تمام صحابہؓ پر صدمے کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اور سب پر گریہ طاری تھا۔ اس حالت میں اکثر صحابہؓ یہ کہتے سنے گئے کہ "کاش!

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مر گئے ہوتے، کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے بعد فتنوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

لیکن ایک صحابی، حضرت معن بن عدیؓ یہ فرما رہے تھے۔

الکنی واللہ مآاحب ان اموت قبلہ لاصلقہ میتا کماصلقتہ حیتا.

لیکن خدا کی قسم، مجھے یہ خواہش نہیں تھی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انتقال کر جاؤں، مگر میں یہ چاہتا تھا کہ جس طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی تصدیق کی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کروں۔

چنانچہ حضرت معن بن عدیؓ جنگ یمامہ تک بقید حیات رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خطابؓ سے ان کی مؤاخات قائم کرادی تھی، چنانچہ ان دونوں دینی بھائیوں نے یمامہ کے مقام پر ایک ساتھ جام شہادت نوش کیا۔

(البدایہ والنہایہ ص ج ٦)

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی چادر

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جو فتح مکہ کے وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور کفر کی حالت میں ان سے اہل اسلام کو بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، فتح مکہ کے بعد اسلام تو ان کے دل میں گھر کر گیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے شرماتے تھے۔ پھر لوگوں نے انہیں تسلی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا ارادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں وہ مشہور قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے کہ

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُوْلُ
مُتَیَّمٌ اَثْرَهَا، لَمْ یُفْدَ مَکْبُوْلُ

یہ قصیدہ انہوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر خود آپ کو سنایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کی تمام پچھلی خطائیں معاف کیں بلکہ اپنی ایک

چادر مبارک بھی انہیں انعام کے طور پر عطا فرمائی۔ اسی لئے اس قصیدہ کو "قصیدۃ البردۃ" (چادر والا قصیدہ) کہتے ہیں۔ (علامہ بوصیریؒ کا ایک اور قصیدہ بھی قصیدہ بُردہ کے نام سے مشہور ہے، اس کی وجہ دوسری ہے)۔

بہرکیف یہ چادر جو حضرت کعب بن زہیرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور انعام ملی تھی، آخر دم تک حضرت کعبؓ کے پاس محفوظ رہی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حضرت کعبؓ سے یہ چادر خریدنی چاہی اور دس ہزار درہم کی پیش کش کی، لیکن کعبؓ نے فرمایا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کپڑے کے مقابلہ میں کسی قیمت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ پھر جب حضرت کعبؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت معاویہؓ نے ان کے وارثوں سے چالیس ہزار درہم میں خرید لی، حضرت معاویہؓ کے بعد یہ چادر بنوامیہ کے خلفاء میں بطور میراث منتقل ہوتی رہی۔ بنوعباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے اسے بنوامیہ سے تین سو دینار میں خریدا اور پھر بنوعباس کے خلفاء میں محفوظ رہی۔

اس وقت تک کوئی چیز کھاؤں گا نہ پیوں گا......

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسیع مخفی رکھتا تھا حضورِ اقدس ﷺ کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت نہ پہنچے، اسلام چھپانے کی تلقین ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس تک پہنچی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا تبلیغ کی جائے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اول انکار فرمایا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصرار پر قبول فرمالیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجد حرام یعنی کعبہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دعوتی خطبہ شروع کیا۔ یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا اور حضورِ اقدس ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی دن اسلام لائے اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف بااسلام ہوئے ہیں۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار ومشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی باوجود یہ کہ مکہ مکرمہ میں ان کی عام طور سے عظمت وشرافت مسلم تھی، اسی قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک

خون سے بھر گیا۔ ناک کان سب لہولہان ہو گئے تھے۔ پہچانے نہ جاتے تھے۔ جوتوں سے لاتوں سے مارا۔ پاؤں میں روندا اور جو نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے۔ بنوتیم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی وہ وہاں سے اٹھا کر لائے۔ کسی کو بھی اس میں تردد نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وحشیانہ حملہ سے زندہ بچ سکیں گے۔ بنوتیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس حادثہ سے وفات ہوگئی تو ہم لوگ ان کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے۔ عتبہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی کا اظہار کیا تھا۔ شام تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی طاری رہی۔ باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے اس پر بہت ملامت کی کہ ان ہی کے ساتھ کی بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضور ﷺ ہی کا جذبہ اور ان ہی کی فکر۔

لوگ پاس سے اٹھ کر چلے گئے بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپ کی والدہ ام خیر رضی اللہ عنہا سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا انتظام کردیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے۔ حضور ﷺ پر کیا گزری۔ ان کی والدہ نے بتایا کہ مجھے تو کچھ خبر نہیں کہ کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا ام جمیل رضی اللہ عنہا (حضرت عمرؓ کی بہن) کے پاس جا کر دریافت کرلو کہ کیا حال ہے۔ وہ بے چاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بیتابانہ درخواست کو پورا کرنے کے واسطے ام جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور محمد ﷺ کا حال دریافت کیا وہ بھی عام دستور کے موافق اس وقت تک اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔ فرمانے لگیں میں کیا جانوں کون محمد (ﷺ) اور کون ابوبکر۔ تیرے بیٹے کی حالت سن کر رنج ہوا اگر تو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں۔ ام خیر نے قبول کر لیا۔ ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر تحمل نہ کرسکیں۔ بے تحاشا رونا شروع کردیا کہ بدکرداروں نے کیا حال کردیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کئے کی سزا دے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ ام جمیل رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سے خوف نہ کرو ام جمیل رضی اللہ عنہا نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح سالم ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک حضور ﷺ کی زیارت نہ کرلوں۔ ان کی والدہ کو تو بے قراری تھی کہ وہ کچھ کھالیں اور انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کرلوں کچھ نہ کھاؤں گا۔ اس لئے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمدورفت بند ہو جائے، مبادا کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہنچائے۔ جب رات کا بہت سا حصہ گزر گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے لپٹ گئے۔ حضور اقدس ﷺ بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکر کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں، آپ ﷺ ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمادیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اول دعا فرمائی۔ اس کے بعد ان کو سلام کی ترغیب دی۔ وہ بھی اسی وقت مسلمان ہوگئیں۔ عیش و عشرت نشاط و فرحت کے وقت محبت کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں۔ محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

(حکایاتِ صحابہ ﷺ)

حضور ﷺ کے وصال پر کیا گزری؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی اس ضرب المثل قوت، شجاعت، دلیری اور بہادری کے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی شہرۂ آفاق ہے اور باوجود یہ کہ اسلام کا ظہور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے ہی سے ہوا کہ اسلام لانے کے بعد اپنے اسلام کا اخفا گوارا نہ ہوا۔ حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ یہ ہے کہ اپنی اس بہادری

کے باوجود حضور اقدس ﷺ کے وصال کی حالت کا تحمل نہ فرما سکے۔ سخت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور اقدس ﷺ تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام طور پر تشریف لے گئے تھے عنقریب حضور ﷺ واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو حضور ﷺ کے انتقال کی جھوٹی خبر اڑا رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل گم سم تھے کہ دوسرے دن تک بالکل آواز نہیں نکلی چلتے پھرتے تھے مگر بولا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے کہ حرکت بھی بدن کو نہ ہوتی تھی۔

صرف ایک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دم تھا کہ ایسے پہاڑ جیسے وقت کو برداشت کیا اور اپنی اس محبت کے باوجود جو پہلے قصہ میں گزری اسوقت نہایت سکون سے تشریف لا کر اول حضور اقدس ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد خطبہ پڑھا جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو وہ جان لے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو چکا لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اس کے بعد کلام پاک کی آیت "ومامحمد الارسول قدخلت من قبله الرسل" اخیر تک تلاوت فرمائی۔ (ترجمہ: "محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت وغیرہ نہ آسکے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید بھی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر جائیگا تو خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھووے گا) اور خدا تعالیٰ شانہٗ جلد ہی جزا دے گا حق شناس لوگوں کو۔"

چونکہ اللہ جل شانہٗ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خلافت کا اہم کام لینا تھا اس لئے ان کی شایان شان اس وقت یہی حالت تھی اسی وجہ سے اس وقت جس قدر استقلال اور تحمل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھا کسی میں بھی نہ تھا اور اس کے ساتھ ہی جس قدر مسائل دفن و میراث وغیرہ کے اس وقت کے مناسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھے مجموعی طور پر کسی کو بھی معلوم نہ تھے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے دفن میں

اختلاف ہوا کہ مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے یا مدینہ منورہ میں یا بیت المقدس میں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ نبی کی قبر اسی جگہ ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہو۔ لہٰذا جس جگہ وفات ہوئی ہے اسی جگہ قبر کھودی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ ہم لوگوں (یعنی انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا متولی بنے اور وہ لاپرواہی سے کوتاہی کرتے ہوئے کسی دوسرے کو امیر بنائے اس پر لعنت ہے۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد کہ قریش اس امر یعنی سلطنت کے متولی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب آپ اسے برا سمجھتے ہیں تو......

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ریشمی قبا زیب تن فرمایا جو آپ کے لئے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپ نے اسے پہنا پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ (کیا بات تھی کہ) آپ نے اس قبا کو اتارنے میں بہت ہی جلدی کی آپ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے اس کے پہننے سے مجھے منع فرما دیا تھا (جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی) تو روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ایک چیز کو آپ نے خود تو برا سمجھا پھر اسے مجھے کیوں دیدیا۔ بھلا جب آپ اسے برا سمجھتے ہیں تو میں اسے کیوں نہ سمجھوں۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو اس لئے تو نہیں دیا تھا کہ تم اسے پہن لو، میں نے تو اس لئے دیا تھا کہ بیچ دینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ (مسلم)

سرزمینِ حدیبیہ میں عشقِ رسول ﷺ کی داستانیں

حدیبیہ کی مشہور لڑائی ذیقعدہ ۶ ھ میں ہوئی جب کہ حضور اقدس ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے۔ کفار مکہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ آنے سے روکا

جائے اس کے لئے بہت بڑے پیانہ پر تیاری کی اور مکہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی اور بڑے مجمع کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کی۔ ذوالحلیفہ سے حضور اقدس ﷺ نے ایک صاحب کو حالات کی خبر لانے کے کئے بھیجا جو مکہ سے حالات کی تحقیق کر کے عسفان پر حضور ﷺ سے ملے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مکہ والوں نے مقابلہ کی بہت بڑے پیانہ پر تیاری کر رکھی ہے اور باہر سے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلا رکھا ہے۔

حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مدد کو گئے ہیں۔ ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے۔ جب وہ خبر سنیں گے تو مکہ سے واپس آ جائیں گے دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے چلے چلیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں۔ لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں اس لئے آگے بڑھے چلیں اگر وہ ہمیں روکیں گے تو مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمایا اور آگے بڑھے۔ حدیبیہ میں پہنچ کر بدیل بن ورقا خزاعی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آئے اور حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ کفار آپ ﷺ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے وہ تو لڑائی پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اور قریش کو روزمرہ کی لڑائی نے بہت نقصان پہنچا رکھا ہے بالکل ہلاک کر دیا ہے۔ اگر وہ راضی ہوں تو میں ان سے مصالحت کرنے کو تیار ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان اس پر معاہدہ ہو جائے کہ مجھ سے تعرض نہ کریں۔ میں ان سے تعرض نہ کروں۔ مجھے اوروں سے نمٹنے دیں اور اگر وہ کسی چیز پر راضی نہ ہوں تو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں اس وقت تک ان سے لڑوں گا جب تک کہ اسلام غالب ہو جائے یا میری گردن جدا ہو جائے۔ بدیل نے عرض کیا کہ اچھا میں آپ کا پیام ان تک پہنچائے دیتا ہوں وہ لوٹے اور جا کر پیام پہنچایا مگر کفار راضی نہ ہوئے۔

اسی طرح طرفین سے آمد و رفت کا سلسلہ رہا جن میں ایک مرتبہ عروہ بن مسعود ثقفی کفار کی جانب سے آئے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان

ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بدیل سے کی تھی۔ عروہ نے عرض کیا اے محمد (ﷺ) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کردو تو یہ ممکن نہیں۔ تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب ہو گئے تو یاد رکھو کہ میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا۔ یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پاس کھڑے ہوئے تھے یہ جملہ سن کر غصہ میں بھر گئے اور سخت گالی دی۔ کیا ہم حضور ﷺ سے بھاگ جائیں گے اور آپ ﷺ کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔

عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا تمہارا ایک قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ حضور ﷺ سے بات میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر ڈاڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات کب گوارا تھی۔ عروہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سر پر خود اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے انہوں نے تلوار کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے رکھو۔ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مغیرہ۔ عروہ نے کہا او غدار تیری غداری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں اور تیرا یہ برتاؤ (حضرت مغیرہ ﷺ بن شعبہ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض عروہ طویل گفتگو حضور ﷺ سے کرتے رہے اور نظریں بچا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی کرتے جاتے تھے۔

چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور اُن کے آداب بھی دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پر پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے۔ جو بات محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلتی ہے اس

کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ان کے وضو کا پانی آپس میں لڑلڑ کر تقسیم کرتے ہیں۔ زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے۔ ان کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے۔ ان کے سامنے زور سے نہیں بولتے۔ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے۔ اگر ان کے سر پر ڈاڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرکاً لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں۔ غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔

اسی دوران میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سرداران مکہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکہ میں بہت عزت تھی اور ان کے متعلق تکلیف پہنچنے کا زیادہ اندیشہ نہ تھا، اس لئے ان کو تجویز فرمایا۔ وہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رشک ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا کہ جہاں دل چاہے چلو پھرو، تم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور ﷺ کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو تو طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دے دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں۔

قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ ان کو شہید کر دیا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخیر دم تک لڑنے پر بیعت لی۔ جب کفار کو اس کی خبر پہنچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فوراً چھوڑ دیا۔ اس قصہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا مارنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام برتاؤ جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طواف سے انکار۔ ہر واقعہ ایسا ہے کہ

حضور ﷺ کے ساتھ بے انتہا عشق ومحبت کی خبر دیتا ہے، یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے بیعۃ الشجرہ کہلاتی ہے، قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت "لقدرضی اللہ عن المؤمنین" الآیۃ میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

اپنے دو دانت گر گئے اور......

احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور یا سر مبارک میں خود (جنگی ٹوپی) کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ٹوٹ گیا اس کی پرواہ نہ کی۔ دوسرا حلقہ کھینچا۔ جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا۔ ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔

میں آپ ﷺ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کر سکتا ہوں......

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے بنوقیس نے قافلہ کو لوٹا جس میں زید رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کو مکہ کے بازار میں لا کر بیچا۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیلئے ان کو خرید لیا۔ جب حضور ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پیش کر دیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے والد کو ان کے فراق کا بہت صدمہ تھا اور ہونا ہی چاہئے تھا کہ اولاد کی محبت فطری چیز ہے وہ زید رضی اللہ عنہ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ اکثر جو اشعار پڑھتے تھے ان کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں زید رضی اللہ عنہ کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے تا کہ اس کی امید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔ خدا کی قسم مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے

اے زید نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا۔کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اسی کی یاد مجھے ستاتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا۔ میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اکتاؤں گا۔ اونٹ چلنے سے اکتا جائیں تو اکتا جائیں۔ لیکن میں کبھی بھی نہیں اکتاؤں گا۔ اپنی ساری زندگی اسی میں گزار دوں گا۔ ہاں میری موت ہی آ گئی تو خیر کی موت ہر چیز کو فنا کر دینے والی ہے۔ آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگائیں مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل اولاد کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زید کو ڈھونڈتے رہیں۔ غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے۔

اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور انہوں نے زید کو پہچانا۔ باپ کا حال سنایا۔ شعر سنائے ان کی یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ تین اشعار کہہ کر بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں مکہ میں ہوں، خیریت سے ہوں، تم غم اور صدمہ نہ کرو۔ میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں۔ ان لوگوں نے جا کر زید کی خیر و خبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زید رضی اللہ عنہ نے کہہ کر بھیجے تھے اور پتہ بتایا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کی غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچے، تحقیق کی پتہ چلایا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اور عرض کیا اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو۔ تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا دیتے ہو۔ ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس پہنچے ہیں۔ ہم پر احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو۔

حضور ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے عرض کیا زید رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ہم لوگ آئے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بس اتنی سی بات ہے۔ عرض کیا حضور بس یہی غرض

ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو بلالو اور اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر نہیں کرسکتا جو خود نہ جانا چاہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے استحقاق سے بھی زیادہ احسان فرمایا۔ یہ بات خوشی سے منظور ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلائے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کو پہچانتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں پہچانتا ہوں یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ میں آپ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کرسکتا ہوں آپ میرے لئے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو۔ زید نے کہا ہاں میں نے ان میں (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کرکے) ایسی بات دیکھی ہے جسکے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کرسکتا۔ حضور ﷺ نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنالیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے بچپن کی حالت میں سارے گھر کو، عزیز و اقارب کو غلامی پر قربان کردینا جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے۔

جو آپ ﷺ لے لیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان شروع میں حضور ﷺ سے ذرا دور تھا ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا تمہارا مکان تو قریب ہی ہو جاتا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حارثہ رضی اللہ عنہ کا مکان آپ ﷺ کے قریب ہے ان سے فرمادیں کہ میرے مکان سے بدل لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی تبادلہ ہو چکا ہے۔ اب تو شرم آتی ہے۔ حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان اپنے قریب

چاہتے ہیں یہ میرے مکانات موجود ہیں، ان سے زیادہ قریب کوئی مکان بھی نہیں۔ جو پسند ہو بدلی لیں۔ یارسول اللہ ﷺ میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے یارسول اللہ ﷺ خدا کی قسم جو مال آپ لے لیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس مال سے جو میرے پاس رہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سچ کہتے ہو۔اور برکت کی دعا دی اور مکان بدل لیا۔

آپ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟

احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے اس وحشتناک خبر سے اثر صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ گئے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ چلے جا رہے تھے کہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی کہ سب حضرات پریشان حال تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان سے نظر آرہے ہیں۔ ان حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر حضور ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مر جاؤ۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہوئے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جس ذات کے دیدار کے لئے جینا تھا جب وہی نہیں رہی تو پھر گویا جی کر ہی کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اسی پر اپنی جان نثار کر دی۔

آخری دم تک آپ ﷺ کی فکر رہی

اسی احد کی لڑائی میں حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گذری۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو تلاش کیلئے بھیجا وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور ﷺ نے بھیجا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر لاؤں تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی یہ اس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

حضور ﷺ کو میرا اسلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اس کے امتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضور ﷺ تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جاں بحق ہو گئے۔

تیروں سے بچاؤ کیلئے ڈھال بن گئے......

معرکۂ احد میں ایک وقت ایسا تھا جب رسول اللہ ﷺ کی زندگی خطرے میں تھی حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے جو اسلام کے ایک بہادر سپاہی تھے، بلا تامل اپنی پشت سامنے کر دی کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ڈھال ثابت ہو۔ تیران کے گوشت کے پار اتر گئے لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔

(زادالمعاد ۲/۱۳)

سب سے بڑی آرزو......

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رات گزارتا تھا اور تہجد کے وقت وضو کا پانی اور دوسری ضروریات مثلاً مسواک مصلی وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت اور ساتھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور کچھ کہ بس یہی چیز مطلوب ہے، آپ ﷺ فرمایا اچھا میری مدد کرنا سجدوں کی کثرت سے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم

اورتمہارارب جاکرلڑلوہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ہم بنی اسرائیل کے خلاف یہ کہیں گے کہ آپ اورآپ کاپروردگار جہادوقتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے"۔

یہ ابن اسحٰق کی روایت کے الفاظ ہیں۔اور بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك وخلفك.

"ہم آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے"۔

راوی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس وقت دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور فرط مسرت سے چمک اٹھا۔(بخاری شریف ص ۵۶۴ غزوہ بدر)

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے مقداد کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قافلہ ابی سفیان کی خبر دی اور فرمایا کہ اگر تم اس کی طرف خروج کروتو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو غنیمت عطافرمائے۔ہم نے عرض کیا بہتر ہے اور روانہ ہوگئے،جب ایک دودن کا راستہ طے کر چکے تب آپ نے ہم کو مکہ سے قریش کے روانہ ہونے کی خبر دی اور جہادوقتال کے لئے تیار ہوجانے کا ارشادفرمایا۔بعض لوگوں نے کچھ تامل کیا(کیونکہ گھر سے ارادہ سے نہ چلے تھے)حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور اظہار جان نثاری فرمایا کاش ہم سب ایسا ہی کہتے جیسا مقداد نے۔(رواہ ابن حاتم)یعنی کاش ابتداء ہم سب ایسا ہی کہتے اس لئے کہ بعد میں پھر سب نے یہی کہا دلوں میں سب کے وہی تھا جو حضرت مقداد فرمارہے تھے چنانچہ مسند احمد میں باسناد حسن مروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے سب اصحاب نے متفقہ طور پر یہ کہا۔یارسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے۔ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔

باوجود اس شافی اور کافی جواب کے آپ نے تیسری بار پھر یہی ارشادفرمایا۔

اشيروا علے ايها الناس...... "اے لوگو مجھ کو مشورہ دو"۔

سردارانصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نبی اکرم افصح العرب والعجم ﷺ کے اس بلیغ

اشارہ اور دقیق نکتہ کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا، یارسول اللہ! شاید روئے سخن انصار کی طرف ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں!

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جان نثارانہ تقریر

اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

(ترجمہ): ''یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے اور اطاعت اور جان نثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ آپ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرما دی جو منشاء مبارک ہو اس پر چلئے اور جس سے تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلق قطع کریں اور جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطا فرمائیں اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور اگر آپ ہم کو برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں تو اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے البتہ تحقیق ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور مقابلہ کے سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی پس اللہ کے نام پر ہم کو لے چلئے''۔ (سیرۃ الرسول ﷺ)

حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کی داستان

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ اس قسم کے یہود جو شرارتیں کرتے ہیں اور حضور ﷺ کے خلاف بدگوئی کا مشغلہ اپنا رکھا ہے،

انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کر ڈالو چنانچہ حویصہ بن مسعود کے چھوٹے بھائی محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابن سینہ یہودی کو قتل کر ڈالا۔

حویصہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور محیصہ پہلے سے مسلمان تھے حویصہ چونکہ عمر میں بڑے تھے محیصہ کو پکڑ کر مارنا شروع کیا اور یہ کہا کہ اے اللہ کے دشمن تو نے اس کو قتل کر ڈالا خدا کی قسم اس کے مال سے کتنی چربی تیرے پیٹ میں ہے، محیصہ نے کہا:

واللّٰہ لقد امرني بقتله مَنْ لو امرني بقتلک لضربت عنقک.

''خدا کی قسم مجھ کو اس کے قتل کا ایسی ذات نے حکم دیا ہے کہ اگر وہ ذات بابرکات تیرے قتل کا بھی حکم دیتی تو واللہ میں تیری بھی گردن اڑا دیتا''۔

حویصہ نے کہا:

اللّٰہ لو امرک محمد بقتلي لقتلتني؟

''کیا خدا کی قسم اگر محمد تجھ کو میرے قتل کا حکم دے تو واقعی تم مجھ کو قتل کر ڈالے گا؟''۔

محیصہ نے کہا:

نعم واللّٰہ لو امرني بضرب عنقک لضربتها

ہاں خدا کی قسم اگر تیری گردن مارنے کا حکم دیتے تو ضرور تیری گردن مارتا۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بعد ذرہ برابر تیرے بھائی ہونے کا خیال نہ کرتا

حویصہ یہ سن کر حیران رہ گئے اور بے ساختہ بول اٹھے کہ خدا کی قسم یہی دین ہے جو دلوں میں اس درجہ راسخ اور مستحکم اور رگ و پے میں اس طرح جاری و ساری ہے۔ اس کے بعد حویصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ)

غزوۂ اُحد میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی بہادری

ابودجانہ رضی اللہ عنہ، جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار عطا فرمائی تھی۔ نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ اول انہوں نے اپنا ایک سرخ عمامہ نکالا اور سر پر باندھا اور اکڑ تے ہوئے میدان میں نکلے اور یہ اشعار زبان پر تھے:

انا الذی عاهدنی خلیلی

ونحن بالسفح لدی النخیل

میں وہی ہوں جس سے میرے اس دوست نے عہد لیا ہے (کہ جس کی محبت میرے خلال قلب یعنی اندرون قلب میں سرایت کر چکی ہے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے در آنحالیکہ ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب تھے۔

ان لا اقوم الدھر فی الکیول

اضرب بسیف اللّٰہ والرسول

وہ عہد یہ ہے کہ کبھی پیچھے کی صف میں نہ کھڑا ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول کی تلوار سے خدا کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابو دجانہؓ کو اکڑتے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا یہ چال اللہ کو سخت ناپسند ہے مگر ایسے وقت میں۔ (یعنی جبکہ محض اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہو اپنے نفس کے لئے نہ ہو)

ابو دجانہ ؓ صفوں کو چیرتے چلے جاتے جو سامنے آتا اسی کی لاش زمین پر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بالکل سامنے آگئی ابو دجانہؓ نے اس پر تلوار اٹھائی مگر فوراً ہی ہاتھ روک لیا۔ کہ یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ خاص کر رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو ایک عورت پر چلایا جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو دجانہؓ ہندہ کے قریب پہنچے تو اس نے لوگوں کو آواز دی مگر کوئی شخص اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ ابو دجانہ فرماتے ہیں۔ مجھ کو اس وقت یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو ایک بے پناہ اور بے سہارا عورت پر آزماؤں۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج:۴،ص:۱۶)

حضرت حمزہ ؓ کی شجاعت اور شہادت کا ذکر

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شیرانہ حملہ سے کفار سخت پریشان تھے، جس پر تلوار اٹھاتے اسی کی لاش زمین پر نظر آتی۔

وحشی بن حرب جو جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا۔ جنگ بدر میں جبیر کا چچا طعیمۃ بن

عدی حضرت حمزہ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ جبیر کو اس کا بہت صدمہ تھا۔ جبیر نے وحشی سے یہ کہا کہ اگر میرے چچا کے بدلہ میں حمزہ کو قتل کردے تو تو آزاد ہے۔ جب قریش جنگ احد کے لئے روانہ ہوئے تو وحشی بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔

جب احد پر فریقین کی صفیں قتال کے لئے مرتب ہوگئیں اور لڑائی شروع ہوئی تو سباع بن عبدالعزیٰ ھل من مبارزِ ''ہے کوئی میرا مقابل'' پکارتا ہوا میدان میں آیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے: اے سباع، اے عورتوں کی ختنہ کرنے والی عورت کے بچے! تو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایک وار کیا، ایک ہی وار میں اس کو فنا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وحشی حضرت حمزہ کی تاک میں ایک پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پیچھے سے ناف پر نیزہ مارا جو پار ہوگیا۔

حضرت حمزہ چند قدم چلے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کی جانثاری اور شہادت کا ذکر

ابو عامر فاسق کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔

ابوسفیان اور حضرت حنظلہ کا مقابلہ ہوگیا۔ حضرت حنظلہ نے دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا چاہا لیکن پیچھے سے شداد بن اسود نے ایک وار کیا جس سے حضرت حنظلہ شہید ہوئے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا، میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حنظلہ کو ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔

ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا، معلوم ہوا کہ حالت جنابت ہی میں تھے کہ حضور کے منادی نے جہاد کے لئے پکارا تھا، چنانچہ حضور ﷺ کے حکم کے بعد انہوں نے غسل میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور جہاد کے لئے روانہ ہوگئے تھے اسی حالت میں شہید ہوئے۔ (رواہ ابن اسحاق والحاکم وصحہٗ ورواہ ابن سعد وغیرہ خصائص کبریٰ، ص ۲۱۶، ج ۱)

جس روز حضرت حنظلہ شہید ہونے والے تھے اسی شب ان کی بیوی نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا اور حنظلہ اس میں داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد وہ دروازہ بند کرلیا گیا۔ بیوی اس خواب سے سمجھ چکی تھیں کہ حنظلہ اب اس عالم سے رخصت ہونے والے ہیں۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا تھا۔

اسی وجہ سے حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حنظلہ رضی اللہ عنہ کے باپ ابو عامر فاسق چونکہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں لڑ رہے تھے، اس لئے حضرت حنظلہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے باپ کے قتل کی اجازت چاہی مگر آپ نے منع فرمایا۔ (رواہ ابن شاہین واسنادہ حسن) (اصابہ ترجمہ حنظلہ بن ابی عامر)

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی جانثاری

مسلمانوں کے ان دلیرانہ اور جان بازانہ حملوں سے قریش کے میدان جنگ سے پیر اکھڑ گئے اور ادھر اُدھر منہ چھپا کر اور پشت دکھا کر بھاگنے لگے اور عورتیں بھی پریشان اور بدحواس ہوکر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ تیراندازوں کی اس جماعت نے (جوکہ درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائی گئی تھی) جب یہ دیکھا کہ فتح ہوگئی اور مسلمان مالِ غنیمت میں مشغول ہیں، یہ بھی اسی طرح بڑھے۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی تھی کہ تم اس جگہ سے نہ ملنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور مرکز چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے والی جماعت میں جا ملے۔

مرکز پر صرف عبداللہ بن جبیر اور دس آدمی رہ گئے حکم نبوی کے خلاف کرنا تھا کہ یکایک فتح شکست سے بدل گئی خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے میمنہ پر تھے۔ درہ کو خالی دیکھ کر پشت پر سے حملہ کردیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ مع اپنے ہمراہیوں کے شہید ہوئے۔ (سیرت المصطفٰیؐ)

قریش کا حضور پُر نور پر ناگہانی ہجوم اور صحابۂ کرام کی جان نثاری

صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ جب قریش کا آپ پر ہجوم ہوا تو یہ

ارشاد فرمایا کون ہے کہ جوان کو مجھ سے ہٹائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔ انصار کے سات آدمی اس وقت آپ کے پاس تھے۔ ساتوں انصاری باری باری لڑ کر شہید ہو گئے۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۷، ج ۲، غزوہ احد ورواہ احمد کما فی البدایۃ والنہایۃ ص ۲۶، ج ۴)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔

من رجل لیشری لنا نفسہٗ ......

''کون مرد ہے کہ جو ہمارے لئے اپنی جان فروخت کرے؟''

یہ سنتے ہی زیاد بن سکن اور پانچ انصار کھڑے ہو گئے اور یکے بعد دیگرے ہر ایک نے جانِ نثاری اور جانبازی کے جوہر دکھلائے یہاں تک شہید ہوئے اور اپنی جان کو فروخت کر کے جنت مول لے لی۔

غزوۂ اُحد میں زیاد بن سکن کی شہادت اور عجیب سعادت

زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب زخم کھا کر گرے تو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا ان کو میرے قریب لاؤ۔

لوگوں نے ان کو آپ کے قریب کر دیا۔ انہوں نے آپ اپنا رخسار آپؐ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان اللہ کے حوالے کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

(ابن ہشام ص ۸۴۹، ج ۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی خواہش

سعد بن ابی وقاص ؓ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر رسول اللہ ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید اور نیچے کا لب زخمی ہوا۔ سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں جس قدر اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا حریص اور خواہش مند رہا، اتنا کسی کے قتل کا کبھی حریص اور خواہشمند نہیں ہوا۔ (سیرت المصطفیٰ ﷺ)

عبداللہ بن قمیہ کا آنحضرت ﷺ پر حملہ

عبداللہ بن قمیہ نے جو قریش کا مشہور پہلوان تھا آپ پر اس زور سے حملہ کیا کہ

رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کی دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے اور عبداللہ بن شہاب زہری نے پتھر مار کر پیشانی مبارک کو زخمی کیا۔ چہرۂ انور پر جب خون بہنے لگا تو سعید خدریؓ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے تمام خون چوس کر چہرہ انور کو صاف کر دیا۔ آپ نے فرمایا تمسک النار تجھ کو جہنم کی آگ ہرگز نہ لگے گی۔

معجم طبرانی ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ ابن قمیہ نے آپ کو زخمی کرنے کے بعد یہ کہا
''خذها و انا ابن قمية''...... (لو اس کو اور میں ابن قمیہ ہوں۔)

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اقماک الله''...... اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل اور خوار ہلاک اور برباد کرے۔ چند روز نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کیا جس نے اپنے سینگوں سے ابن قمیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (ایضاً)

حضرت علی، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت طلحہ ﷺ کے عشق کی جھلکیاں

جسم مبارک پر چونکہ دو آہنی زرہوں کا بھی بوجھ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے جس کو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کے لئے بنایا تھا۔ حضرت علی ﷺ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہؓ نے کمر تھام کر سہارا دیا، تب آپ کھڑے ہوئے، اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص زمین پر چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہؓ کو دیکھ لے۔

عائشہ صدیقہ بنت صدیق ﷺ اپنے باپ ابوبکر صدیق ﷺ سے راوی ہیں کہ چہرۂ انور میں زرہ کی جو کڑیاں چبھ گئی تھیں۔ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جس میں ابوعبیدہؓ کے دو دانت شہید ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ واخک سنہ یوم القیامۃ آمین) سند اس روایت کی صحیح ہے۔

حضرت طلحہ ﷺ نے جنت اپنے اوپر واجب کرلی

رسول اللہ ﷺ نے جب پہاڑ چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو

زرہوں کے ثقل کی وجہ سے مجبور ہوئے اس وقت حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے آپ ان پر اپنے پیر رکھ کر اوپر چڑھے اور زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے سنا۔ "اوجب طلحة" ...... "طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کرلی" (رواہ ابن اسحاق)

قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو احد کے دن بچایا تھا، وہ بالکل شل تھا۔ (رواہ البخاری)

حاکم نے اکلیل میں روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت طلحہ کے پینتیس یا انتالیس زخم آئے۔ ابوداؤد طیالسی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد ذکر کرتے تو یہ فرماتے:

کان ذلک الیوم کله لطلحة... "یہ دن تو سارا طلحہ کے لئے رہا"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی انگلیاں کٹ گئیں تو بے اختیار زبان سے یہ نکلا "حس"...... آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"اگر تم بجائے حس کے بسم اللہ کہتا تو فرشتے تجھ کو اٹھا کر لے جاتے اور لوگ تجھ کو دیکھتے ہوئے ہوتے یہاں تک تجھ کو جو آسمان میں لے کر گھس جاتے"۔ اس حدیث کو نسائی اور بیہقی نے نہایت عمدہ اور کھری سند کیساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم نے احد کے دن طلحہؓ کے جسم پر نشتر سے زیادہ زخم دیکھے۔ (رواہ ابوداؤد الطیالسی) فتح الباری ص ٦٦، ج ٧، مناقب طلحہؓ

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاتی باپ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو سپر سے ڈھانکے ہوئے تھے، بڑے تیرانداز تھے اس روز دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں جو شخص ترکش لئے ہوئے ادھر سے گزرتا نبی کریم ﷺ اس سے یہ فرماتے کہ یہ ترکش ابوطلحہ کے لئے ڈال جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ جب نظر اٹھا کر لوگوں کو دیکھنا چاہتے تو ابوطلحہؓ یہ عرض کرتے:

بابی انت وامی لا تشرف یصبک سهم من سهام القوم نحری

دون نحرک. (بخاری شریف ص ۵۸۱)

"میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نظر نہ اٹھائیں نصیب دشمنان کوئی تیر نہ آ لگے، میرا سینہ آپ کے سینے کے لئے سپر ہے"۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑے تیر انداز تھے، احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے تمام تیر نکال کر ان کے سامنے ڈال دیئے اور فرمایا:

اِرمِ فداک ابی و امی...... "تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوائے سعد بن ابی وقاص کے کسی اور کے لئے رسول اللہ ﷺ کو فداک ابی و امی کہتے نہیں سنا۔ (بخاری شریف ص ۵۸۱)

حاکم راوی ہیں کہ احد کے دن حضرت سعد نے ایک ہزار تیر چلائے۔

(زرقانی ص ۴۲، ج ۲)

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی جان نثاری

ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپر بن کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پشت دشمنوں کی جانب کر لی۔ تیر پر تیر چلے آ رہے ہیں۔ اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے حس و حرکت نہیں کرتے تھے۔ (رواہ ابن اسحاق)

تنبیہ:۔ جس طرح حضور خاتم النبیین تھے، کمالات نبوت آپ پر ختم تھے اسی طرح آپ پر محبوبیت ختم تھی اور صحابہ کرام پر عشق ختم تھا خدا کی قسم، اس فدائیت کے سامنے لیلیٰ و مجنوں کی داستانیں سب گرد ہیں۔

لڑائی میں قتادہ بن النعمان کی آنکھ کی پتلی کے ساتھ کیا بیتی!

قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُحد کے دن آپ کے چہرہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کے مقابل کر دیا، تا کہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر پڑیں اور آپ ﷺ کا چہرۂ انور محفوظ رہے۔ دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ پر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلہ باہر نکل پڑا جس کو میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور میرے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ جس طرح قتادہ نے تیرے نبی کے چہرہ کی حفاظت فرمائی! اسی طرح تو اس کے چہرہ کو محفوظ رکھ اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز نظر بنا اور آنکھ کو اسی جگہ رکھ دیا۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح اور سالم بلکہ پہلے سے بہتر اور تیز ہو گئی۔ (رواہ الطبرانی وابونعیم والدار قطنی نحوہ)

ایک روایت میں ہے کہ قتادہ اپنی آنکھ کی پتلی کو ہاتھ میں لئے ہوئے حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے جنت ہے اور اگر چاہے تو اسی جگہ رکھ کر تیرے لئے دعا کر دوں قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک بیوی ہے جس سے مجھ کو بہت محبت ہے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر بے آنکھ رہ گیا تو کہیں وہ میری بیوی مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ آپ نے دست مبارک سے آنکھ اس کی جگہ پر رکھدی اور یہ دعا فرمائی، "اللھم اعطہ جمالا" اے اللہ اس کو حسن و جمال عطا فرما۔

حضور ﷺ کے قتل کی افواہ پر صحابہ پر کیا بیتی؟

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ نصیب دشمنان رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے، تو بعض مسلمان ہمت ہار کر بیٹھ گئے اور یہ بولے کہ رسول اللہ ﷺ تو شہید ہو گئے اب لڑ کر کیا کریں۔ تو انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نظر نے یہ کہا اے لوگو! اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہو گیا۔ جس چیز پر آپ نے جہاد و قتال کیا اسی پر تم بھی جہاد و قتال کرو اور اسی پر مر جاؤ رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ یہ کہہ کر دشمنوں کی فوج میں گھس گئے اور مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (رواہ ابن اسحاق والطبرانی، زرقانی ص ۴۳، ج ۲)

مسلمانوں کی پریشانی اور بے چینی کا زیادہ سبب ذات بابرکات کا نظروں سے اوجھل ہو جانا تھا۔ سب سے پہلے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا۔ آپ خود پہنے ہوئے تھے، چہرہ انور مستور تھا، کعب کہتے ہیں میں نے خود میں سے آپ کی چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر پہچانا۔ اسی وقت میں نے باآواز بلند پکار کر کہا اے مسلمانو! بشارت ہو تمہیں، یہ ہیں رسول اللہ ﷺ آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا خاموش رہو اگر چہ آپ نے دوبارہ کہنے سے منع فرمایا، لیکن دل اور سر کے کان سب کے اسی طرف لگے ہوئے

تھے اس لئے کعبؓ کی ایک ہی آواز سنتے ہی پروانہ وار آپ کے گرد آ کر جمع ہو گئے، کعب فرماتے ہیں کہ بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی زرہ مجھ کو پہنا دی اور میری زرہ آپ نے پہن لی۔ دشمنوں نے رسول اللہ ﷺ کے خیال سے مجھ پر تیر برسانے شروع کئے بیس سے زیادہ زخم آئے۔ (رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات)

جب کچھ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے تو پہاڑ کی گھاٹی کی طرف چلے۔ ابوبکر اور عمر اور علی اور طلحہ اور حارث بن صمہ ﷺ وغیرہ آپ کے ہمراہ تھے، جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے چڑھ نہ سکے اس لئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے ان پر پیر رکھ کر آپ اوپر چڑھے۔

حضرت حمزہ ؓ کی لاش کی تلاش

رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے بطن وادی میں مثلہ کئے ہوئے پائے گئے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں شکم اور سینہ چاک تھا اس جگر خراش اور دل آزار منظر کو دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا اور فرمایا تم پر اللہ کی رحمت ہو جہاں تک مجھ کو معلوم ہے البتہ بڑے مخیر اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اگر صفیہ کے حزن اور ملال رنج اور غم کا نہ ہوتا تو میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند تم کو کھاتے اور پھر قیامت کے دن تم انہیں کے شکم سے اٹھتے اور اسی جگہ کھڑے کھڑے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر خدا نے مجھ کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو تیرے بدلہ ستر کافروں کا مثلہ کروں گا۔ آپ اس جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے کہ یہ آیت شریفہ نازل ہوگئی:

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصّابرين. واصبر وما صبرک اِلّا باللّٰهِ ولا تحزن عليهم ولا تک في ضيقٍ ممّا يمكرون. ان الله مع الذين اتّقوْ والذين هم محسنون.

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو البتہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے اور آپ کیجئے اور آپ کا صبر کرنا محض اللہ کی امداد اور توفیق سے ہے اور نہ آپ ان پر غمگین ہوں اور نہ ان کے مکر سے تنگدل

ہوں تحقیق صبر کاروں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے''۔

آپؐ نے صبر فرمایا اور قسم کا کفارہ دیا اور اپنا ارادہ فسخ کیا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت حمزہ کو دیکھا تو رو پڑے اور ہچکی بندھ گئی اور یہ فرمایا:

سيدالشهداء عندالله يوم القيامة حمزة.

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حمزہ ہوں گے۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر

اسی غزوہ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے معجم طبرانی اور دلائل ابی نعیم میں سند جید کے ساتھ سعد ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن جنگ شروع ہونے سے پہلے عبداللہ بن جحش نے مجھ کو ایک طرف بلا کر تنہائی میں یہ کہا، آؤ ہم دونوں کہیں علیحدہ بیٹھ کر دعائیں مانگیں اور ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہے۔

سعد فرماتے ہیں ہم دونوں کسی گوشہ میں سب سے علیحدہ ایک طرف جا کر بیٹھ گئے اول میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو نہایت شجاع اور دلیر اور نہایت غضبناک ہو کچھ دیر تک میں اس کا مقابلہ کروں اور وہ میرا مقابلہ کرے پھر اس کے بعد اے اللہ مجھ کو اس پر فتح نصیب فرما یہاں تک میں اس کو قتل کروں اور اس کا سامان چھینوں۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی۔ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو بڑا ہی سخت اور زور آور اور غضبناک ہو محض تیرے لئے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے قتال کرے بالآخر وہ مجھ کو قتل کرے اور میری ناک اور کان کاٹے اور اے پروردگار جب تجھ سے ملوں اور تو دریافت فرمائے اے عبداللہ، یہ تیرے ناک اور کان کہاں کٹے تو میں عرض کروں اے اللہ تیری اور تیرے پیغمبر کی راہ میں اور تو اس وقت یہ فرمائے ''سچ کہا'' سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ ان کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی، شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں۔

سعد فرماتے ہیں اللہ نے میری دعا قبول فرمائی میں نے بھی ایک بڑے سخت کافر

کو قتل کیا اور اس کا سامان چھینا۔

سعید بن مسیب راوی ہیں کہ عبداللہ بن جحشؓ نے یہ دعا مانگی:

اللّٰھم انی اقسم علیک ان القی العدو فیقتلونی ثم یبقروا بطنی ویجدعوا انفی واُذنی ثم تسالنی بسم ذلک فاقول فیک.

''اے اللہ میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ میں تیرے دشمنوں کا مقابلہ کروں اور پھر وہ مجھ کو قتل کریں اور میرا شکم چاک کریں اور میری ناک اور کان کاٹیں اور پھر تو مجھ سے دریافت فرمائے یہ کیوں ہوا تو میں عرض کروں محض تیری وجہ سے''۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے اس خاص شان سے شہادت کے بارے میں ان کی دعا قبول فرمائی۔ اسی طرح اللہ نے ان کی دوسری دعا بھی ضرور قبول فرمائی ہوگی۔ یعنی شہید ہونے کے بعد ان سے یہ سوال فرمایا ہوگا اور انہوں نے یہ جواب عرض کیا ہوگا۔

اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مجدع فی اللہ (یعنی وہ شخص جس کے ناک اور کان اللہ کی راہ میں کاٹے گئے) کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(سیرۃ المصطفیٰ، علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ سے ماخوذ)

خداوند ذوالجلال کے محبین ومخلصین عشاق اور والہین کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینا اپنی انتہائی سعادت سمجھتے ہیں بمقابلہ حیات موت ان کو زیادہ لذیذ اور خوشگوار معلوم ہوتی ہے، اس لئے وہ موت کو محبوب حقیقی (یعنی حق تعالیٰ شانہٗ) کی لقاء کا ذریعہ اور بجن دنیا سے رہا ہو کر گلستان جنت اور بوستان بہشت میں پہنچ جانے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

تلخ نبود پیش ایشان مرگِ تن
چوں روند از چاہ زندان وچمن
تلخ کے باشد کسے راکش برند
از میاں زہر ماران سوئے قنلم

شرکاءِ اُحد، غزوۂ حمراء الاسد میں

قریش جب جنگ احد سے واپس ہولیے اور مدینہ سے چل کر مقام روحاء میں ٹھہرے تو یہ خیال آیا کہ کام ناتمام رہا جب ہم محمد کے بہت سے اصحاب کو قتل کر چکے اور بہت سوں کو زخمی تو بہتر یہ ہے کہ پلٹ کر دفعتہً مدینہ پر حملہ کر دینا چاہئے مسلمان اس وقت بالکل خستہ اور زخمی ہیں مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں گے صفوان بن امیہ نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ مکہ واپس چلو۔ محمد کے اصحاب جوش میں بھرے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ دوسرے حملہ میں تم کو کامیابی نہ ہو۔

۱۵شوال یوم شنبہ کی شام کو قریش روحاء میں پہنچے اور شب یکشنبہ میں یہ گفتگو ہوئی یکشنبہ کی یہ شب گزرنے نہ پائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے مخبر نے عین صبح صادق کے وقت اس کی اطلاع دی، رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت بلالؓ کو بھیج کر تمام مدینہ میں منادی کرادی کہ خروج کے لئے تیار ہو جائیں اور فقط وہی لوگ ہمراہ چلیں کہ جو معرکہ احد میں شریک تھے جابر بن عبداللہؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ غزوۂ احد میں شہید ہوئے بہنوں کی خبر گیری کی وجہ سے میں احد میں شریک نہ ہو سکا۔ اب ساتھ چلنے کی اجازت چاہتا ہوں آپ نے ساتھ چلنے کی اجازت دی اس خروج سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن یہ نہ سمجھ لے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔ باوجودیکہ صحابہ خستہ اور نیم جان ہو چکے تھے اور ایک شب بھی آرام نہ کیا تھا کہ آپ کی ایک آواز پر پھر نکل کھڑے ہوئے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

۱۶شوال یوم یکشنبہ کو مدینہ سے چل کر آپ نے مقام حمراء الاسد پر قیام فرمایا جو مدینہ سے تقریباً آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ہے آپ مقام حمراء الاسد میں مقیم تھے کہ قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی۔ احد کی شکست کی خبر سن کر بغرض تعزیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ان اصحاب کی تعزیت کی جو احد میں شہید ہوئے تھے معبد آپ سے رخصت ہو کر ابو سفیان سے جاملا۔ ابو سفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ معبد نے کہا کہ محمد تو بڑی عظیم الشان جمعیت لے کر تمہارے مقابلہ اور تعاقب کے لئے نکلے ہیں ابو سفیان یہ سنتے ہی مکہ واپس ہو گیا رسول اللہ ﷺ تم

دن قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ تشریف لائے۔

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

الذین استجابوا للہ والرسول من بعد مآ اصابھم القرح ط الذین احسنوا منھم واتقو اجرٌ عظیم.

''جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی بات کو مانا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا تو ایسے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے اجر عظیم ہے''۔

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول اور وفات

ایام قیام تبوک میں ذوالبجادین کا انتقال ہوا۔ اس مخلص کے ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ مفلس و مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم پر کس قدر مزید لطف و عنایات فرمایا کرتے تھے۔

ان کا نام عبداللہ تھا، ابھی بچے ہی تھے کہ باپ مر گیا۔ چچا نے پرورش کی تھی۔ جب جوان ہوئے تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام دے کر ان کی حیثیت درست کر دی تھی۔ عبداللہ نے اسلام کے متعلق کچھ سنا اور دل میں ''توحید'' کا ذوق پیدا ہوا۔ لیکن چچا سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اظہار اسلام نہ کر سکا۔ جب نبی ﷺ فتح مکہ سے واپس گئے تو عبداللہ نے چچا سے جا کر کہا:

''پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے گزر گئے کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور آپ کب مسلمان ہوتے ہیں، لیکن آپ کا حال وہی پہلے کا سا چلا جاتا ہے۔ میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت فرمایئے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔''

چچا نے جواب دیا: ''دیکھ! اگر تو محمد ﷺ کا دین قبول کرنا چاہتا ہے تو میں سب کچھ تجھ سے چھین لوں گا۔ تیرے بدن پر چادر اور تہبند تک باقی نہ رہنے دوں گا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''چچا صاحب! میں مسلمان ضرور بنوں گا اور محمد ﷺ کی اتباع ہی قبول کروں گا۔ شرک اور بت پرستی سے میں بیزار ہو چکا ہوں۔ اب جو آپ کی منشاء ہے، کیجئے

اور جو کچھ میرے قبضے میں زر و مال وغیرہ ہے سب سنبھال لیجئے۔ میں جانتا ہوں کہ ان سب چیزوں کو آخر ایک روز یہیں دنیا پر چھوڑ جانا ہے۔ اس لئے میں ان کے لئے سچے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔"

عبداللہ نے یہ کہہ کر بدن کے کپڑے تک اتار دیئے اور "مادرزاد برہنہ" ہو کر ماں کے سامنے گیا، ماں یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ کیا ہوا؟ عبداللہؓ نے کہا، میں مومن اور موحد ہو گیا ہوں، نبی ﷺ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں۔ ستر پوشی کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے مہربانی فرما کر دیجئے۔ ماں نے ایک کمبل دے دیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کمبل پھاڑا، آدھے کا تہبند بنالیا، آدھا اوپر لیا اور مدینے کو روانہ ہو گیا۔ علی الصبح مسجد نبوی میں پہنچ گیا اور مسجد سے تکیہ لگا کر منتظرانہ بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ جب مسجد مبارک میں آئے تو اسے دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو۔ کہا، میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ فقیر و مسافر ہوں، عاشق جمال اور طالب ہدایت ہو کر در دولت تک آپہنچا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارا نام عبداللہؓ ہے اور ذوالبجادین لقب، تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔

عبداللہ رضی اللہ اصحاب صفہ میں شامل ہو گیا۔ نبی ﷺ سے قرآن سیکھتا اور دن بھر عجب ذوق وشوق اور جوش ونشاط سے پڑھا کرتا۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ اعرابی اس قدر بلند آواز سے پڑھ رہا ہے کہ دوسروں کی قرأت میں مزاحمت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، عمر رضی اللہ عنہ اسے کچھ نہ کہو۔ یہ تو خدا اور رسول ﷺ کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے غزوہ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ دعا فرمایئے کہ میں بھی راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ نبیؐ نے فرمایا جاؤ کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ جب عبداللہ چھلکا لے آئے تو نبی ﷺ نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھ دیا اور زبان مبارک سے فرمایا: "الٰہی! میں کفار پر اس کا خون حرام کرتا ہوں۔" عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں تو شہادت کا

طالب ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ جب غزا کی نیت سے تم نکلو اور پھر تپ آجائے اور مر جاؤ تب بھی تم شہید ہی ہو گے۔ تبوک پہنچ کر یہی ہوا کہ تپ چڑھی اور عالم بقا کو سدھار گئے۔

بلال ؓ بن حارث مزنی کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ کے دفن کی کیفیت دیکھی ہے۔

رات کا وقت تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ ابوبکرؓ و عمرؓ اس کی لاش کو لحد میں رکھ رہے تھے۔ نبی ﷺ بھی اس کی قبر میں اترے تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ سے فرما رہے تھے۔ ادبا الی اخاکما (اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو) آنحضرت ﷺ نے قبر پر اینٹیں بھی اپنے ہاتھ سے رکھیں اور پھر دعا میں فرمایا ''الٰہی آج کی شام تک میں اس سے خوش رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا'' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں'' کاش اس قبر میں میں دبایا جاتا''۔ (مدارج النبوۃ، ص ۴۲۳، ج ۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

''جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آغاز خلافت میں منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے لگے تو منبر کے جس درجے پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما کر خطبہ القا فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے نیچے کے درجے پر بیٹھتے۔

بجائے بزرگاں نشستن خطا است

''بزرگوں کی جگہ پر بیٹھنا بھی غلطی ہے۔''

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام خلافت میں اسی منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا چاہا تو اس درجے سے بھی نیچے کے درجے پر بیٹھے۔ کیونکہ انکے نزدیک مقام رسول اللہ ﷺ کے ادب کے ساتھ خلیفہ رسول اللہ ﷺ کے مقام کا ادب بھی واجب تھا۔''

(نقوش رسول نمبر ۶۸۶)

از خدا خواہم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

مسجد نبوی ﷺ سے متصل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کی چھت پر ایک

پرنالہ تھا۔ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نئے کپڑے پہنے ہوئے مسجد جا رہے تھے۔جب اس پرنالے کے قریب پہنچے، اتفاق سے اس دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر دو مرغ ذبح کئے جا رہے تھے۔یکایک ان کا خون پرنالے سے ٹپکا اور اس کے چند قطرے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر پڑ گئے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اس پرنالے کو اکھاڑ ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔لوگوں نے فوراً اس پرنالے کو اکھاڑ ڈالا اور آپ رضی اللہ عنہ گھر واپس آئے دوسرے کپڑے پہنے اور پھر مسجد تشریف لائے۔

ادائے نماز کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے "یا امیر المؤمنین! خدا کی قسم اس پرنالے کو جسے آپ رضی اللہ عنہ نے اکھاڑ دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس جگہ لگایا تھا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر نہایت مضطرب، بے قرار اور پریشان ہو گئے۔دوسرے لمحے آپ رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ "اے عباس! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اپنے پیر میرے کندھے پر رکھ کر اس پرنالے کو جیسا کہ حضور ﷺ نے لگایا تھا، اسی جگہ پر لگا دو۔" چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی درخواست پر اس کو پہلی جگہ پر لگا دیا۔(نقوش رسول نمبر ۴/ ۶۸۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف جنگ حدیبیہ میں صلح کے واسطے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کرنے کی اجازت دی۔لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے پروردگار کے حکم "یا ایها الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللّٰہ و رسولہ" اور اپنے آقائے نامدار ﷺ کے ادب و تعظیم کو مدنظر رکھ کر ارشاد فرمایا "میں ہرگز طواف نہ کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں۔" (زاد المعاد لابن قیم قصہ حدیبیہ، در منثور للسیوطی تفسیر سورۃ الفتح)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افضل ترین عبادت یعنی طواف کعبہ سے حضور ﷺ کی رعایت ادب کو افضل جانا اور یہی حق مصطفیٰ ﷺ ہے۔

شاید اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

''کوئی عبادت حضور ﷺ کے رعایت ادب کے برابر نہیں۔'' (مدارج النبوت)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ایک اور اندازِ ادبِ رسول ﷺ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''انہوں نے کہا میں اسلام میں چوتھا شخص ہوں اور میرے نکاح میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاجزادیاں یکے بعد دیگرے دی ہیں اور میں نے جب سے اپنا داہنا ہاتھ حضور ﷺ کے دست مبارک سے ملایا ہے، اس دن سے میں نے اپنی شرمگاہ کو کبھی نہیں چھوا۔'' (کنز العمال، کیمیائے سعادت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب وہ صلح نامہ لکھا جو رسول اللہ ﷺ کے اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا، جس میں یہ عبارت تھی:

هذا ما كاتب عليه محمد رسول الله.

تو مشرکین نے اعتراض کیا کہ لفظ ''رسول اللہ'' نہ لکھا جائے کیونکہ اگر رسالت مسلم ہوتی تو پھر لڑائی کیا ہوتی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔

انہوں نے عرض کی میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مٹا سکوں۔ لہٰذا خود حضور سرور کائنات ﷺ نے اس کو مٹا دیا۔ (صحیح مسلم)

نیز جنگ خیبر سے واپسی پر منزل صہبا پر رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر ادا فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جماعت میں شامل نہ ہو سکے تو آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے کہ عصر کا وقت جا رہا ہے مگر پاس ادب سے کہ اگر میں اپنا زانو ہلاؤں گا تو حضور ﷺ کے آرام میں خلل ہوگا۔ اس ادب اور حضور ﷺ کے آرام کے خیال کی وجہ سے زانو نہ ہلایا اور نماز عصر کا وقت جاتا رہا۔

مگر جب حضور ﷺ خود بیدار ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز کے فوت

ہو جانے کا حال عرض کیا۔

حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ یا الٰہ العالمین! اگر علی تیری اطاعت (من یطع الرسول فقد اطاع اللہ سورۃ النساء) میں تھا تو آفتاب کو طلوع کر دے۔ پس اسی وقت ڈوبا ہوا آفتاب طلوع ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت تسکین کے ساتھ نماز عصر ادا کی۔ پھر آفتاب حسب معمول غروب ہو گیا۔ (الشفاء)

اس حدیث کو طحاوی نے ''مشکل الاثار'' میں دو طریق سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت اسماء بنت عمیس سے دوسری فاطمہ بنت حسین سے، قاضی عیاض نے ''الشفاء'' میں، امام سیوطی نے ''الدر المنتشرہ فی الاحادیث المشتھرہ'' میں، اور حافظ ابن سید الناس نے ''بشری اللبیب'' میں اور اس حدیث کے دونوں طریقے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۴۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں اپنے استاد شیخ ابو طاہر سے مسلسل فاطمہ بنت حسین تک اور اسماء بنت عمیس تک ''ازالۃ الخفاء'' میں لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جناب رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک اور تراشے ہوئے ناخن محفوظ تھے۔ جب وہ فوت ہونے لگے تو وصیت کی کہ یہ چیزیں میرے منہ اور آنکھوں میں رکھ دینا اور پھر میرا معاملہ ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔

(تاریخ الخلفاء از علامہ سیوطی)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ بڑے تھے یا رسول اللہ ﷺ عمر میں بڑے تھے؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: حضور ﷺ بڑے تھے اور ولادت میری پہلے ہوئی۔ (کنز العمال)

حضرت قباث رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

ابی حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالملک بن مروان نے قباث ابن الشیم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم اکبر ہو یا رسول اللہ ﷺ کبر تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے تھے اور میں عمر میں ان سے زیادہ ہوں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریف عام الفیل میں ہے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اس ہاتھی کی لید کے پاس مجھے لیکر کھڑی تھیں۔ (دلائل النبوۃ بیہقی)

نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی قباث رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کا سوال کیا تھا اور انہوں نے ان کو بھی یہی جواب دیا کہ حضور ﷺ کبر تھے اور میری ولادت پیشتر ہے۔

(بیہقی)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

عبد بن فیروز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے میں نے پوچھا کہ "کن جانوروں کی قربانی درست نہیں۔" انہوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: چار قسم کے جانور ہیں، جن کی قربانی درست نہیں۔ ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو، دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو، تیسرا وہ جس کا لنگ ظاہر ہو، چوتھا وہ جو نہایت دبلا ہو۔ اس کو آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے تشریح فرمائی لیکن میری انگلیاں حضرت ﷺ کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں پہلے دست مبارک کے اشارے سے تعین فرمایا کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی جائز نہیں، پھر ان کی تفصیل۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کو بیان کیا تو ادب نے اجازت نہ دی کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کی جائے۔ لہٰذا عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے کچھ نسبت نہیں۔

(ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی راستے میں دیکھا۔ چونکہ میں جنبی بھی، اس لئے میں چھپ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت اقدس ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو ہریرہ تم کہاں تھے؟ عرض کیا کہ ''مجھے نہانے کی ضرورت تھی اس لئے میں نے آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھنے کو مکروہ سمجھا۔'' اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ پاک ہے (اور) مومن نجس نہیں ہوتا۔'' (بخاری)

حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضور ﷺ نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت مجھے تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہاؤں تو مارے سردی کے مر جانے یا بیمار ہو جانے کا خوف تھا اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی ہی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں۔ مجبوراً کسی شخص انصاری سے کہہ دیا کہ کجاوہ باندھے۔ پھر میں نے چند پتھر رکھ کر پانی گرم کیا اور نہا کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جا ملا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے اسلع! کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوے کو میں متغیر پاتا ہوں۔'' عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ میں نے نہیں باندھا۔'' فرمایا: ''کیوں؟'' عرض کیا: ''اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا، اس لئے کسی اور کو باندھنے کا کہہ دیا تھا۔'' اسلع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ **یا ایها الذین امنوا اِذا قمتم الی الصلوٰة......** الآیۃ (سورۃ المائدہ، رکوع ۲) جس سے سفر میں تیمم کرنے کی اجازت ملی۔ (درمنثور، طبرانی)

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں بال اس قدر دراز تھے کہ جب وہ بیٹھتے اور ان بالوں کو چھوڑ دیتے تو زمین پر پہنچتے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ''تم نے ان بالوں کو اتنا کیوں بڑھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ''میں اس وجہ سے ان کو

نہیں کٹواتا کہ ایک وقت ان پر حضور ﷺ کا دستِ مبارک لگا تھا، اس لئے میں نے تبرکاً ان بالوں کو رکھا ہوا ہے۔" (الشفاء)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک تبرکاً تھے، ایک جنگ میں وہ ٹوپی گر پڑی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے حصول کے واسطے سخت ترین جنگ کی۔ حتیٰ کہ چند مسلمان بھی اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو الزام دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میں نے یہ فعل ٹوپی کے واسطے نہیں کیا بلکہ ان موئے مبارک کے واسطے کیا جو اس میں ہیں تا کہ وہ ضائع نہ ہوں اور کفار کے غلیظ ہاتھوں میں نہ جانے پائیں اور مجھ سے اس کی برکت نہ جاتی رہے۔" (الشفاء)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کو رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھا۔ پھر اس کو اپنے منہ پر ملا۔ (طبقات ابن سعد، الشفاء)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کے لئے بلایا جو اس نے تیار کیا تھا۔ میں بھی حضرت ﷺ کے ساتھ گیا۔ جو کی روٹی اور شوربا حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا، جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا۔ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ پیالے کے اطراف سے کدو کی قاشیں تلاش کرتے تھے، اس لئے میں اس دن کے بعد کدو ہمیشہ پسند کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین)

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (بپاسِ ادب) رسول اللہ ﷺ کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔

(الادب المفرد للبخاریؒ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے اپنی تین حالتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ پہلی حالت یہ تھی کہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا، اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو دوزخی ہوتا۔ دوسری حالت اسلام کی تھی کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے زیادہ جلالت اور ہیبت والا نہ تھا اور میں آپ ﷺ کی ہیبت کے سبب آپ ﷺ کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہ سکتا تھا، اگر میں اس حالت میں مرجاؤں تو امید ہے کہ جنت میں ہوں گا۔ تیسری حالت حکمرانی کی تھی کہ جس میں میں اپنا حال نہیں جانتا۔ (صحیح مسلم)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حذیفہ بن الیمان سے ملے۔ آپ ﷺ حضرت حذیفہ سے مصافحہ کرنے لگے۔ حضرت حذیفہ پیچھے ہٹ گئے اور یہ عذر کیا کہ مجھے غسل کی حاجت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو اس کے گناہ یوں دور ہوجاتے ہیں جیسا کہ درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ جب وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سو رحمتیں نازل فرماتا ہے، جن میں ننانوے اس کے لئے ہیں جو ان دونوں میں سے زیادہ بشاش اور کشادہ رُو اور نیکوکار اور اپنے بھائی کی حاجت روائی میں احسن ہو۔" (کشف الغمہ للشعرانی ۱۸۴/۲)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن یربوع قرشی مخزومی کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت سعید بن یربوع قرشی مخزومی رضی اللہ عنہ کا نام صرم تھا۔ ایک روز حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "ہم میں سے بڑا کون ہے؟ میں یا تو!" انہوں نے جواب دیا کہ "آپ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں اور نیک ہیں۔ میں عمر میں آپ ﷺ سے زیادہ ہوں۔" یہ سن کر آپ ﷺ نے ان کا نام بدل دیا اور فرمایا کہ "تم سعید ہو۔" (اصابہ ترجمہ سعید بن یربوع)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے گلابی

رنگ کا کرتہ پہنا ہوا تھا۔ جب میں سید دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا: ماھذا؟ "یہ کیا ہے؟" جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ حضور انور ﷺ کو ناپسند ہے تو میں نے جا کر اسے جلا دیا۔ جب سید دو عالم ﷺ نے مجھ سے اس کرتے کے بارے میں پوچھا تو میں نے عرض کیا: "حضور ﷺ، میں نے اسے جلا دیا ہے۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ "اپنے گھر میں کسی عورت کو پہنا دیتے، کیونکہ عورتوں کے لئے پہننا جائز ہے۔"

(بحوالہ "بامحمدؐ باوقار" ۵۶ از قاضی زاہد الحسینی)

حضرت قیلہ بنت مخرمہ عنبریہ رضی اللہ عنہا کا ادبِ رسول ﷺ

حضرت قیلہ بنت مخرمہ عنبریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں دیکھا، آپ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ ﷺ کو نہایت خشوع سے اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو (ہیبت اور جلال کے سبب) میں کانپنے لگی۔"

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی جلسۃ رسول ﷺ)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ادبِ رسول ﷺ

حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔ آپ ﷺ مکان کے نیچے کے حصے میں ٹھہرے اور ابوایوب رضی اللہ عنہ بمعہ عیال کے اوپر کے حصے میں رہے۔ ایک رات ابوایوب رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس جگہ سے ہٹ کر ایک جانب میں رات بسر کی۔ پھر صبح کو آنحضرت ﷺ سے عرض کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "نیچے کے حصے میں میرے لئے آسانی ہے۔" انہوں نے عرض کیا: "میں اس چھت پر نہیں چڑھتا جس کے نیچے آپ ﷺ ہوں۔" پس آنحضرت ﷺ اوپر کے حصے میں تشریف لے گئے اور ابوایوب رضی اللہ عنہ نیچے کے حصے میں تشریف لے آئے۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے لئے کھانا بھیجا کرتے تو جو اوپر سے بچ کر آتا خادم سے دریافت کرتے کہ طعام میں حضور ﷺ کی انگلیاں کس جگہ پر تھیں پھر اس جگہ سے

کھاتے۔ (صحیح بخاری)

حضور ﷺ کے اسم مبارک کا ادب

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک کرتیں تو "بابی انتَ وامی یارسول اللّٰہ" کہتیں۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔" (صحیح بخاری)

صحابہ کرام اکثر "بابی انت وامی یارسول اللّٰہ" کہا کرتے تھے۔ چنانچہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اشفاق اور مراحم کے روبرو مہر مادری اور شفقت پدری کی کچھ حقیقت نہیں۔ ان دونوں کو آپ ﷺ پر فدا کرنا چاہیے۔

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانہ بھی ادب کی ایسی رعایت تھی کہ جب تک ماں باپ کو فدا نہیں کرتے، نام مبارک کا ذکر نہیں کرتے تھے!

آپ ﷺ کے اسم شریف کا ادب

ایک جماعت قبیلہ کندہ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ الفاظ تعظیم کے ادا کئے جو اس زمانے میں سلاطین کے لئے کہے جاتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ محمد بن عبداللہ ہوں۔" انہوں نے کہا: "ہم آپ ﷺ کا نام لے کر نہیں پکاریں گے۔" (کہ یہ بے ادبی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ابوالقاسم کہو۔" اس پر انہوں نے کہا: "اے ابوالقاسم! فرمائیے کہ ہم نے اپنے دلوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ کاہنوں کا کام ہے اور کاہن اور ان کا پیشہ دوزخی ہے۔"

انہوں نے کہا: "پھر کیونکر معلوم ہو کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔" تب آپ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا کہ "دیکھو یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" چنانچہ اسی وقت کنکریاں دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں۔ یہ سن کر حاضرین نے صدق دل سے کلمہ پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(مواہب اللدنیہ، شرح مواہب اللدنیہ)

''ان حضرات نے حضور ﷺ کی تعظیم کی اور ادب کو اس وقت بھی ملحوظ خاطر رکھا کہ جب کافر تھے۔ کیا تعجب کہ رب تعالیٰ کو ان کو یہی ادا پسند آ گئی ہو اور ان کو ہمیشہ کے لئے ایمان کی دولت سے سرفراز کر دیا اور ان کی جہنم کو جنت میں بدل دیا۔

مسجد نبویؐ میں آواز بلند کرنے پر تنبیہ

حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عشاء کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص کے ہنسنے کی آواز کان میں پڑی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بلا کر پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''میں قبیلہ ثقیف سے ہوں۔'' پھر دریافت کیا: ''کیا تم اس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا: ''نہیں بلکہ میں طائف کا رہنے والا ہوں۔'' یہ سن کر آپ نے اسے دھمکایا اور فرمایا: ''اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔'' (وفاء الوفا ۲/۳۵۴) ایسا ہی ایک واقعہ بخاری شریف میں بھی ہے۔

روضۂ اقدس ﷺ کے سامنے اونچا بولنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے اونچا بولنے سے اعمال ضائع ہوتے تھے اور بعد وصال کے بھی اعمال ضائع ہوتے ہیں۔
(شفاء السقام ۱۷۵)

حضرات قباث عثمان و عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کا ادبِ رسول ﷺ

بیہقی نے دلائل النبوت میں ابی الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عبد الملک بن مروان نے قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم اکبر ہو، یا رسول اللہ ﷺ اکبر تھے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر منی وانا اسنُّ منہ.

انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے تھے اور میں عمر میں ان سے زیادہ ہوں...... اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ شریف عام فیل میں ہے اور مجھے

یاد پڑتا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اسی ہاتھی کی لید کے پاس مجھے لے کر کھڑی تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انہی قباث رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کا سوال کیا تھا۔اورانہوں نے ان کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ حضور ﷺ کبر تھے اور میری ولادت پیشتر ہے۔(بیہقی)

عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا سوال ہوا تھا۔آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ حضور ﷺ کبر تھے اور میری ولادت پیشتر ہے۔(کنز العمال)

کنزالعمال میں یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا کہ میں بڑا ہوں یا تم؟ عرض کیا کہ آپ اکبر ہیں اور اکرم ہیں، میری عمر زیادہ ہے۔

اس ادب کو دیکھیے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اکبر اور اسن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔صراحۃً اس کی نفی کر دی اور مجبوراً لفظ اسن کو ذکر کیا۔کیونکہ صراحۃً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے کوئی لفظ نہ تھا۔جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنکی تعظیم خود رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ادب میں یہ حال ہو تو پھر ہم کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے۔مگر افسوس ہے آجکل کے بعض بے ادب اور گستاخ فرقوں پر جو شب و روز آیات و احادیث سے کرید کرید کر من گھڑت معانی بنا کر رسول اللہ ﷺ کی تنقیصِ شان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان بے ادبوں کو رشد و ہدایت بخشے تا کہ وہ بے ادبی اور گستاخی کے باعث دوزخ کا ایندھن بننے سے محفوظ رہیں۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

روضۂ مبارک کے قریب میخ گاڑنے پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تہدیدی حکم

روی عن عائشة انها كانت تسمع صوت وتدیوتدو السمار یضرب.

فی بعض السلور المتصلة بمسجدالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فترسل الیھم لا تؤذوا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

''یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اس کھونٹی کی آواز جو مسجد نبوی کے اردگرد گھروں میں گاڑی جاتی تھی اور اس میخ کی آواز جو ٹھونکی جاتی تھی سنتی تھیں۔ انہوں نے ان گھر والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو''۔

روی وماعمل علی مصراعی بابہ بالمناصع الاتوقیاللذلک وتادبا معہ.

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دروازے کے کواڑ اس وعید سے بچنے کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ادب کی خاطر کپڑے کے بنائے ہوئے تھے''۔

آپ ﷺ کی چارپائی کی تعظیم اور برکت

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی، جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ حضور ﷺ اس پر سویا کرتے تھے۔ جب وفات شریف ہوئی تو حضور ﷺ کو اسی پر رکھا گیا۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی وفات پانے پر اسی پر رکھا گیا۔ بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اسی پر رکھا گیا۔ پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اسی پر رکھا کرتے تھے۔

(زرقانی علی المواہب)

آنحضرت ﷺ کے پسینہ مبارک کی تعظیم و برکت

آنحضرت ﷺ، ام سلمہؓ (والدہ انسؓ) کے ہاں چمڑے کے فرش پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ اٹھتے تو وہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کر لیتیں اور شانہ کرتے وقت جو بال گرتے، ان کو پسینہ مبارک کو مسک (خوشبو) میں ملا دیتیں۔ حضرت ثمامہ کا قول ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو مجھے وصیت کی کہ اس سک میں سے کچھ میرے حنوط (کافور وصندل وغیرہ جو مردے کے کفن پر اور جسم پر مل دیا جاتا ہے) میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(صحیح بخاری الاستیذان)

آپ ﷺ کے پسینے کی برکت کے امیدوار

آنحضرت ﷺ ام سلمہؓ کے گھر میں آ کر بستر پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے اور وہ گھر میں نہ ہوا کرتیں۔ ایک روز حسب معمول حضور ﷺ ان کے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ جب ان کو خبر ہوئی تو آ کر دیکھا کہ حضور ﷺ کا پسینہ بستر پر چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے ڈبے میں سے ایک شیشی نکالی اور پسینہ مبارک کو اس میں نچوڑنے لگیں۔ حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو پوچھا کہ "ام سلمہ! تم کیا کر رہی ہو؟" ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ "ہم اپنے بچوں کے لئے آپ ﷺ کے پسینے کی برکت کے امیدوار ہیں۔" (صحیح مسلم)

آپ ﷺ کے ایک بال کا ہونا دنیا و مافیہا سے محبوب تر

حضرت ابن سیرین تابعی نے حضرت عبیدہ سے کہا: "ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال مبارک ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ یا اہل انسؓ سے ملے ہیں۔" یہ سن کر حضرت عبیدہ نے کہا، ان بالوں میں سے میرے پاس ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔ (صحیح بخاری)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

"وہ تمام چیزیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہے، ان کی تعظیم و تکریم کرنا، حرمین شریفین میں آپ ﷺ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنا، آپ ﷺ کے منازل اور وہ چیزیں جن کو آپ ﷺ کے دست مبارک یا کسی اور عضو نے چھوا، یا آپ ﷺ کے نام سے پکاری جاتی ہوں، ان سب کا اکرام کرنا حضور ﷺ ہی کی تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔" (الشفا)

(ماخوذ از "تحفۂ ناموسِ رسالتؐ اور گستاخ رسول کی سزا" ۔ ایچ ساجد اعوان)

ثعلبہ بن عبدالرحمٰن کا عشق رسول ﷺ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انصار کے ایک نوجوان ثعلبہ بن عبدالرحمٰن مسلمان ہوئے اور حضور پاک ﷺ کی خدمت کر کے پھر بھی اپنے کو کم درجہ سمجھتے تھے اور حضور ﷺ نے انہیں اپنی ایک ضرورت کے لئے بھیجا وہ ایک انصاری صحابی کے دروازے

کے پاس سے گزرے۔ ایک انصاری عورت پر ان کی نگاہ پڑی جو نہا رہی تھی اس خوف سے کہ حضور ﷺ پر میرے اس گناہ کے بارے میں وحی اتر آئے گی نکل کر بھاگ گئے مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ایک پہاڑ میں داخل ہو گئے حضور پاک علیہ السلام نے چالیس دن انہیں گم پایا جبرائیل علیہ السلام حضور پاک ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا رب آپ کو سلام کہہ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ آپ کی امت کا ایک آدمی ان پہاڑوں میں میری پناہ لے رہا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر اور اے سلمان! دونوں جاؤ اور ثعلبہ بن عبدالرحمٰن کو میرے پاس لے آؤ۔ وہ مدینے کے پہاڑی راستوں سے نکلے تو مدینہ کے ایک چرواہے کو ملے جس کا نام زفافہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس چرواہے سے پوچھا کہ ان پہاڑوں میں تمہیں کسی نوجوان کے بارے میں علم ہے جس کا نام ثعلبہ ہے۔ چرواہے نے کہا شاید آپ اس آدمی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جو جہنم کے خوف سے بھاگا پھر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تجھے کس نے بتایا کہ وہ جہنم کے خوف سے بھاگا ہوا ہے۔ اس چرواہے نے کہا کہ جب رات ہوتی ہے تو ان پہاڑوں سے نکل کر ہمارے پاس آجاتا ہے اپنا سر ہاتھ پر رکھے ہوئے یہ آواز لگاتا ہے کہ اے اللہ! تو میری روح قبض کر لیتا اور میرے جسم کو ختم کر دیتا لیکن تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم اس کی تلاش میں ہیں اسے ہمارے پاس لے آؤ۔ جب رات ہوئی تو پہاڑوں سے نکل کر ان کے پاس آگئے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے یہ پکار رہے تھے۔ اے اللہ! تو میری روح قبض کر لے اور میرے جسم کو ختم کر دے اور مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت ان کے پاس گئے اور ان سے پیار سے بات کی انہوں نے کہا۔ اے عمر! کیا حضور ﷺ کو میرے گناہ کا پتہ چل گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ ہاں کل کو آپ کا تذکرہ فرمایا اور مجھے اور سلمان کو آپ کی تلاش میں بھیجا انہوں نے کہا اے عمر! جب حضور ﷺ نماز پڑھ رہے ہوں مجھے اس وقت آپ کے پاس لے جانا۔ (ان کو لے جانے کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ جلدی میں جا کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے جب

حضور ﷺ کی قرأت سنی تو بے ہوش ہو کر گر گئے۔ جب حضور ﷺ نے سلام پھیرا تو پوچھا اے عمر اور سلمان! ثعلبہ کا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ ثعلبہ ہیں۔ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اسے ہلایا تو وہ ہوش میں آئے آپ ﷺ نے ان سے پوچھا۔ مجھ سے تجھے کس چیز نے غائب کر دیا تھا۔ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے گناہ نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی آیت نہ بتاؤں جو گناہوں اور برائیوں کو مٹا دیتی ہے اس نے عرض کیا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا، یہ پڑھو:

ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الأخرة حسنة وقنا عذاب النار.

(البقرہ: ۲۰۱)

''اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔''

اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا گناہ بہت بڑا ہے آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ اللہ کا کلام اس سے بھی بڑا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں گھر واپس جانے کا حکم دیدیا پھر وہ آٹھ دن بیمار رہے پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپکو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خبر ہے؟ کیونکہ وہ تو غم کی وجہ سے ہلاک ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ آپ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کا سر اپنی گود مبارک میں رکھا۔ اس نے سر آپ ﷺ کی گود سے ہٹا لیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ تو نے اپنا سر میری گود سے کیوں ہٹایا ہے۔ اس عرض کی اس لئے ہٹایا ہے کہ یہ گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس نے عرض کی میری ہڈی اور چربی اور کھال کے درمیان چیونٹی کی چال محسوس ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کیا خواہش رکھتے ہو۔ اس نے عرض کی اپنے رب کی مغفرت چاہتا ہوں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آ کر عرض کی اے محمد! آپ کا رب آپ کو سلام کہہ رہا ہے اگر میرا بندہ زمین بھر گناہ لے کر آئے تو میں اسے زمین بھر مغفرت عطا کروں گا۔ آپ ﷺ نے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو انہوں نے ایک چیخ ماری اور انتقال کر گئے۔

حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول ﷺ

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابو خیثمہ ؓ قبیلہ بنو سالم میں سے صحابی تھے جو حضور پاک ﷺ سے غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے جب حضور پاک ﷺ چلے گئے تو ابو خیثمہ ؓ ایک دن سخت گرمی کے وقت اپنے گھر واپس آئے اپنی دونوں بیویوں کو دیکھا وہ باغ میں اس کی جھونپڑیوں میں بیٹھی ہوئی ہیں ہر ایک نے جھونپڑی کے سامنے پانی کا چھڑکاؤ کر رکھا ہے ان کے لئے ٹھنڈا پانی اور کھانا تیار کر رکھا ہے جب یہ داخل ہوئے تو جھونپڑیوں کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھتے رہے پھر کہا حضور ﷺ تو سورج کی تپش، لُو اور سخت گرمی میں تکلیف اٹھائیں اور خیثمہ سائے میں اور ٹھنڈے پانی اور تیار کھانے اور خوبصورت بیویوں کے ساتھ رہے۔ یہ کوئی انصاف نہیں ہے۔ اللہ کی قسم میں تم میں سے کسی کی جھونپڑی میں داخل نہیں ہوں گا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ سے جا ملوں۔ لہٰذا میرے لئے زادِ سفر تیار کرو۔ ان کی بیویوں نے زادِ سفر تیار کیا پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کے کوچ کر لی اور حضور ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے۔ تبوک میں جہاں حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا وہاں آپ ﷺ کو جا ملے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ راستے میں ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ کو عمیر بن وہب جمحی ملے وہ بھی حضور ﷺ کی تلاش میں تھے وہ دونوں ہم سفر ہو رہے۔ جب تبوک کے قریب ہوئے تو ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ مجھ سے ایک گناہ ہوا ہے لہٰذا تم میرے پیچھے رہنا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ سے مل لوں انہوں نے اس طرح کیا۔ پھر وہ چل پڑے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ علیہ السلام تبوک میں تشریف فرما تھے۔ جب سامنے ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ ایک سوار سامنے سے آ رہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ شاید یہ ابو خیثمہ ہو۔ جب قریب آ گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا ابو خیثمہ! تمہارے لئے یہی بہتر تھا پھر انہوں نے حضور ﷺ کو اپنا پورا واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم نے اچھا کیا اور ان کے لئے دعا بھی کی۔ (الاستیعاب ص:۵۲، ج:۴)

ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کی توبہ کا واقعہ:

عبد الرحمٰن بن ثابت کہتے ہیں کہ ابو سفیان بن حارث حضور ﷺ کی ہجو کرتے

رہے جہاں بھی قریش حضور ﷺ کے ساتھ لڑائی کرنے کے لئے جاتے یہ ان سے پیچھے نہ رہتے (یعنی قریش کے ساتھ شریک ہوتے تھے) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں گا اور کس کے ساتھ رہوں گا اسلام کفر پر غالب آچکا ہے میں اپنے بیوی بچوں کے پاس آیا اور ان سے کہا۔ یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔ محمد ﷺ کا یہاں پر آنا قریب ہو چکا ہے۔

انہوں نے مجھے کہا کہ تم یہ دیکھنے کے بعد کہ عرب وعجم نے محمد ﷺ کی اتباع کر لی ہے اب بھی ان کی دشمنی کی کوشش میں ہو۔ حالانکہ تم اور لوگوں کی نسبت ان کی نصرت کے زیادہ حقدار تھے۔ میں نے اپنے غلام مذکور سے کہا اونٹوں اور گھوڑوں کو جلدی لے آؤ پھر ہم چل پڑے اور ہم نے ابواء [۴۲] میں پڑاؤ ڈالا۔ اور میں نے حضور ﷺ سے آگے پڑاؤ ڈالا اور میں انجان بنا رہا اس خوف سے کہ کہیں مارا نہ جاؤں۔ اور حضور ﷺ میرے خون کی نذر مان چکے تھے پھر میں ایک میل کے قریب پیدل چلا اور لوگ جماعت در جماعت آرہے تھے میں آپ ﷺ سے ایک طرف ہٹ گیا۔ جب آپ ﷺ اپنی جماعت میں تشریف لائے تو میں آپ ﷺ کے سامنے آیا۔ جب آپ نے مجھے اچھی طرح دیکھ لیا تو مجھ سے دوسری طرف چہرہ پھیر لیا۔ میں پھر آپ کے سامنے آگیا آپ نے دوسری طرف اپنا چہرہ پھیر لیا اور کئی مرتبہ اسی طرح مجھ سے اعراض فرمایا تو مجھے نئے اور پرانے خیالات نے گھیر لیا۔ اور میں نے سوچا کہ میں آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی مار دیا جاتا (تو کیا اچھا ہوتا؟) پھر میں آپ کی شفقت کو یاد کرنے لگا تو یہ خیالات رک گئے اور مجھے اس بات کا یقین تھا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ میرے اسلام لانے سے بہت خوش ہوں گے۔ حضور ﷺ سے میری رشتہ داری کی وجہ سے۔ جب مسلمانوں نے حضور ﷺ کے اعراض کو دیکھا تو انہوں نے بھی مجھ سے اعراض کیا۔ ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) مجھے اعراض کرتے ہوئے ملے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ ایک انصاری کو میرے اوپر غیرت دلا رہے ہیں اور وہ انصاری مجھ سے کہنے لگے۔ اے اللہ کے دشمن! تو ہی ہے جو حضور ﷺ کو اور آپ کے صحابہؓ کو تکلیف پہنچاتا تھا اور تو حضور ﷺ کی دشمنی میں مشرق ومغرب تک پہنچا۔ میں نے اپنی طرف سے تھوڑا سا جواب دیا تو وہ میرے اوپر چڑھ گئے اور بلند

آواز کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مجھے اس نے لوگوں کے درمیان جھنڈ کی طرح کر دیا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ لوگ میرے اس معاملے سے خوش ہو رہے ہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں میں اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا۔ اے میرے چچا! مجھے یہ امید تھی کہ حضور ﷺ میری رشتہ داری کی وجہ سے میرے اسلام لانے پر خوش ہوں گے اور وہ جو آپ نے دیکھ لیا۔ لہٰذا آپ حضور ﷺ سے مجھ سے راضی ہونے کے بارے میں بات چیت کریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم ایسا معاملہ دیکھنے کے بعد میں حضور ﷺ سے کبھی بات نہیں کروں گا کیونکہ میں آپ ﷺ کو بڑا سمجھتا ہوں اور آپ سے ڈرتا ہوں۔ ہاں کسی صاحب مرتبہ کے ذمے لگاتا ہوں میں نے کہا اے میرے چچا جان! آپ مجھے کس کے سپرد کرو گے انہوں نے کہا۔ وہ یہ شخص ہیں (یعنی علی رضی اللہ عنہ) میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل کر بات کی تو انہوں نے بھی مجھے ویسا ہی جواب دیا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا اور کہا اے چچا جان! جو آدمی مجھے بُرا بھلا کہہ رہا ہے اس کو مجھ سے روک دیں۔ انہوں نے پوچھا۔ وہ کیسا آدمی ہے، میں نے کہا گندمی رنگ کا ہے۔ پست قد ہے اور پیٹ بڑا ہے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان زخم ہے۔ وہ کہنے لگے یہ نعیمان بن حارث نجاری ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نعیمان کو بلوا کر کہا اے نعیمان! ابوسفیان حضور ﷺ کا چچازاد بھائی ہے اور میرا بھتیجا ہے اگر حضور ﷺ ان پر ناراض ہیں تو عنقریب راضی ہو جائیں گے۔ لہٰذا اسے برا بھلا کہنے سے رک جاؤ۔ وہ بڑی کوشش کے بعد بُرا بھلا کہنے سے رُک گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ اب میں ان کے پیچھے نہیں پڑوں گا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ٹھکانے کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ جحفہ چلے گئے۔ نہ مجھ سے آپ ﷺ بات کرتے نہ کوئی مسلمان بات کرتا اور آپ ﷺ جہاں بھی پڑاؤ ڈالتے میں آپ کے دروازے پر بیٹھ جاتا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا جعفر بھی ہوتا۔ آپ جب بھی مجھے دیکھتے تو اعراض فرماتے۔ میں اسی حال میں آپ ﷺ کے ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوا۔ میں اس جماعت میں تھا جو آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتی۔ آپ ﷺ نے ابطح مقام میں پڑاؤ ڈالا۔ میں آپ کے خیمہ کے دروازے کے قریب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے پہلے کی نسبت نرمی سے دیکھا اور شاید آپ مسکرائے بھی۔

آپ کے پاس بنو عبدالمطلب کی عورتیں آئیں ان کے ساتھ میری بیوی بھی تھی۔ اس نے حضور ﷺ کو میرے بارے میں نرم کیا۔ آپ ﷺ مسجد کی طرف نکلے اور میں آپ کے سامنے تھا اور کسی حال میں آپ سے جدا نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ حوازن کی طرف نکلے۔ میں آپ کے ساتھ نکلا۔ اور آپ ﷺ کے مقابلے کے لئے اتنے عرب جمع ہوئے کہ اس سے پہلے اتنے کبھی نہیں ہوئے تھے اور وہ اپنی بیویوں اور بچوں اور جانوروں کو لے کر نکلے۔ جب میں ان سے ملا میں نے جی میں کہا آج حضور ﷺ میری قربانی کو دیکھ لیں گے۔ جب ہم آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے ایسا زوردار حملہ کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ذکر فرمایا۔ ثم ولیتم مدبرین (پھر تم پیٹھ پھیر کے بھاگ گئے) حضور ﷺ اپنی خچری پر ثابت قدم رہے اور آپ نے اپنی تلوار سونت لی میں اپنے ہاتھ میں تلوار سونتے ہوئے گھوڑے سے اتر کر اس میں گھس گیا اور میں نے اس کا تلہ توڑ دیا۔ اللہ جانتا ہے کہ اس سے صرف موت چاہتا تھا اور آپ ﷺ مجھے دیکھ رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی خچری کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔ دوسری جانب سے میں نے پکڑ لیا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یہ آپ کا بھائی اور چچا کا بیٹا ابوسفیان بن حارث ہے آپ ﷺ ان سے راضی ہو جائیں اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس سے راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام دشمنیوں کو بخش دیا۔ آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں ڈالا پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ اے میرے ہم عمر بھائی! پھر آپ نے حضرت عباس ؓ کو حکم فرمایا کہ اعلان کرو۔ یا اصحاب سورۃ البقرۃ یا اصحاب السمرۃ یا للمهاجرين یا للانصار یا للخزرج (اے سورۃ بقرہ والو، اے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو، اے مہاجرین اے انصار، اے خزرج) ان سب نے جواب دیا اے اللہ کے داعی! ہم حاضر ہیں وہ ایک آدمی کی طرح لوٹے۔ اور دنیا میں توڑ ڈالیں۔ اور نیزوں کو سیدھا کر لیا اور نیزوں کے سروں کو جھکا لیا اور طاقتور جوان کی طرح دوڑتے ہوئے آئے میں نے اس ہیئت سے اندیشہ کیا کہ آپ ﷺ کو کہیں تکلیف نہ پہنچ جائے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو گھیر لیا۔ اور مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا۔ آگے بڑھ کر مخالفین پر وار کرو۔ میں نے ایسا حملہ کیا کہ ان سب کو ان کی جگہ سے بھگا دیا۔ آپ ﷺ میرے پیچھے اور قوم کے آگے آ

ہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ہی میں نے انہیں ایک فرسخ کے قریب دھکیل دیا اور وہ ہر طرف بکھر گئے۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس دن آپ ﷺ کو دیکھا آپ کے ساتھ صرف ابوسفیان بن حارث تھے میں نے آپ کے پاس آ کر خچری کی لگام کو پکڑ لیا میری آواز بلند تھی آپ ﷺ نے فرمایا اعلان کروائے انصار کی جماعت اور کیکر کے نیچے بیت والو، تو میں نے اعلان کیا یامعشر الانصار یا اصحاب السمرہ تو صحابہ کرام (میرے اعلان پر) لبیک لبیک کہتے ہوئے اور دوڑتے ہوئے آئے جیسے اونٹ اپنے بچوں کی طرف دوڑتے ہوئے اور آواز نکالتے ہوئے جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسے جلدی سے آئے جیسے اپنی اولاد پر مہربان ہو کر تیزی سے آتی ہے صحابہ کرام نے نیزوں کو سیدھا کیا ہوا تھا یہاں تک کہ مجھے مشرکین کے نیزوں کی بہ نسبت صحابہ کے نیزوں سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچنے کا زیادہ خطرہ لاحق ہو گیا اور بلند آواز سے لبیک لبیک کہہ رہے تھے راوی کہتے ہیں آپ ﷺ اس دن ابوسفیان بن حارث کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ ابوسفیان ہتھیاروں سے لیس تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کی خچری کی لگام پکڑ رکھی تھی آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے ابوسفیان نے (خود ہی جواب دیا) یہ آپ کا ماں شریک بھائی ہے (یا یوں کہا) آپ کا بھائی ابوسفیان بن حارث ہے میرے باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں، میرے بھائی مجھے زمین سے کنکریاں اٹھا کر دو۔ ابوسفیان نے آپ ﷺ کو کنکریاں اٹھا کر دیں تو آپ ﷺ نے وہ کنکریاں کافروں کے چہروں پر پھینکیں اور فرمایا شاھت الوجوہ وہ کنکریاں کافروں پر ایسی گئیں گویا کہ بادل ان پر آ برسا ہے وہ کافروں کی آنکھوں میں جا لگیں جس سے کفار کو شکست ہو گئی۔ ابن عبدالبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوسفیان بن حارث ہمارے پاس سے گزرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ! ادھر آ۔ میں تجھے اپنا وہ چچازاد بھائی دکھاؤں جو شاعر تھا اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا۔ جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو گا اور سب سے اخیر میں نکلے گا اور اپنی نظر ادھر ادھر نہیں پھیرے گا (یہ میرا چچازاد بھائی ہو گا) اور یہ روایت کی جاتی ہے کہ ابوسفیان حضور ﷺ سے حیا کی وجہ سے آپ کی طرف سر نہیں اٹھاتے تھے۔ اور اپنی موت کے وقت انہوں نے کہا میرے اوپر نہ رونا کیونکہ مسلمان ہونے

کے بعد میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ حضور ﷺ کی وفات پر بہت روئے اور یہ اشعار بھی کہے:

اَرِقْتُ وَبَاتَ لَیْلِی لَایَزُوْلُ
وَلَیْلُ اَخِی الْمُصِیبَةُ فِیْهِ طُوْلُ

"رات کو نیند نہ آنے کی وجہ سے میری رات لمبی ہوگئی اور میرے بھائی کی رات کی مصیبت لمبی رہی۔

وَاَسْعَدَنِی الْبُکَاءُ وَذَاکَ فِیْمَا
اُصِیْبَ الْمُسْلِمُوْنَ بِهٖ قَلِیْلُ

اور رونے نے میری مدد کی۔ یہ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کی تکلیف تھوڑی تھی۔

لَقَدْ عَظُمَتْ مُصِیْبَتُنَا وَجَلَّتْ
عَشِیَّةَ قِیْلَ قَدْ قُبِضَ الرَّسُوْلُ

جس رات رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض ہوئی اس رات کو ہماری مصیبت زیادہ اور بڑی ہوگئی۔

فَاَضْحَتْ اَرْضُنَا مِمَّا عَرَاهَا
تَکَادُ بِنَا جَوَانِبُهَا تَمِیْلُ

ہماری زمین کے کنارے اپنے رہائش سے خالی ہونے کی وجہ سے ہماری طرف مائل ہوگئے۔ (یعنی زمین تنگ ہوگئی)

فَقَدْنَا الْوَحْیَ وَالتَّنْزِیْلَ فِیْنَا
یَرُوْحُ بِهٖ وَیَغْدُوْ جِبْرَئِیْلُ

ہم نے وحی کو اور قرآن کو اپنے اندر سے گم کردیا جسے جبرائیل صبح شام لے کر آتے تھے۔

وَذَاکَ اَحَقُّ مَا سَالَتْ عَلَیْهِ
نُفُوْسُ النَّاسِ اَوْ کَادَتْ تَسِیْلُ

جس پر لوگوں کی جانیں بہی ہیں یا بہیں گی اس کے سب سے زیادہ لائق وہ

نبی ﷺ تھے۔

نَبِی کَانَ یَجْلُو الشَّکَّ عَنَّا
بِمَا یُوْحیٰ اِلَیْہِ وَمَا یَقُوْلُ

وہ ایسے نبی تھے جو وحی اور اپنے کلام سے ہمارے شک کو دور کرتے تھے۔

وَیَھْدِیْنَا فَلَا نَخْشٰی عَلَیْنَا
ضَلَالاً وَالرَّسُوْلُ لَنَا دَلِیْلُ

اور ہمیں ہدایت کی رہنمائی کرتے تھے جب تک رسول اللہ ﷺ ہمارے رہبر تھے ہمیں اپنے اوپر گمراہی کا کوئی خوف نہیں تھا۔

اَفَاطِمُ اِنْ جَزِعْتِ فَذَاکَ عُذْر
وَاِنْ لَّمْ تَجْزِعِیْ فَھُوَ السَّبِیْلُ

اے فاطمہ! اگر تو جزع فزع کرے تو یہ بھی عذر کی وجہ سے ہے اور اگر تو جزع فزع نہ کرے تو بہترین طریقہ ہے۔

فَقَبْرُ اَبِیْکِ سَیِّدُ کُلِّ قَبْرٍ
وَفِیْہِ سَیِّدُ النَّاسِ الرَّسُوْلُ

تیرے باپ کی قبر سب قبروں کی سردار ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں"۔

جنگ یرموک میں ایک نوجوان مجاہد کا عشق رسول ﷺ

یرموک کی جنگ رجب ۱۵ھ میں دریائے یرموک کے پاس لڑی گئی۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح تھے اور ان کے ماتحت حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے کمال شجاعت وفراست سے لاکھوں کے رومی لشکر کو شکست دی۔ اس فتح کے نتیجے میں شام، لبنان، اردن اور فلسطین خلافتِ اسلامیہ کا حصہ بن گئے۔ جب مدینے میں فتحِ یرموک کی خوشخبری پہنچی، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

حضرت ورقہ بن مہلہل تنوخی جو جنگ یرموک میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم بردار تھے، کہتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے باب حرب کی کنڈی کھولنے کا ارادہ کیا وہ قبیلہ ازد کا ایک نوجوان، نوعمر اور نہایت عقلمند لڑکا تھا۔ یہ اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا، ایہا الامیر! میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کر کے اپنے دل کو تسکین اور اپنے قلب مضطر کو شفا دوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستہ میں اپنی جان پیش کروں۔ بہت ممکن ہے کہ باری تعالیٰ جل مجدہٗ مجھے جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے بخش دیں۔ کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آپ کی کوئی حاجت اور ضرورت ہو تو آپ مجھ سے بیان کر دیں تا کہ میں اسے عرض کر دوں۔ آپ یہ سن کر روئے اور کہا میرے آقا محمد ﷺ سے میرا سلام کہہ دینا اور عرض کرنا کہ ہمارے رب ذوالجلال نے ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا ہم نے اسے بالکل سچا پایا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ازدی جوان یہ سن کر گھوڑا کودا کے میدان میں آیا اور اپنے لئے حریف کو طلب کرنے لگا۔ رومیوں میں سے اس کے مقابلے کے لئے ایک کافر نکلا جو سبزے گھوڑے پر سوار تھا ازدی نوجوان جس نے اپنی جان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں وقف کر دیا تھا اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھا اور اس کے قریب ہو کے یہ رجزیہ اشعار پڑھنے لگا۔

(ترجمۂ اشعار) نیزہ بازی اور شمشیرزن، نیزے اور شمشیر بُران کے ساتھ ضروری ہے۔ قریب ہے کہ میں پہنچ جاؤں گا جنت الفردوس میں بہت بڑے مرتبہ کو۔"

یہ اشعار پڑھتے ہوئے دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا مگر ازدی نوجوان نے جلدی کر کے اس کے ایک ایسا نیزہ مارا کہ یہ چکرا کے زمین پر آ رہا۔ ازدی نے اس کا گھوڑا اور اسباب اتار کر اپنی قوم میں سے ایک شخص کو سپرد کر دیا اور خود پھر میدان میں پہنچ کر ہل من مبارز کا نعرہ لگایا۔ دوسرا رومی اس کے مقابلے کو نکلا۔ اس نے اسے بھی پہلے کے پاس پہنچا دیا۔ تیسرا آیا اسے بھی چلتا کیا اور چوتھے کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا حتیٰ کہ ایک پانچواں رومی اس کے مقابلہ میں آیا اور اس نے اس ازدی نوجوان کو خداوند تعالیٰ ارحم الراحمین اس پر رحم فرمائیں شہید کر دیا۔ (فتوح الشام، از علامہ

واقدی)

علامہ اقبال نے یرموک کے اسی واقعے کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ نذرِ قارئین ہے:

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروسِ زمینِ شام
اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیرِ عساکر سے ہمکلام
اے بوعبیدہ! رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر و سکوں کا جام
بیتاب ہو رہا ہوں فراقِ رسولؐ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورِ رسالت پناہؐ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق و شوق دیکھ کے پُرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغِ بے نیام
بولا امیرِ فوج کہ وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمدؐ تری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام!
پہنچے جو بارگاہِ رسولِ امیںؐ میں تُو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے!

خواتین کا عشقِ رسول

کہتے ہیں کہ عورت سراپا محبت ہے اور یہ محبت جب کسی سے محبت کرتی ہے تو دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر محبت کرتی ہے، ٹوٹ کر محبت کرتی ہے، دنیا و مافیہا سے ماورا محبت کرتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ جو محورِ عشق و محبت ان سے صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی الفت و پیار کا اپنا رنگ تھا جس میں وہ منفرد و یگانہ تھیں۔ یہ مقدس ہستیاں اپنے محبوب آقا حضرت محمد ﷺ کے آرام کا بھی بے حد خیال رکھتی تھیں اور آپ ﷺ کے آرام و فراغ کی خاطر اپنی ذات کی پروا نہیں کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ سے منسلک اشیاء کو بطور یادگار محفوظ کر لیتی تھیں اور ان اشیا کے استعمال میں جس رنگ عشق و محبت کا اظہار کرتی تھیں وہ بھی بے نظیر تھا۔

حضرت سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا عشقِ رسول

رحمۃ اللعالمین ﷺ اپنے مبارک قدم جس گھر میں لے کر جاتے اس گھر کی قسمت پر عرش و فرش رشک کرتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی صحابیات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ وہ جب اپنے پیارے محبوب سرورِ دو عالم ﷺ کو اپنے گھروں میں دیکھتی تھیں تو ان کا دل موجِ بہاراں کی طرح سے کھل اٹھتا تھا۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ ہوتی تھی۔

حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور دوپہر کو آرام فرمایا کرتے تھے تو حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے مشکیں پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں

کو ایک شیشی میں جمع کر کے رکھ لیتی تھیں اور اس کو دل و جان سے عزیز رکھتی تھیں۔

''ام سلیم! پانی لاؤ''۔ سامنے مشکیزہ لٹک رہا تھا وہ اس میں سے پانی انڈیلنے لگیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''اسے ہی لے آؤ''۔

آپ مشکیزہ لے آئیں تو حضور ﷺ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا۔ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مشکیزے کے اس دہانے (پانی نکالنے کا منہ) کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار محفوظ کر لیا، اس لئے کہ آپ ﷺ کے ہونٹوں نے اس حصے کو چھوا تھا، یہ تھا عشقِ رسول۔ (عشق رسول کریم، نواز رومانی۔ ادبستان لاہور۔ جنوری ۲۰۰۰ء۔ ص ۴۰۵، ۴۰۶)

حضرت اُم سلیمؓ کا بچوں کو حُبِّ رسولؐ کی تعلیم دینا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لختِ جگر تھے۔ ان کے بال بہت بڑے رہتے تھے، ایک روز انہوں نے ارادہ کیا کہ ان کو کاٹ دیں۔ جب آپ کی والدہ ماجدہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ تڑپ اٹھیں، اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا: ''انس! (رضی اللہ عنہ) ان بالوں کو مت کاٹنا، کیونکہ ان بالوں کو نبی کریم ﷺ نے پکڑا تھا''۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی حضور اکرم ﷺ کی محبت سے بھرپور تھی۔ یہاں تک کہ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو آپ نے وصیت کی: ''میرے محبوب آقا و مولا ﷺ کا پسینہ مبارک جو میں شیشی میں بھر کر رکھا کرتی تھی میرے کفن میں شامل کر دینا''۔ اور پھر جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ (عشق رسول۔ ص ۴۰۷)

انہی خاتون کا دلچسپ واقعہ ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کے پاس ہنستے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خنجر لگا رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا، تم اس کا کیا کرو گی؟ تو کہنے لگیں جب بھی کوئی مشرک میرے سامنے آیا، اس کے پیٹ میں گھونپ دوں گی۔

(خواتین اسلام کا مثالی کردار، نذیر محمد مکتبہ، مترجم حبیب اللہ۔ دارالاشاعت سنہ ۱۹۹۱ء۔ ص ۱۲۳)

حضرت سیدہ اُم عمارہؓ کا میدانِ جہاد میں عشقِ رسول

حضرت اُم عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ اُحد میں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ جب فتح شکست میں تبدیل ہوئی اور آپؓ نے حضور اکرم ﷺ کو تنہا دیکھا تو آپ نے مشکیزے کو ایک طرف رکھ دیا اور قریب ہی پڑے ہوئے شہید کی تلوار اٹھائی اور اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئیں تاکہ دشمن کا کوئی تیر یا کوئی ہتھیار آپ ﷺ تک نہ پہنچ سکے۔ جب کوئی قریب آتا تو اس سے بڑی بہادری و جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتی تھیں۔

ابن قیمیہ جو رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا موذی دشمن تھا، وہ جب سامنے آیا تو اس کے ساتھ بہادری سے نبرد آزما ہوئیں۔ اس کو میدانِ جنگ سے مار بھگایا۔ لیکن اس معرکے میں خود کو بھی جسم پر بہت بڑے زخم لگے، مگر اس کے باوجود سینہ سپر ہو کر جنگ کرتی رہیں۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، عمارہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے مردوں سے بڑھ کر بہادری دکھائی ہے، اتنی بہادری کسی اور میں کہاں۔"

پھر رسول کریم ﷺ نے خود ان کے زخموں پر پٹی بندھوائی اور دریافت فرمایا، "تم کیا چاہتی ہو؟" عرض کیا، "اے اللہ کے رسول! میرے لئے دعا فرمائیں کہ آخرت میں بھی آپ کے قدموں میں جگہ نصیب ہو۔"

جب حضور اکرم ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کہنے لگیں "اب دنیا میں کسی مصیبت کی مجھے پرواہ نہیں۔" پھر اپنے زخمی بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اس سے کہا "بیٹا! آخر دم تک دشمنوں سے برسرِ پیکار رہنا۔" (عشق رسول کریم ﷺ۔ ص ۴۰۹)

حضرت سیدہ اسماءؓ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

حضرت سیدہ اسماءؓ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آنحضور ﷺ سے بہت محبت اور عقیدت رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفر کی تیاری کی تو انہوں نے اپنے آقا حضور اکرم ﷺ کا جبہ مبارک اپنی ہمشیرہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا، جو انہوں نے بڑی محبت و ادب سے سنبھال کر رکھا۔

اس جبہ سے حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب گھر میں کوئی فرد بیمار ہوتا تو آپ اپنے محبوب ﷺ کا جبہ مبارک نکال کر دھو کر اس کا پانی مریض کو پلا دیتی تھیں، جس سے وہ صحت یاب

ہو جاتا تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ ﷺ سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ ﷺ کا جبہ مبارک دیکھتیں، آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ نظروں کے سامنے حضور اکرم ﷺ کا عہد مسعود اور حسین و جمیل چہرہ مبارک گھوم جاتا تھا۔ (عشق رسول کریم۔ ص ۲۱۴) اور آپ ﷺ کے فراق میں غمگین ہو جاتی تھیں۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ بنت عتبہ کا حب رسولؐ

آنحضور ﷺ کے پاس بہت سے جاں نثار محبتوں کے دیئے جلائے بیٹھے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عتبہ حاضر خدمت ہوئیں، بڑے ادب کے ساتھ گویا ہوئیں: "یا رسول اللہ! (ﷺ) ایک وہ وقت تھا کہ میں دنیا میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ ﷺ کے مکان کے سوا کوئی اور مکان تباہ ہو اور اب محبت کا یہ عالم ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ دنیا میں کوئی اور مکان رہے یا نہ رہے مگر آپ ﷺ کا مکان قائم رہے۔"

اس محبت کرنے والی خاتون کی بات سماعت فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتیں جب تک تم مجھے اپنی ذات سے بھی زیادہ نہ چاہو۔" عرض کیا: "بے شک یا رسول اللہ! اب میرا یہی حال ہے۔" (عشق رسول۔ ص ۲۱۰) یعنی میں آپ ﷺ سے اپنی ذات سے بھی زیادہ عشق و محبت کرتی ہوں۔

عشق رسول کا تقاضا تعمیل حکم رسولؐ ہے

عہد حاضر میں ہر شخص اور ہر فرقہ عاشق رسولؐ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا پھرتا ہے حالانکہ حقیقی عشق و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی خواہشات، اپنی زندگی آپ ﷺ کے تابع فرمان کر دے۔ عہد نبوی کا واقعہ ہے کہ ایک نوجوان لڑکی از خود رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو گئی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جلیبیب کے لئے ایک انصار لڑکی کے باپ کی طرف پیغام نکاح بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں اس کی ماں سے پوچھوں، آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ تو وہ بندہ گھر گیا، بیوی سے سوال کیا اس نے کہا رسول اللہ ﷺ کو جلیبیب کے علاوہ اور کوئی نہیں ملا۔ حالانکہ ہم نے اس لڑکی کا فلاں فلاں جگہ بھی رشتہ نہیں کیا وہ تو جلیبیب سے لاکھ درجہ بہتر تھے۔ انصار کی لڑکی یہ ساری باتیں کھڑی سن رہی تھی، جب وہ

آنحضرت ﷺ کو اس جواب کی خبر دینے کے لئے لوٹنے لگے تو لڑکی نے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی بات ٹھکرا رہے ہو اگر وہ راضی ہیں تو آپ لوگ نکاح کر دیں۔ گویا لڑکی نے اپنے والدین کے سامنے آکر خود یہ رضامندی ظاہر کی۔ والدین نے کہا بیٹی تم نے سچ کہا ہے۔ فوراً ہی لڑکی کے والد نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کو اگر یہ نکاح پسند ہے تو ہمیں بھی پسند ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں نے تو پسند کیا ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا۔

(خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ترجمہ صفحات نیرات من حیات السابقات۔ نذیر محمد مکتبہ حبیب اللہ۔ دارالاشاعت کراچی سن ۱۹۹۹ء ص ۷۵)

ایک اور جگہ روایت ملتی ہے کہ سعد بن منصور اور ابن عساکر نے مغیرہ بن شعبہ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: "میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا اور اس بات کا میں نے حضور اکرم ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تو نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، دیکھ لے کیونکہ یہ بات تمہارے اندر محبت پیدا کرنے والی ہے۔ یہ سن کر میں نے ان کے والدین کو بتایا تو انہوں نے ایک دوسرے کو تعجب خیز نظروں سے دیکھا تو میں نے انکار سمجھا اور کھڑا ہو کر چل پڑا۔ لڑکی نے پردے کے پیچھے سے آواز دی، اے نوجوان! اگر رسول اللہ ﷺ نے تجھے دیکھنے کا حکم فرمایا ہے تو تُو دیکھ لے۔ فرماتے ہیں، میں نے دیکھ لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمارا نکاح کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ ایسی محبت کرنے والی خاتون میں نے نہیں دیکھی اور نہ اس سے زیادہ عزت کرنے والی۔ یہ تھی خواتین کی آپ ﷺ سے محبت اور محبت کا تقاضا اطاعت ہے خواہ دل کسی حکم کو قبول کرے یا نہ کرے۔ یہ تھیں عاشق رسول خواتین۔ (خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۷۶)

رسول اللہ ﷺ کی محبت و بقا کو پورے خاندان پر ترجیح دینا

حضرت انس ؓ نے فرمایا، جس دن اُحد کی جنگ شروع ہوئی مسلمان منتشر ہو گئے۔ لوگوں نے کہا محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ مدینے میں رونے والی عورتوں کی کثرت ہو گئی۔ ایک انصاری عورت کا باپ، بیٹا، بھائی اور شوہر بھی میدانِ اُحد کی طرف گئے ہوئے تھے، وہ بھی راستے میں ملے۔ خاتون فرماتی ہیں پتہ نہیں کون پہلے ملا، لوگوں نے کہا کہ یہ تیرا

باپ ہے، یہ بھائی ہے، یہ شوہر ہے، یہ بیٹا ہے۔ اس خاتون نے کہا پہلے رسول اللہ ﷺ کی خبر دو۔ انہوں نے کہا وہ سامنے ہیں۔ آپ کے پاس آئی، آپ کی پیشانی سے کپڑا ہٹا دیا اور کہا، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں جب آپ سلامت ہیں کسی کی پرواہ نہیں کہ کون شہید ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا آپ کے بعد ہر مصیبت معمولی ہے یعنی اس محبت کرنے والی خاتون کی نگاہ میں آپ ﷺ کی محبت اور زندگی پورے خاندان سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔ (خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۷۳)

رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنی جان قربان کر دینا

حضرت عبداللہ ﷺ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر دکھا دیجئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردہ ہٹایا اور قبر دکھائی وہ عورت روضۂ مبارک دیکھتے ہی رو پڑی، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ (خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۷۳)

خواتین کے حُبِ رسول کا اظہار میدانِ جنگ میں

خواتین نے آپ ﷺ سے عشق و محبت کا اظہار صرف زبان سے نہیں کیا بلکہ عملاً آپ کے دفاع اور اسلام کے فروغ میں حصہ لیا۔ بعض مؤرخین خواتین کے حُبِ رسولؐ کے اس پہلو کو انفرادی واقعات کہہ کر نظر انداز کر جاتے ہیں جو کہ مناسب نہیں۔ میں یہاں چند واقعات اس حوالے سے پیش کر رہی ہوں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہادری

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ جب خندق والی جنگ ہو رہی تھی آپ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو حسان بن ثابت ﷺ کے گھر میں جو قلعہ جیسا تھا رکھ دیا تھا۔ ایک یہودی جاسوسی کی غرض سے آیا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حسان ﷺ کو کہا کہ آپ جا کر قتل کر دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نہیں گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور ڈنڈا مار کر اس کو ہلاک کر دیا۔ اُحد کی جنگ میں جب لوگوں نے

شکست کھائی تو آپ واپس آنے والے مسلمانوں کے منہ پر نیزہ مارتی تھیں اور انہیں واپس کرتی تھیں کہ جاؤ دشمن سے لڑو۔ پسپائی مت اختیار کرو۔ (خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۲۴)

ایک اور مسلم خاتون کا کردار

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بنت معوذ سے نقل کیا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ میدانِ جنگ میں جاتے تھے۔ زخمیوں کو پانی پلانا، ان کی مرہم پٹی اور شہداء کو مدینے میں لے کر آنا ہمارا کام تھا اس کے علاوہ دیگر خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ (خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۱۲۵)

ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سات غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کی

امام احمد، امام مسلم، امام ابن ماجہؒ نے اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں شریک ہوئی ہوں۔ میں سامان کے پاس ہوتی، کھانا پکاتی تھی، زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی اور زخمیوں کا علاج کرتی تھی۔

(خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۱۲۵)

ام عمارہؓ کا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف جذبہ حُبّ رسولؐ

اُم عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کا نام نسیبہ بنت کعب انصاریہ ہے۔ یہ بہت عظیم خاتون تھیں۔ آپ غزوۂ خیبر، حنین اور اُحد میں شریک ہوئیں۔ فاروق اعظم ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں اُحد کے دن میں جس طرف دیکھتا تھا یہ عورت اسی طرف سے میرا دفاع کر رہی ہوتی تھی۔ اُم عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اُحد کے دن لڑی، مجھے اس میں بارہ زخم آئے۔ ایک زخم گہرا گردن میں تھا، اس پر مرہم لگایا اتنے میں منادی نے کہا کہ حمراً الاسد میں جمع ہو جائیں۔ میں نے پٹی باندھ کر خون بند کر دیا اور وہاں چلی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت میں مرتدین والے جہاد میں اُم عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شریک ہوئی تھیں۔ جب مسیلمہ کذاب کو اللہ نے قتل کرا دیا، تب واپس لوٹیں، انہیں بارہ زخم لگے تھے۔

یہ زخم صرف اسی ایک جہاد کے تھے۔

نسیبہ بنت کعب کو جب اپنے بیٹے حبیب بن زید کے قتل کی اطلاع ملی جو مسیلمہ کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ تو انہوں نے قسم کھائی کہ یا مسیلمہ کو ماروں گی یا شہید ہو جاؤں گی تو وہ خالد بن ولید کے ساتھ یمامہ گئیں۔ مسیلمہ مارا گیا اور اس جہاد میں ان کا ایک بازو کٹ گیا تھا۔ (خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۱۲۵)

ابن ہشام نے اُم سعد بنت سعد بن ربیع کے واسطے سے لکھا ہے، میں اُم عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہوا اور کہا کہ خالہ مجھے کوئی بات سنایئے۔ فرمانے لگیں کہ میں غزوۂ اُحد میں گئی۔ میرے ساتھ مشکیزہ تھا اس میں پانی تھا ہم اور آپ ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کے پاس آئے۔ اس وقت جنگ اور اس کے منافع مسلمانوں کے لئے تھے۔ جب مسلمان شکست کھانے لگے، میں رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹی، میں آپ کے ساتھ مل کر لڑ رہی تھی اور تلوار کے ساتھ آپ ﷺ کے دشمنوں کا دفع کر رہی تھی۔ انہیں تیرے سے مارتے مارتے میں خود زخمی ہو گئی۔ آپ ﷺ کے کاندھے پر گہرا زخم لگا تھا۔

(خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۱۲۶)

اُم حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلی مسلمان عورت جو سوار ہو کر سمندر پار لڑنے کی غرض سے گئیں

حضور ﷺ نے اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں آرام فرمایا۔ جب آپ جاگے تو فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ مجھے دکھائے گئے جو دریا پر سوار ہو کر بادشاہوں کی طرح لڑنے کے لئے جائیں گے جہازوں کشتیوں پر۔ اُم حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! دعا کریں کہ میں ان میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو انہی میں سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس خاتون سے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے شادی کی یہ بھی ان کے ساتھ نکلیں۔ جب دریا عبور کیا تو سواری پر سوار ہو کر جا رہی تھیں اور گر پڑیں پھر شہید ہو گئیں۔ یہ غزوہ قبرص تھا۔ وہیں دفن کی گئیں اور اس لشکر کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سنہ ۲۷ھ میں یہ لڑائی ہوئی اور شہادت کی طلب کر

خاتون کی آرزوئیں پوری ہوئیں۔

اللہ کے راہ میں شہید ہونے والی دلہن اور اس کے دولہا کا جذبہ شہادت

اُم حکیم بنت حارث رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں آیا ہے کہ وہ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ لڑنے کے لئے گئیں۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ان سے خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔ جب حرج الصفر میں جنگ ہوئی، خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ شب عروسی کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ ایک دن انتظار کرتے تا کہ اللہ کفار کو شکست دے دیتا تو بہتر ہوتا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا، میرے دل میں آتا ہے کہ شاید میں شہید ہو جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی مرضی۔ صبح ہوئی تو خالد رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کیا۔ کھانے سے ابھی فارغ نہیں ہوئے تھے، رومی آ گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، ان کے کپڑوں پر شادی کے رنگ کے نشانات باقی تھے۔ اسی لڑائی میں اُم حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی دن شہید ہوئیں۔ جس خیمہ میں ان کی شادی ہوئی تھی، انہوں نے اس جنگ میں اس خیمے کے بانس سے سات رومی قتل کئے اور پھر خود بھی شہید ہو گئیں۔ (خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۱۲۷)

حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عشق رسول ﷺ اور اپنے بیٹوں کو شہادت کی وصیت کرنا

جب لوگ قادسیہ میں جمع ہوئے تو خنساء بنت عمرو بن شرید سلمیہ نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا، ان کو وصیت کی اور کہا اے میرے بیٹے! تم اسلام لا کر فرمانبردار بن گئے اور ہجرت کر کے پسندیدہ بن گئے۔ اللہ کی قسم تمہارے گھر سے باہر نہیں گئی اور نہ میں تم پر جبر کرتی ہوں اور نہ تمہارے ہلاک ہونے کی طمع کرتی ہوں۔ اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم ایک ہی باپ کے بیٹے ہو جس طرح ایک ماں کے ہو۔ میں نے تمہارے باپ کی خیانت نہیں کی اور نہ تمہارے خالو کو رسوا کیا اور نہ تمہارے نسب کو تبدیل کیا اور نہ تمہاری عزت کو خراب کیا اور نہ ہی تمہاری عزت کو بے آبرو کیا ہے اور تم جانتے ہو کہ اللہ نے کافروں کے ساتھ لڑنے میں کتنا بڑا

اجر لکھا ہے اور یاد رکھو آخرت کا گھر دنیا کے گھر سے بہتر ہے۔ جب صبح ہو جائے تو اپنے دشمنوں سے لڑائی کیلئے جاؤ اللہ سے اپنے دشمنوں پر مدد مانگو۔ اور جب تم دیکھو کہ جنگ بھڑک چکی ہے اور اس کے شعلے بھڑک اٹھیں اور آگ اپنے اندر داخل ہونے والوں پر لپکے تو اس کے شعلوں میں گھس جاؤ اور ان کے آگے اگلے محاذ پر جا کر لڑو، غنیمت اور سلامتی کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ۔ کامیابی اور عزت کے ساتھ جنت میں ہمیشہ والا گھر بنا لو۔ تو اس کے بیٹے اس کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے نکلے اور جب صبح ہوئی تو وہ میدان جنگ میں کود پڑے اور ایک ایک کر کے شہید ہوتے گئے۔ جب ان کے قتل کی خبر خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ملی، انہوں نے کہا الحمد للہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے جس نے ان کی شہادت کے ذریعے ہمیں عزت دی اور میں اُمید کرتی ہوں کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں ان کے ساتھ اکٹھا کر دیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے چاروں بیٹوں کا وظیفہ ان کی والدہ کو دیتے تھے اور ہر ایک کا وظیفہ دو سو درہم تھا۔
(خواتین اسلام کا مثالی کردار۔ ص ۱۷۵)

ان مختصر روایات سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں مردوں کی طرح خواتین میں بھی بے پناہ حُبِ رسول ﷺ موجزن تھا۔ بلکہ ان کی زندگی پر غالب تھا۔ آج اگر ہماری بہنیں ان واقعات کو اپنے لئے راہ عمل بنا لیں تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ جلد انقلابی تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

✿✿✿✿✿

اصحابِ رسول ﷺ کا گستاخانِ رسول سے معاملہ
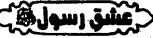
اس باب میں مستند حوالوں سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کرنے والے ملعونوں سے اصحابِ رسول نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا، اور جو صورت بھی بن پڑی اس سے کامیاب و کامران گزرتے ہوئے اپنے عشقِ لازوال کی بدولت گستاخانِ رسول کو جہنم واصل کیا۔

عقبہ بن ابی معیط ...... حضرت علی ﷜ کی تلوار کی دھار پر

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط جب بھی سفر سے واپس آتا تو دعوت عام کرتا جس میں اہل مکہ شریک ہوتے۔ یہ اکثر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا حضور کی باتیں سنتا اور انہیں پسند کرتا۔ ایک دفعہ وہ سفر سے واپس آیا تو اس نے حسب دستور دعوت عام کا اہتمام کیا اور حضور ﷺ کو بھی دعوت دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک تو مشرف با اسلام نہ ہو میں تیری دعوت قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ ابی بن خلف سے عقبہ کا بڑا یارانہ تھا۔ اس نے سنا تو آ کر کہا: اے عقبہ سنا ہے تو مرتد ہو گیا ہے۔ اس نے کہا ہرگز نہیں، میں نے محض ایک غرض کے لئے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ ابی کہنے لگا، میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا، جب تک تو اس کے پاس جا کر ایسی ایسی گستاخیاں نہ کرے۔ عقبہ اپنے یار کو خوش کرنے کے لئے حضور ﷺ کے پاس گیا اور ساری گستاخیاں کیں جن کی فرمائش اس کے یار نے کی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے رخ انور پر تھوک دیا (معاذ اللہ)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی تھوک کو آگ کا انگارہ بنا کر لوٹایا اور اس کے منہ پر دے مارا جس سے اس کا منہ جل گیا اور مرتے دم تک گالوں پر داغ رہا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جب سرزمین مکہ سے باہر تیری ملاقات ہوگی تو علوت رامسک بالسیف (تیرا سر تلوار سے اڑا دوں گا)۔ یہ بات اس کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔ کئی سال بعد جب اہل مکہ بدر کی طرف جانے لگے تو اس نے پہلوتہی کرنا چاہی۔ اور کہا تم کو معلوم ہے اس شخص نے مجھے جو دھمکی دی تھی اور جو بات ان کے منہ سے نکلی ہے پوری ہو کر رہتی ہے۔ مجھے یہیں رہنے دو۔ انہوں نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو۔ پہلے تو اس کے غالب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض محال کوئی ایسی صورت پیش آ بھی گئی تو تمہارے پاس تیز رفتار سرخ اونٹ ہے اور اس پر سوار ہو کر جانا۔ چنانچہ اسے اپنی بدبختی لے گئی۔ کفر کو شکست ہوئی، یہ اپنے اونٹ کو لے کر بھاگا لیکن وادیوں کے پیچ وخم میں الجھ کر رہ گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے حکم سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے

اس کا سر قلم کر دیا۔ قیامت کے روز یہ جب قبر سے اٹھے گا تو اس کی حسرت و ندامت کی یہ حالت ہو گی جو اس آیت مذکور میں ہے:

یٰویلتی لیتنی لم اتخذ فلانًا خلیلا. (الفرقان:۲۸)

''اے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو دوست اپنا''

خالد بن سفیان الہذلی...... عبداللہ بن انیس ﷺ کے ہاتھوں فی النار

خالد بن سفیان الہذلی اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیا کرتا اور لوگوں کو ان کے خلاف اکساتا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف مہم چلانے کے لئے نخلہ یا بقول دوسروں کے عرینہ جانے کے لئے روانہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو خالد الہذلی کا قصہ تمام کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ عبداللہ بن انیس بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور کہا کہ انہوں نے خالد بن سفیان الہذلی کے نخلہ میں ایک لشکر جمع کر کے حملہ کرنے کی خبر سنی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں جا کر اس کو ختم کر دوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا حلیہ بتانے کی درخواست کی انہوں نے فرمایا: اگر تم اس کو دیکھ پاؤ گے تو وہ تمہیں شیطان کی یاد دلائے گا۔ مزید یہ کہ وہ ہر وقت کانپتا رہتا ہے۔''

ایک تلوار سے لیس ہو کر میں اس کی تلاش میں نکلا۔ جب میں نے اس کو دیکھا تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے میں نے پہلے عصر کی نماز پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ نماز ختم کرنے کے بعد میں نے اسے دیکھا تو ہو بہو جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ویسے کانپ رہا تھا۔ اس کے ارد گرد خواتین کا ایک پڑا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں جس کے جواب میں، اپنی اصلی شناخت چھپاتے ہوئے میں نے کہا کہ میں ایک عرب ہوں جس نے سنا ہے کہ خالد الہذلی ایک فوج جمع کر رہا ہے ایک شخص کے خلاف جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول (ﷺ) ہونے کا اعلان کر چکا ہے۔ میں ایسی فوج میں شامل ہونے کے لئے آیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ فی الواقع وہ ایک ایسی فوج جمع کر رہا ہے میں کچھ

دیر اس کے ساتھ چلتا رہا اور جیسے ہی موقع ملا، میں نے تلوار سے وار کر کے اس کو موت سے ہمکنار کر دیا۔ اپنے مامور مقصد کی تکمیل کے بعد میں نے تیزی سے راہ فرار اختیار کی جب کہ اس کی عورتیں اس کی لاش پر بین کر رہی تھیں۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں واپس ہوا، انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا:

''عبداللہؓ جس نے اپنے مقصد مامور کی تکمیل کی، زندہ باد!''

میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ میں نے اسے موت کی نیند سلا دیا ہے۔

جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم فی واقع سچ کہہ رہے ہو۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے گھر لے گئے اور مجھے ایک چھڑی عطا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں ہمیشہ اپنے پاس رکھوں اور ارشاد فرمایا:

''میرے اور تمہارے درمیان، روز جزا یہ ایک نشانی ہوگی۔''

پس عبداللہ رضی اللہ عنہ نے چھڑی کو تلوار کے ساتھ باندھ لیا اور یہ ان کے آخری دم تک ان کے پاس رہی۔ یہ ان کے ساتھ قبر میں دفن کی گئی۔ (سیرت ابن ہشام ۱۰۳۲/۲)

ملعون ابوعفک حضرت سالمؓ بن عمیر کے ہاتھوں جہنم واصل

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو ابوعفک ۱۲۰ سال کا بوڑھا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شدید دشمنی کا اظہار کیا تھا اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔ بدر کی فتح عظیم کے بعد اس نے عداوت میں اور تند و تیزی پیدا کی اور نظمیں لکھنی شروع کر دیں جن میں غیظ اور گستاخانہ زبان استعمال کی۔ جب اسلام کے پکے دشمن الحارث بن سوید بن صامت کو موت کی سزا دی گئی تو ابوعفک نے ایک نظم لکھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گالیوں بھری اور ہتک آمیز زبان استعمال کی، نیز اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اور ٹھٹھا اڑایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظم سنی تو کہا:

''تم میں سے کون اس غلیظ بدکردار آدمی کو ختم کرے گا؟''

سالمؓ بن عمیر نے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ ابوعفک کے پاس گیا وہ سو رہا تھا اور اس کے جگر میں تلوار اتنے زور سے بھونکی کہ بستر کے پار نکل گئی۔ ابوعفک چیخا، اس کے آدمی لپک کر آئے بھی لیکن اس کو بچانے کے لئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ (سیرت ابن ہشام ۲/۱۰۵۱)

ملعون مقیاس بن صبابہ، حضرت نمیلہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مردار

مقیاس پہلے مسلمان تھا۔ اس کا بھائی اتفاقیہ ایک مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا لیکن اس نے بدلہ لیتے ہوئے اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہو کر مکہ فرار ہو گیا اور دشمنان اسلام سے مل گیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تند و تیز طعن و تشنیع کے حملوں کی مہم شروع کی جس کے نتیجے میں آپ نے اس کو موت کا سزاوار ٹھہرا کر اس حکم کے جلد از جلد تعمیل ہونے کے لئے کہا۔ حضرت نمیلہؓ بن عبداللہ نے جو مقیاس کے اپنے ہی قبیلے کے تھے، آپ کے حکم کی بجا آوری کی اور مرتد کو قتل کر دیا۔

(سیرت ابن ہشام ۲/۸۶۸)

معاویہ بن مغیرہ کو موت کی سزا

معاویہ بن مغیرہ ایک دشمن اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے معرکۂ بدر میں حصہ لیا جہاں وہ قیدی ہوا اور مدینہ لایا گیا۔ ایک دفعہ جب وہاں پہنچ گیا تو اس نے حلف اٹھایا کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی نہیں دے گا یا اسلام کے خلاف دشمنانہ کاروائیوں میں حصہ لیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر دیا اور وہ واپس مکہ چلا گیا۔ لیکن جیسے ہی یہ کافر جنگلی حیوان مکہ پہنچا، اس نے اپنا حلف توڑ دیا اور پھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدزبانی کرنے لگا اور دشمنان اسلام کے ساتھ مل گیا۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ وہ پھر قید ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے ایک بار اور معافی طلب کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے، اس کی بات رد کر دی:

"ایک سچا مسلمان ایک ہی سانپ سے دو بار کبھی بھی نہیں ڈسا جاتا، اے معاویہ بن مغیرہ! تم کبھی بھی مکہ نہیں جا سکو گے کہ کہو: میں نے محمد کو دوبارہ دھوکہ دیا ہے۔ خوب

غور سے سنو! ایک سچا مسلمان دوبارہ نہیں ڈسا جا سکتا۔ اے زبیر! اے عاصم! اس کا سر قلم کردو۔"

اور اس حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ (بخاری شریف)

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بشر نامی منافق کا انجام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"بشر نامی منافق کا ایک یہودی سے کوئی جھگڑا تھا۔ وہ اس کو فیصلے کے لئے یہودی سردار کعب بن اشرف کے پاس لے جانا چاہتا تھا جو کہ دشمن اسلام تھا اور جسے قرآن نے "طاغوت" کا نام دیا تھا لیکن یہودی معاملے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا جنہوں نے معاملہ کو سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ مگر منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو مسترد کردیا اور آپ کے پاس سے جانے کے بعد آپ کی شان میں بدکلامی کی۔ منافق نے یہودی سے پھر رجوع کیا اور تجویز کیا کہ معاملے کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کرتے ہیں۔ ان کا فیصلہ دونوں پر لازم ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور معاملہ ان کے سامنے پیش کیا۔ یہودی نے یہ بھی بیان کردیا کہ وہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا چکے ہیں جنہوں نے اس کے حق میں فیصلہ کیا تھا لیکن بشر نے اس کو مسترد کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہ دونوں ثالثی کے لئے ان کے پاس آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بشر سے پوچھا کہ آیا جو کچھ یہودی نے کہا وہ صحیح ہے۔ جب منافق بشر نے اپنے ہی بے حرمتی کے فعل کی تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں انتظار کرنے کو کہا کہ وہ گھر کے اندر سے کوئی چیز لے آئیں۔ وہ تلوار لے کر واپس آئے اور بشر کا سر یہ کہتے ہوئے قلم کردیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو رد کرنیوالوں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کا صرف ایک یہی طریقہ ہے۔ اس کے بعد اس واقعہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ وحی نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) "(اے محمد! ﷺ) کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو اعلان کرتے ہیں کہ وہ

اس پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوا اور ان پر جو تم سے پہلے تھے۔ وہ جھگڑے میں طاغوت کو اپنا منصف ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کو حکم ہے کہ اسے رد کر دیں لیکن شیطان کی خواہش ہے کہ ان کو صحیح راستے سے گمراہ کر دے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے، اللہ کے نازل کردہ کلام اور اس کے رسول ﷺ کی جانب آؤ، تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے زچ ہو کر اپنے منہ پھیر لیں گے۔" (سورۃ النساء: ۶۰)

حضرت جبرائیل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ اور اس پر تعمیل کی تصدیق کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"عمر رضی اللہ عنہ نے حق مطلق اور کذب کے درمیان واضح فرق کیا ہے۔"

اس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب "الفاروق" ہو گیا۔ (الکشاف، القرطبی)

عمیر بن عدی ﷺ کے ہاتھوں عصمہ بنت مروان کا قتل

جب عفک اپنے موت کے انجام کو پہنچا تو عصمہ بنت مروان نے مسلم معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنے کی خاطر منافقانہ کردار ادا کیا۔ اپنی ایک نظم میں اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک اور بے حرمتی کی۔ اسے اسلام اور اس کے پیروکاروں سے سخت نفرت تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کلام سنا تو فی الفور اپنے صحابہ سے اس مروان کی نا خلف بیٹی سے چھٹکارا حاصل کرنے کو کہا۔ عمیرؓ بن عدی الخطمی عصمہ کے اپنے ہی قبیلے کا ایک نومسلم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر، عصمہ کے گھر گیا اور اسی رات اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسری صبح اس نے آپ کو حکم کی اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس کو خوشخبری سنائی کہ اس نے اللہ اور رسول اللہ کی مدد کی ہے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں عمیر رضی اللہ عنہ کی ان الفاظ میں تعریف کی:

"اگر ایسا شخص دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور رسول اللہ کی مدد و معاونت کی تو عمیر کو دیکھ لو۔"

جب عصمہ انجام کو پہنچی تو اس کے قبیلے والوں میں بڑا ہیجان واضطراب ہوا۔ اس

لئے عمیر اپنے قبیلے میں گئے اور ان سے خطاب کیا:

''اے بنی خطمہ! میں نے عصمہ بنت مروان کو قتل کیا ہے۔ اگر بدلے کا سوچ رہے ہو تو میرے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

اس سے بنو خطمہ کو بڑا دھچکا لگا، ان کو احساس ہو گیا کہ ان کے قبیلے میں بھی اسلام نے قوت و طاقت حاصل کر لی ہے۔ پھر تمام کے تمام قبیلے نے جب اسلام کے وقار و عظمت کو دیکھا تو اسے قبول کر لیا۔ (سیرت ابن ہشام ۲/۱۰۵۲)

توہین رسالت کی مرتکب عورتوں کا قتل

عرب میں توہین رسالت کے مرتکب کفر گو بے حرمتی کرنے والے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ چند عورتیں طاقت ور سرداران قریش کی منکوحہ تھیں اور اس لئے ایسے ماحول کی پروردہ تھیں جہاں انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی مراعات یافتہ حیثیت کو اسلام سے خطرہ ہے۔ کچھ اور گانے والی لڑکیاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھیں۔ ایک زمرے میں وہ عورتیں تھیں جن کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت نے اندھا کر رکھا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے:

''ایک نابینا مرد کی شادی ایک کنیز سے ہوئی تھی۔ وہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بات کرتی تو بدزبانی کرتی۔ اس کے خاوند نے منع کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ سرزنش بھی اس کے گستاخانہ اور بے حرمتی کے رویے سے اسے باز نہ کر سکی۔ ایک رات جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بدکلامی شروع کی تو اس کے نابینا خاوند نے اسے چاقو مار کر ہلاک کر دیا۔ اس کے پاس پڑے ہوئے بچے پر بھی خون لتھڑ گیا۔ صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں کو اپنے پاس جمع ہونے کے لئے کہا۔ پھر آپ نے با آواز بلند کہا:

''خدا کی قسم! جس شخص نے یہ کام کیا ہے میں اس سے درخواست کرتا ہوں، مجھے پورا اختیار ہے کہ میں اس سے کھڑا ہو جانے کے لئے کہوں۔''

دوسرے لوگوں کے کندھوں سے ٹھوکریں کھاتا ہوا اور خوف سے لرزاں نابینا اٹھا اور سب کے سامنے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، چلا گیا۔ اس نے کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس عورت کو قتل کیا ہے۔ وہ آپ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ میں نے اپنی بہترین کوشش کر دیکھی لیکن وہ سنتی ہی نہیں تھی۔ میں نے اس کی سرزنش بھی کی لیکن وہ اپنی بدعادت ترک نہیں کرتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے موتیوں جیسے دو بیٹے ہیں۔ وہ میری محبوبہ ساتھی تھی لیکن گئی رات حسب معمول اس نے آپ کو گالیاں بکنی شروع کر دیں۔ اس باعث میں نے اس کو قتل کر دیا۔''

نابینا کی سرگزشت سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''اے (حاضرین مجمع!) گواہ رہو کہ اس کا خون بہانا لازم تھا اور اس کے لئے بدلہ یا انتقام نہیں۔''

حضرت شعبی سے روایت ہے:

''ایک نابینا مرد ایک یہودیہ کے گھر بسیرا کیا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اسے کھانا مہیا کرتی۔ وہ مہمان نواز اور نابینا پر ترس کھاتی لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بدزبانی بھی کیا کرتی تھی۔ ایک رات جب وہ اپنے معمول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں بکنے میں مصروف تھی تو نابینا اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے یہودیہ کا گلا گھونٹ دیا۔ صبح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ کام کس نے کیا ہے نابینا سامنے پیش ہوا اور پورا ماجرا سنایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیہ کے نازیبا رویے کا علم ہوا تو آپ نے اس قتل کو جائز قرار دیا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''مدینہ منورہ میں ایک یہودیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتی تھی، اور آپ کی عظیم شخصیت کے خلاف بدزبانی بھی کرتی تھی، ایک غیرتمند مسلم نے اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔ اس واقعہ کی تحقیق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون بہا کو جائز قرار دیا۔ اس واقعہ کو ابوداؤد، نسائی اور ابن بطا نے بھی روایت کیا ہے۔''

عصماء بنت مروان کے واقعہ کی تفصیل

عصماء بنت مروان بنی امیہ بن زید کے خاندان سے تھی وہ یزید بن زید بن حصن الخطمی کی بیوی تھی یہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء وتکلیف دیا کرتی۔ اسلام میں عیب نکالتی اور نبی ﷺ کے خلاف لوگوں کو اکساتی تھی۔ عمیر بن عدی الخطمی کو جب اس عورت کی ان باتوں اور اشتعال انگیزی کا علم ہوا تو کہنے لگا:

"اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں نذر مانتا ہوں اگر تو نے رسول اللہ ﷺ کو بخیر وعافیت مدینہ منورہ لوٹا دیا تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا"۔

رسول اللہ ﷺ اس وقت بدر میں تھے۔ جب آپ ﷺ غزوہ بدر سے واپس تشریف لائے تو عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر میں داخل ہوئے۔ تو اس کے اردگرد اسکے بچے سوئے ہوئے تھے۔ ایک بچہ اسکے سینے پر تھا جسے وہ دودھ پلا رہی تھی۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے عورت کو ٹٹولا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ عمیر نے بچے کو اس سے الگ کر دیا۔ پھر اپنی تلوار اسکے سینے پر رکھ کر اسے دبایا کہ وہ تلوار پشت سے پار ہو گئی۔

پھر نماز فجر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کی جب نبی اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو عمیر کی طرف دیکھ کر فرمایا کیا تم نے بنت مروان کو قتل کیا ہے؟ کہنے لگے جی ہاں۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول!۔

عمیر کو اس بات سے ذرا ڈر سا لگا کہ کہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف تو قتل نہیں کیا۔ کہنے لگے، اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اس معاملے کی وجہ سے مجھ پر کوئی چیز واجب ہے؟ فرمایا دو بکریاں اسمیں سینگوں سے نہ ٹکرائیں۔ پس یہ کلمہ رسول اللہ ﷺ سے پہلی مرتبہ سنا گیا۔

عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اردگرد دیکھا پھر فرمایا اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا پسند کرتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔ (الصارم المسلول ۱۳۰)

بنی عمرو بن عوف کا ایک شیخ جسے عفک کہتے تھے وہ نہایت بوڑھا آدمی تھا اسکی عمر ۱۲۰ سال تھی جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو یہ بوڑھا لوگوں کو آپ ﷺ کی عداوت پر بھڑکاتا تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا جس وقت رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف نکلے غزوہ بدر میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی تو اس شخص نے حسد کرنا شروع کر دیا اور بغاوت و سرکشی پر اتر آیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مذمت میں ہجو کرتے ہوئے ایک قصیدہ کہا۔

اس قصیدے کو سن کر سالم بن عمر نے نذر مان لی کہ میں ابو عفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے خود مر جاؤں گا۔ سالم موقع کی تلاش میں تھا۔ موسم گرما کی ایک رات ابو عفک قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے صحن میں سویا ہوا تھا سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ اسکی طرف آئے اور اسکے جگر پر تلوار رکھ دی جس سے وہ بستر پر چیخنے لگا۔ لوگ اس کی طرف آئے جو اس کے اس قول میں ہم خیال تھے وہ اسکے گھر لے گئے۔ جس کے بعد اسے قبر میں دفن کر دیا اور کہنے لگے اسکو کس نے قتل کیا ہے؟ اللہ کی قسم اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے تو اسکو ضرور قتل کر دیں گے۔ (الصارم المسلول ۱۳۸)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی ضربِ شمشیر سے کعب بن اشرف یہودی قتل

کعب بن اشرف ایک سرمایادار متعصب یہودی تھا اسے اسلام سے سخت عداوت اور نفرت تھی جب مدینہ منورہ میں بدر کی فتح کی خوش خبری پہنچی۔ تو کعب کو یہ سن کر بہت صدمہ اور دکھ ہوا۔ اور کہنے لگا، اگر یہ خبر درست ہے کہ مکہ کے سارے سردار اور اشراف مارے جا چکے ہیں تو پھر زندہ رہنے سے مر جانا بہتر ہے۔

جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو کعب بن اشرف مقتولین کی تعزیت کے لئے مکہ روانہ ہوا مقتولین پر مرثیے لکھے، جن کو پڑھ کر وہ خود بھی روتا اور دوسروں کو بھی رُلاتا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف قتال کے لئے لوگوں کو جوش دلاتا رہا۔

مدینہ واپس آ کر اس نے مسلمان عورتوں کے خلاف عشقیہ اشعار کہنے شروع کر دیے اور رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں بھی اشعار کہے۔ کعب مسلمانوں کو مختلف طرح کی

ایذائیں دیتا۔ اہل مکہ نے کعب سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا دین؟ تو اس نے جواب دیا کہ تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی ان حرکات کی وجہ سے اس کے قتل کا پروگرام بنایا اور قتل کے لئے روانہ ہونے والے افراد کو آپ ﷺ بقیع کی قبرستان تک چھوڑنے آئے۔ چاندنی رات تھی پھر فرمایا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: (مَنْ لِکَعْبِ بنِ الْاَشْرَفِ، فَاِنَّہٗ قَدْاٰذَی اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ؟) فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلَمَۃَ فَقَالَ: اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَتُحِبُّ اَنْ اَقْتُلَہٗ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاْذَنْ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ شَیْئاً، قَالَ.))

(رواہ البخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن الاشرف۔
رواہ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب قتل کعب بن الاشرف طاغوت الیھود)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف دی ہے اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی:

اے اللہ کے رسول! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ میں اسے قتل کر آؤں؟

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، مجھ کو یہ پسند ہے۔

محمد بن مسلمہ نے عرض کی، پھر آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دے دیں یعنی ایسے مبہم کلمات اور ذو معنیٰ الفاظ جنہیں میں کہوں اور وہ سن کر خوش وخرم ہو جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اجازت ہے۔

محمد بن مسلمہ، کعب بن اشرف کے پاس آئے آکر اس سے کہا کہ یہ شخص (اشارہ حضور اکرم ﷺ کی طرف تھا) ہم سے صدقہ مانگتا ہے اس نے ہمیں تھکا مارا ہے اس لئے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ جواباً کعب نے کہا، ابھی آگے دیکھنا اللہ کی قسم بالکل اُکتا جاؤ گے۔

محمد بن مسلمہ نے کہا، چونکہ ہم نے اب ان کی اتباع کرلی ہے جب تک ہم اس کا انجام نہ دیکھ لیں اسے چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ میں تم سے ایک دووسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔

کعب نے کہا، میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔

محمد بن مسلمہ نے کہا، تم کیا چیز چاہتے ہو، کہ میں گری رکھ دوں۔

کعب نے کہا، اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔

محمد بن مسلمہ نے کہا تم عرب کے خوبصورت جوان ہو تمہارے پاس ہم اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں۔

کعب نے کہا، پھر اپنے بیٹوں کو گروی رکھ دو۔

محمد بن مسلمہ نے کہا، ہم اپنے بیٹوں کو گروی کس طرح رکھ سکتے ہیں۔ کل انہیں اس پر ہر کوئی گالیاں دے گا کہ آپ کو ایک دو وسق غلے کے عوض گروی رکھا گیا تھا۔ یہ ہمارے لئے بڑی عار ہوگی البتہ ہم آپ کے پاس اپنے اسلحہ کو گروی رکھ سکتے ہیں جس پر کعب راضی ہو گیا محمد بن مسلمہ نے کعب سے کہا میں دوبارہ آؤں گا۔

دوسری دفعہ محمد بن مسلمہ کعب کے پاس رات کے وقت آئے۔ انکے ہمراہ ابو نائلہ بھی تھے یہ کعب کے رضائی بھائی تھے۔ پھر انہوں نے اسکے قلعے کے پاس جا کر آواز دی وہ باہر آنے لگا۔ تو اسکی بیوی نے کہا مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہے کعب نے جواب دیا کہ یہ تو محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں اگر شریف آدمی کو رات کے وقت بھی نیزہ بازی کیلئے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ کے ہمراہ ابو عبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر بھی تھے۔

محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ جب کعب آئے تو میں اسکے سر کے بال ہاتھ میں لوں گا اور اسے سونگھنے لگوں گا۔ جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اسکا سر مضبوطی سے پکڑ لیا ہے تو پھر تم اسکو قتل کر ڈالنا۔ کعب چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کا جسم خوشبو سے معطر تھا۔

محمد بن مسلمہ نے کہا، میں نے آج سے زیادہ عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔

کعب نے کہا، میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو عطر میں ہر وقت بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں۔

محمد بن مسلمہ نے کہا، کیا مجھے تمہارے سر کو سونگھنے کی اجازت ہے؟

کعب نے کہا، اجازت ہے۔

محمد بن مسلمہ نے کعب کا سر سونگھا اسکے بعد اسکے ساتھیوں نے سونگھا پھر انہوں نے کہا، دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے؟

کعب نے کہا، اجازت ہے۔

پھر جب محمد بن مسلمہ نے پوری طرح سے اسے قابو کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

پھر رات کے آخری حصے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دیکھتے ہی فرمایا "اَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ" ان چہروں نے فلاح پائی اور کامیاب ہوئے انہوں نے جواباً عرض کیا "وَوَجْهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" سب سے پہلے آپکا چہرہ مبارک۔ اے اللہ کے رسول ﷺ اسکے بعد کعب بن اشرف کا قلم کیا ہوا سر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا تو آپ ﷺ نے الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (فتح الباری ۷/۳۲۱)

عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ابو رافع یہودی کا قتل

ابو رافع ایک مالدار یہودی تھا یہ خیبر میں رہتا تھا غزوہ احزاب میں اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے والا اور انکی مالی امداد کرنے والا یہی شخص تھا اس نے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی دشمنی میں اپنے مال کو خرچ کیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دیتا تھا جس وجہ سے آپ ﷺ نے اس یہودی تاجر کے قتل کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِلٰى اَبِيْ رَافِعِ الْيَهُوْدِيِّ رِجَالًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَتِيْكٍ وَكَانَ اَبُوْ رَافِعٍ يُؤْذِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَيُعِيْنُ عَلَيْهِ))

(رواہ البخاری، کتاب المغازی باب قتل ابی رافع عبد اللہ بن ابی الحقیق)

رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کے قتل کے لئے چند انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور عبد اللہ بن عتیک کو ان کا امیر مقرر فرمایا ابو رافع رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دیا کرتا تھا اور

آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ وہ حجاز میں اپنے قلعے کے اندر رہتا تھا جب یہ اس کے قلعے کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے جانور لے کر اپنے گھروں کو واپس آ چکے تھے۔ عبداللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہ تم لوگ یہیں ٹھہرے رہو۔ میں اس قلعے پر جا رہا ہوں اور اندر جانے کی کوئی تدبیر نکالتا ہوں۔ تاکہ اندر جانے میں کامیاب ہو جاؤں چنانچہ وہ آئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر انہوں نے خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپا لیا جیسے قضائے حاجت کر رہا ہو۔ قلعے کے تمام آدمی اندر داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے آواز دی۔ اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا ہے تو جلدی آجا۔ اب میں دروازہ بند کر دوں گا۔ عبداللہ بن عتیک نے کہا، میں بھی اندر چلا گیا اور چھپ کر اسکی کاروائی دیکھنے لگا جب تمام لوگ اندر آ گئے۔ تو دربان نے دروازہ بند کر کے چابیوں کا حلقہ ایک کیل پر لٹکا دیا۔ جب سارے لوگ سو گئے۔ تو میں اٹھا۔ اور چابیوں کا حلقہ اتار کر قلعے کا دروازہ کھول لیا۔

ابورافع اپنے خاص بالا خانے میں تھا جب داستان گو اُس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ تو میں اس کمرے کی طرف چڑھنے لگا۔ میں جتنے دروازے اس تک پہنچنے کیلئے کھولتا اندر سے بند کرتا چلا جاتا تھا کہ اگر اس قلعے کے لوگوں کو میرے بارے میں علم بھی ہو جائے تو اس وقت تک یہ لوگ میرے پاس نہ پہنچ سکیں جب تک میں اسے قتل نہ کر لوں۔ بالآخر میں اسکے قریب پہنچ گیا وہ اس وقت ایک تاریک کمرے میں اپنے بال بچوں کے درمیان سو رہا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کہاں ہے میں نے آواز دی۔ اے ابورافع۔ وہ بولا کون؟ اب میں نے آواز کی طرف بڑھ کر ایک ضرب لگائی اس وقت میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا اسی وجہ سے میں اس کا کام پہلی ضرب میں تمام نہیں کر سکا۔ وہ چلایا۔ تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر تک باہر ہی رہا پھر دوبارہ اندر گیا اب میں نے آواز بدل کر پوچھا۔ ابورافع یہ آواز کیسی تھی۔ وہ بولا تیری ماں ہلاک ہو۔ ابھی ابھی مجھ پر کسی نے تلوار سے وار کیا ہے۔ عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں میں نے پھر آواز کی طرف بڑھ کر ایک اور ضرب لگائی۔ اب وہ کافی زخمی ہو چکا تھا لیکن مرا نہیں تھا اب میں نے تلوار کی نوک اسکے پیٹ پر رکھ کر دبائی جو اسکی پیٹھ تک پہنچ گئی اب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے

اب میں نے ایک ایک کر کے دروازے کھولنے شروع کیے آخر میں ایک زینے پر پہنچا۔ میں نے یہ سمجھا کہ زمین تک پہنچ چکا ہوں اس لئے میں نے اپنا پاؤں زمین پر رکھدیا تو میں نیچے گر پڑا۔ چاندنی رات تھی اس طرح گر پڑنے سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ لیا اور آ کر دروازے پر بیٹھ گیا میں نے یہ پروگرام بنایا کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں اسے قتل کر چکا ہوں یا نہیں۔ اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤنگا جب مرغ نے آواز دی تو اسی وقت قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، انہیں کہا جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا ہے چنانچہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپکو اس کی اطلاع دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ ﷺ نے میرے پاؤں پر اپنا دست مبارک پھیرا جس سے پاؤں ایسے ہو گیا جیسے کبھی اسمیں تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

ایک روایت میں عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ٹوٹنے کا ذکر ہے جبکہ بخاری شریف کی ہی دوسری روایت میں پاؤں پر چوٹ کا ذکر ہے دونوں باتوں میں اختلاف نہیں ہے ممکن ہے کہ پنڈلی بھی ٹوٹ گئی ہو اور پاؤں پر بھی چوٹ آئی ہو۔

معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ملعون ابو جہل کا انجام

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

بدر کی لڑائی میں، میں صف کے ساتھ کھڑا ہوا تھا میں نے جب دائیں بائیں جانب دیکھا تو میرے دونوں طرف قبیلہ انصار کے دو نوعمر لڑکے تھے میں نے آرزو کی کاش میں ان سے زبردست زیادہ عمر والوں کے درمیان میں ہوتا اتنے میں ایک نے میری طرف اشارہ کیا اور پوچھا، اے چچا۔ کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں بھتیجے لیکن تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ لڑکے نے جواب دیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مجھے وہ مل گیا تو

وقت تک میں اس سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ ہم میں سے کوئی جس کی قسمت میں پہلے مرنا ہوگا مر نہ جائے۔ مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی پھر دوسرے نے اشارہ کیا اور وہی باتیں اس نے بھی کہیں۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ مجھے ابوجہل دکھائی دیا جو لوگوں میں گھومتا پھر رہا تھا میں نے ان لڑکوں سے کہا جس کے متعلق تم لوگ مجھ سے پوچھ رہے تھے وہ سامنے پھرتا ہوا نظر آ رہا ہے دونوں نے اپنی تلواریں سنبھالیں اور اس پر جھپٹ پڑے اور حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو خبر دی رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، کہ تم دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے؟ دونوں نوجوانوں نے کہا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے اس لئے آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ انہوں نے عرض کی، نہیں! پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں تلواروں کو دیکھا اور فرمایا کہ تم دونوں ہی نے اسے مارا ہے اور اس کا سارا سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو ملے گا اور وہ دونوں نوجوان معاذ بن عفراء اور دوسرے شخص معاذ بن عمرو بن جموح تھے۔ بعض روایات میں ابوجہل کے قاتل معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما عفراء کے بیٹوں کو بتلایا گیا ہے ممکن ہے یہ لوگ بھی بعد میں شریک قتل ہو گئے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ ابوجہل کے قتل سے بڑے خوش ہوئے اور سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا "هٰذا فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" یہ اس امت کا فرعون ہے۔

(رواہ البخاری۔ کتاب فرض الخمس باب من لم یخمس الاسلاب)

گستاخ رسول ﷺ کو قتل کرنے والے کی شہادت

حضرت حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا اس میں عبداللہ بن رواحہ اور جابر رضی اللہ عنہ بھی تھے جب مشرکین نے صف آرائی کی۔ تو ان میں ایک آدمی نے سامنے آ کر رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا، تو اس نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں اور میری ماں فلاں عورت ہے آپ مجھے اور میری ماں کو گالی دے لو اور رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے سے رک

جاؤ۔ اس سے وہ اور مشتعل ہوگیا پھر اس نے اور گالیاں دینی شروع کردیں مسلمان نے اپنے پہلے کلمات پھر دہرائے۔ پھر تیسری مرتبہ کہا کہ اگر تم نے پھر اس کلمے کو لوٹایا تو میں تلوار لے کر تجھ پر چڑھ جاؤں گا۔

اس نے پھر وہی کلمہ دہرایا۔ مسلمان نے اس پر حملہ کردیا مشرک پیچھے ہٹا۔ مسلمان نے اس کا تعاقب کیا اور مشرکین کی صفوں کو پھاڑتے ہوئے اپنی تلوار سے اس پر وار کردیا مشرکوں نے مسلمان کو گھیرے میں لے کر شہید کردیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَعَجِبْتُمْ مِنْ رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ.

"کیا تمہیں ایسے آدمی پر تعجب ہوا ہے جس نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی مدد کی"۔

پھر اس آدمی کے زخم درست ہو گئے اور وہ اسلام لے آیا اس شخص کو رحیل کہا جاتا تھا۔

(الصارم المسلول ص ۱۷۸)
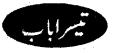
صلحاءِ امت کا
اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے
اظہارِ عشق و عقیدت

اس باب میں حضرت امام ابو حنیفہ اور دیگر اعیانِ امت، تابعین تبع تابعین، ائمہ کرام، سلاطینِ اسلام، صوفیاء کرام، محدثین اور علماء اُمت کے حالاتِ زندگی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عشق اور آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے دائمی تمسک کے زریں واقعات پیش کیے گئے ہیں۔

✿✿✿✿

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقتضائے حدیث پر شوقِ عمل

عمرو بن ہشیم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شعبہ کا رقعہ لے کر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ عصر کا وقت تھا۔ آپ نے مسجد ہی میں عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور عشاء کے بعد مجھے ہمراہ لے کر دولت کدہ پر تشریف لائے کھانا کھلایا اور ایک بستر پر مجھے لٹا دیا اور خود ایک گوشہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور تمام رات پڑھتے رہے جب صبح ہوئی تو مجھے اٹھایا اور وضو کا پانی لا کر دیا اور مسجد میں تشریف لائے۔ صبح کی نماز پڑھ کر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہے کہ اچانک ایک سانپ مسجد کی چھت سے آپ پر گرا۔

اور آپ نے اس کے سر پر پیر رکھ دیا اور آرام سے بیٹھے رہے خدا کی یاد اور اس کے ذکر میں اطمینان سے مصروف رہے جب سورج طلوع ہوا تو آپ نے یہ دعا پڑھی۔

الحمدللّٰہِ الّذی اطلعھا من مطلعھا اللّٰھمّ ارزُقنا خیرَھا وخَیرَ ما طلعت فیھا. (مناقب موفق ص ۲۵۰)

''تمام تعریفیں ہیں اس خدا کے لئے جس نے سورج کو اس کے مطلع سے نکالا اے اللہ! ہم کو اس کے اور جس پر اس کا طلوع ہوتا ہے اس کے خیر سے بہرہ ور فرما۔''

اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے سانپ کو مارنے کا حکم دیا اور اتنی دیر آپ نہایت آرام اور سکون و وقار سے اپنی جگہ بیٹھے خدا کی یاد میں مشغول رہے جب اشراق کی نماز پڑھی تو پیش آمدہ واقعہ کے پیش نظر امام صاحب نے ایک حدیث سنائی کہ حضورؐ کا ارشاد ہے

ومن صلّی الفجر ولم یتکلم الا بذکر اللّٰہ تعالیٰ حتی تطلع الشمس کان کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ.

''جس نے صبح کی نماز پڑھی اور سورج نکلنے تک سوائے ذکر خدا کے اور کچھ زبان سے نہ کہا وہ مثل مجاہد فی سبیل اللہ کے ہے''۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحب کو حدیث کے مقتضاء پر عمل کرنے کا کت

شوق تھا جان چلی جائے مگر اقتضائے حدیث معمول میں آجائے اور اس واقعہ سے امام صاحب کے عالمانہ وقار اور تحمل کی ایک جھلک بھی سامنے آجاتی ہے۔

(اسی واقعہ کے قریب واقعہ حدائق الحنفیہ، عقود الجمان ص ۲۴۷ اور خیرات الحسان میں بھی منقول ہے...... یہ واقعہ ایک ہی ہو۔)

ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نذرانۂ عقیدت بارگاہ رسالت میں

ذیل میں امام اعظم ابوحنیفہ کے عربی اشعار جو بارگاہ رسالت میں بطور ہدیۂ عقیدت کے پیش کئے گئے ہیں نقل کر دیئے جاتے ہیں کہ احسانی کیفیات میں عشق رسول ہی سب سے بڑی دولت ہے جس نے امام اعظم کو قدرت نے مالا مال کر دیا تھا۔

یا سید السادات جئتک قاصدًا

ارجوا رضاک واحتمی بحماک

اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں آپ کی خوشنودی کا امیدوار، آپ کی پناہ کا طلب گار۔

واللہ یا خیر الخلائق انّ لی

قلبا مشوقا لا یروم سواک

اللہ کی قسم اے بہترین خلائق! میرا دل صرف آپ کی محبت سے لبریز ہے، وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں۔

انت الذی لولاک ما خلق امرءٌ

کلا ولا خلق الوریٰ لولاک

آپ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا اور اگر مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں۔

انت الذی لما توسل ادمُ

من زلة بک فاز وھو اباک

آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدم نے آپ کا توسل اختیار کیا اپنی لغزش پر،

تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپؐ کے جد بزرگوار ہیں۔

وبک الخلیل دعا فعادت نارہٗ

برداً وقد خمدت بنور سناکٗ

اور آپؐ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعا کی تو ان کی آگ سرد ہوگئی، وہ آپؐ کے نور کی برکت سے بجھ گئی۔

ودعاک ایوب لضر مسّہٗ

فازیل عنہ الضرحین دعاکٗ

اور حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری میں آپؐ کے وسیلے سے دعا کی تو ان کی دعا مقبول ہوئی اور بیماری دور ہوگئی۔

وبک المسیح اتی بشیراً مُخبراً

بصفات حسنک مادحاً العلاکٗ

اور آپؐ ہی کے ظہور کی خوشخبری لے کر حضرت مسیحؑ آئے انہوں نے آپؐ کے حُسن و جمال کی مدح وثنا کی اور آپؐ کے رتبہ بلند کی خبر دی۔

وکذاک موسی لم یزلْ مُتوسِّلاً

بک فی القیٰمۃِ محتمی بحماکٗ

اور اسی طرح حضرت موسیٰ بھی آپ کا وسیلہ اختیار کیے رہے اور قیامت میں بھی آپؐ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے۔

وھودٌ یونس من بھاک تجمّلا

وجمالُ یوسف من ضیاءِ سناکٗ

اور حضرت ہودؑ اور حضرت یونسؑ نے بھی آپؐ ہی کے حُسن سے زینت پائی اور حضرت یوسفؑ کا جمال بھی آپؐ ہی کے جمال باصفا کا پرتو تھا۔

قدفقتَ یاطٰہٗ جمیع الانبیآءِ

طرًّا فسبحٰن الذی اسراکٗ

اے طٰہٰ لقب! آپ کو تمام انبیاء پر برتری حاصل ہوئی۔ پاک ہے وہ جس

نے ایک رات کو اپنے ملکوت کی سیر کرائی۔

واللّٰہ یاسینُ مثلک لم یکن

فی العٰلمین وحقِّ من انباکٗ

خدا کی قسم! اے یٰسین لقب! آپؐ جیسا تو تمام مخلوق میں نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا، قسم ہے اُسی کی جس نے آپ کو سر بلند کیا۔

عن وَّصفکَ الشُّعراٰءُ یامُدَّثِرُ

عجزوا وکلوا من صفاتِ عُلاکٗ

اے کملی والے! آپؐ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعرأ عاجز رہ گئے، آپؐ کے اوصافِ عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔

بک لی قلیب مُغرم یاسیدی

وحشةُ محشوّۃ بھواکٗ

میرے سرکار! میرا حقیر دل آپؐ ہی کا شیدا ہے اور میرے اندر تو آپؐ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے۔

یااکرم الثقلین یا کنز الوریٰ

جدلی بجودکَ وارضنی برضاکٗ

اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر، اے حاصلِ کائنات! مجھے اپنی بخشش و عطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشئے۔

انا طامع بالجودِ منکَ ولم یکن

لابی حنیفۃَ فی الانام سواکٗ

میں آپؐ کے جود و کرم کا دل سے طلبگار ہوں کہ اس جہان میں ابو حنیفہؒ کے لئے آپؐ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

صلّٰی علیک اللّٰہ یاعلم الھُدیٰ

ماحنَّ مُشتاق الٰی مثواکٗ

اے ہدایت کے علمِ سر بلند! مشتاقانِ زیارت کے شوقِ بے حد کے مطابق

قیامت تک اللہ کا درود وسلام آپ ؐ پر نازل ہوتا رہے۔

جھوٹے نبی سے علاماتِ نبوت کی طلب کفر ہے

امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔لوگوں نے اسے گرفتار کرلیا شاید سزا دیتے ہوں یا بحث ومناظرہ کرتے ہوں۔ بہرحال جھوٹے نبی نے لوگوں سے کہا:

"مجھے قدرے مہلت دے دو کہ تمہارے سامنے اپنی نبوت کے علامات اور صداقت کے نشانات پیش کردوں"۔

لوگوں نے اس سے علامات نبوت کے طلب کرنے یا دیکھنے میں قدرے تامل کیا کہ چلو یہ بھی دیکھ لینا چاہئے۔

امام اعظم نے فرمایا۔نہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے۔جھوٹے نبی سے علامات نبوت کی طلب کفر ہے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

"لانبی بعدی"...... "میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔"

جھوٹے نبی سے علامات نبوت کی طلب امکان نبوت کی غماضی ہے جس سے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کی صداقت اور ختم نبوت میں شک پڑنے کا اندیشہ ہے جو موجب کفر ہے۔

احیاءِ سنت کی منامی بشارتیں

امام اعظم ابوحنیفہ مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے تو بڑی توجہ، انہاک اور شبانہ روز محنت سے طلبہ ومستفیدین کو علم فقہ پڑھانے میں مشغول ہوئے۔

اس دوران اچانک خواب دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک اکھیڑ کر جسد اطہر کے مختلف حصوں کو جمع کر رہے ہیں۔خود امام صاحب راوی ہیں کہ جب میں نے یہ خواب دیکھا تو اس سے گھبرا گیا۔طبیعت میں اضمحلال پیدا ہوا۔انقباض رہنے لگا۔حتیٰ کہ تعلیم وتعلم اور تدریس فقہ بھی معطل ہوگئی۔درسگاہ چھوڑ دی اور گھر میں بیٹھ گیا۔جب طلبہ اور مستفیدین کو اس کا علم ہوا تو بڑے پریشان ہوئے۔میرے گھر آتے اور ملاقات کرتے اور

بڑے اصرار سے کہتے! آپ کی بظاہر صحت تو ٹھیک ہے۔ بدن تندرست ہے کوئی بیماری اور بخار کے اثرات نہیں ہیں تو پھر آپ کیوں سبق نہیں پڑھاتے۔

جب اصرار بڑھا تو میں نے ان کو اپنا خواب بیان کر دیا۔ تا کہ حقیقت عذر ان پر بھی واضح ہو جائے۔

تو انہوں نے بڑے احترام سے کہا حضرت! کوئی ایسی بات نہیں اللہ بہتری فرمائے گا یہاں علم تعبیر رویاء کے ماہر علامہ ابن سیرین رہتے ہیں ہم ان کو بلا لائیں گے۔

امام صاحب نے فرمایا نہیں، ان کو یہاں زحمت دینا مناسب نہیں۔ میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور خواب کا سارا قصہ کہہ سنایا۔ امام ابن سیرین فرمانے لگے۔

جی ہاں! معلوم ہوتا ہے اور مجھے یقین ہے یہ قصہ آپ کا ہے۔

میں نے عرض کیا جی ہاں! یہ خواب میں نے دیکھا ہے۔

تو انہوں نے ارشاد فرمایا: اے ابوحنیفہ! جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اگر یہ واقعہ ہے تو آپ کو اقامت دین اور احیاء سنت کے لئے ایسا علم حاصل ہوگا جو آپ سے پہلے کسی کو نہیں ملا۔ اور آپ علم کی بہت سی وسعتوں پر حاوی ہوں گے۔ حضور اقدس ﷺ کی جو سنتیں مٹ چکی ہیں وہ آپ کے علم کی وجہ سے زندہ ہوں گی۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے اسے اپنے لئے عظیم بشارت سمجھا۔ اس سے مجھے فرحت وسرور اور خوشی ونشاط حاصل ہوا۔ دوبارہ درسگاہ میں آنا شروع کیا۔ اسباق اور علم فقہ کی تدریس میں مشغول ہو گیا۔ اور علم وفقہ میں کوشش کی۔ اور آج بحمد اللہ علم کے بہت سے گوشے زندہ ہوئے۔ **اللّٰهم اجعل عاقبته الی الخیر۔**

(مناقب موفق ص ۶۲، ۶۳ ومناقب کردری ص ۱۴۷)

پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثوں کا انتخاب

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے حمادؒ کو بہت سی وصیتیں کی تھیں جن میں سے ایک وصیت یہ تھی۔

"ان تعمل بخمسة احادیث جمعتھامنخمس مائة الف حدیث انماالاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی،من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه،لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه،ان الحلال بین والحرام بین وبینھمامشتبھات لایعلمھن کثیرمن الناس فمن اتقی الشبھات استبرالدینه وعرضه ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کراعٍ یرعی حول الحمیٰ یوشک ان یقع فیه اَلاَوان لکل ملکٍ حمًی الاوان حِمَی اللّٰه محارمهٗ الاوان فی الجسدمضغة اذاصلحت صلح الجسد کله واذافسدت فسدالجسد کله وھی القلب، المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"

"(اے میرے پیارے بیٹے) پانچ حدیثوں پر عمل کرنا جنہیں میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، دوسری حدیث یہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز (دنیا یا آخرت میں) اس کے فائدہ مند نہ ہو اس کو چھوڑ دے، تیسری حدیث یہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ چوتھی حدیث یہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) بلاشبہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے سو جو شخص شبہ والی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کرلیا اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ جائے گا جیسا کہ چرواہا اپنا ریوڑ (کسی کھیت کی) باڑھ کے قریب چرائے تو عنقریب ایسا ہوگا کہ کھیت میں بھی اس کا ریوڑ چرنے لگے گا۔ خبردار ہر بادشاہ نے (اپنے قانون وضع کر کے ایک) باڑھ لگادی ہے اور اپنی

رعایا کے لئے، حد بندی کر دی ہے۔ بلاشبہ اللہ کی حد بندی کی ہوئی چیزیں وہ ہیں جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے، خبردار انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو گا تو سارا جسم درست ہو جائے گا اور جب وہ ٹکڑا بگڑ جائے گا تو سارا جسم بگڑ جائے گا، خبردار وہ ٹکڑا دل ہے۔ پانچویں حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۴ء) ''مصابیح الدجیٰ شرح مصابیح الہدیٰ'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۸۵ھ) فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جن میں سے چار ہزار آٹھ سو حدیثیں میں نے اپنی اس کتاب (سنن ابی داؤد) میں جمع کر دی ہیں جو سند کے لحاظ سے صحیح کے قریب ہیں۔

انسان کو دین پر عمل کرنے کے لئے ان میں سے چار حدیثیں کافی ہیں''۔[1]

پھر آپ نے وہی چار حدیثیں ذکر فرمائی جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی وصیت میں نمبروار ذکر فرمائی ہیں''۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے آخری لمحات

ابراہیم بن الجراحؒ کہتے ہیں کہ میں امام ابو یوسفؒ کے مرضِ وفات میں ان کی عیادت کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سوال کیا۔

''ابراہم! بتایئے، حاجی کے لئے افضل طریقہ کون سا ہے؟ وہ پیدل رمی کرے یا سوار ہو کر؟''

میں نے عرض کیا: ''پیدل کرنا افضل ہے''

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: ''یہ درست نہیں۔''

''پھر سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''نہیں'' امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا۔ ''یہ بھی درست نہیں۔''

پھر خود ہی فرمایا: جس رمی کے بعد کوئی اور رمی ہو اس کا پیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد کوئی اور رمی نہ ہو، اسے سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔''

ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ مجھے مسئلہ معلوم ہونے سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ابو یوسفؒ ایسی بیماری کی حالت میں بھی علمی مذاکرات کے کتنے شوقین ہیں؟ اس کے بعد میں ان کے پاس سے اٹھا اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ گھر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ہیں۔

(معارف السنن مولانا البنوری مدظلہم، ص ۴۷۴، ۴۷۵ ج ۶ بحوالہ البحر الرائق و فتح القدیر)

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری لمحات

حضرت امام ابوزرعہؒ عبداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فرّوخ رازی رحمۃ اللہ (م ۲۶۴ھ) علم حدیث کے مشہور امام ہیں اور اس فن میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے ہمسر سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت امام مسلم، حضرت امام ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ کے استاذ ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''صحیح احادیث کی تعداد سات لاکھ سے اوپر ہے اور اس نوجوان (یعنی ابوزرعہؒ) نے چھ لاکھ حدیثیں حفظ کر لی ہیں۔''

امام ابوزرعہؒ خود کہا کرتے تھے کہ:

''مجھے ایک لاکھ حدیثیں اس طرح یاد ہیں جس طرح کسی شخص کو ''قل ھو اللہ'' یاد ہوتی ہے۔''

تاریخ میں آپ کی وفات کا عجیب واقعہ منقول ہے۔ ہم یہ واقعہ مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

ان کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہے، ابوجعفر تستری کہتے ہیں کہ ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے اس وقت ابو حاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی

ایک جماعت وہاں موجود تھی ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللّٰہ اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللّٰہ کی تلقین کیا کرو) مگر ابوزرعہؒ سے شرمارہے تھے، اوران کو تلقین کی ہمت نہ ہورہی تھی، آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہیے، چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتداء کی حدثنا الضحاک بن مخلدعن عبدالحمیدبن جعفر اوراتنا کہہ کررک گئے باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی، اس پر ابوزرعہؒ نے اسی جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا حدثنابندار حدثنا ابو عاصم حدثنا عبدالحمید بن جعفرٍ عن صالح بن ابی عریب عن کثیربن مرۃ الحضرمی عن معاذبن جبل قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم "من کان آخر کلامہ لاالٰہ الا اللّٰہ، اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ طائر روح قفس عنصری سے عالم قدس کی طرف پرواز کرگیا، پوری حدیث یوں ہے "من کان آخر کلامہ لاالٰہ الااللّٰہ دخل الجنۃ (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ "لاالٰہ الااللّٰہ" نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا۔)

مولانا فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا خوش نصیب تھے اور حدیث شریف سے ان سعید روحوں کو کیسا گہرا تعلق تھا کہ دمِ واپسیں تک علم وعمل کا ساتھ رہا رضی اللہ عنہ"

صحیح بخاری کی تالیف وترتیب

ایک دن امام بخاریؒ اسحاق بن راہویہؒ کی مجلس میں حاضر تھے۔ اسحاق بن راہویہؒ کے احباب نے کہا کہ اچھا ہوا اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی توفیق دے کہ سنن میں ایسا کوئی مختصر مجموعہ تیار کرے جس میں صرف وہ صحیح حدیثیں ہوں جو صحت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہوں تاکہ عمل کرنے والے بلاخوف وتردد مجتہدین کی طرف مراجعت کئے بغیر اس پر عمل پیرا ہوں امام بخاری کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوگئی اور اسی وقت سے اس "جامع" کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ چھ لاکھ حدیثوں کے اس ذخیرے میں سے جوان کے پاس موجود تھا، انتخاب شروع کیا، جو ان میں صحیح ترین تھیں ان پر اکتفا کیا اور بعض وہ احادیث جو اسی درجے پر صحیح تھیں، ان کو طوالت کے خوف یا کسی دوسرے سبب سے چھوڑ بھی گئے۔ امام

بخاریؒ جب کسی حدیث کو لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اول غسل کر کے دو رکعت نفل ادا کرتے تھے تو پھر اس کو لکھتے، چنانچہ سولہ سال کے عرصے میں اس انتخاب سے پائی۔

جب اس کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کی ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دی جائے (اس کو اصلاحِ محدثین میں "ترجمہ الباب" کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا، ہر "ترجمے" پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ الغرض امام بخاری کی حسن نیت کا نتیجہ تھا کہ یہ "جامع" اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی میں ہی اس کو نوے ہزار آدمیوں نے آپ سے بلا واسطہ سنا، جن میں سب آخری "فربری" ہیں اور آج کل ان کی روایت ہی علو اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہے۔ امام بخاریؒ کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہ کیا جائے گا۔

کیوں میں نے بفضل اللہ کسی کی غیبت نہیں کی۔

طریق صالحین کے مطابق امام بخاریؒ کو بھی محنت و ابتلاء یہ پیش آیا کہ خالد بن احمد ذہلی امیر بخارا نے ان کو اس امر کی تکلیف دینی چاہی کہ اس کے مکان پر آ کر اس کے بیٹوں کو "جامع" اور "تاریخ" اور دوسری کتابوں کا درس دیں۔ امام بخاریؒ نے جواب دیا کہ یہ حدیث کا علم ہے، میں اس کو ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تم کو غرض ہے تو اپنے بیٹوں کو میری مجلس میں بھیج دیا کرو تا کہ دوسرے طلبہ کی طرح وہ بھی علم حاصل کریں۔ امیر نے کہا، کہ اگر ایسا ہے تو جس وقت میرے بیٹے آپ کے پاس آئیں آپ دوسرے طلبہ کو اپنی خدمت میں نہ آنے دیں۔ میرے دربان اور چوب دار دروازے پر تعینات رہیں گے۔ میری نخوت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ جس مجلس میں میرے بیٹے موجود ہوں وہاں جولاہے دھنیے بھی ان کے ہم نشین ہوں۔ امام بخاریؒ نے اس کو بھی قبول نہ کیا اور فرمایا کہ یہ علم، پیغمبر کی میراث ہے۔ اس میں ساری امت شریک ہے۔ کسی کو کوئی خصوصیت نہیں۔ اس گفت و شنید سے مذکورہ امیر امام بخاریؒ سے رنجیدہ ہو گئے۔ طرفین میں کدورت بڑھتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید کہ امیر مذکور نے ابن ابی الورقاء اور اس وقت کے دوسرے علمائے ظاہری کو اپنے ساتھ ملا لیا اور امام بخاریؒ کے مسلک پر طعن کرنے لگے اور ان کے اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک

محضر تیار کرایا اس حیلے بہانے سے "بخارا" سے ان کو نکال دیا۔ امام بخاریؒ وہاں سے روانہ ہوئے تو انہوں نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ اے اللہ ان لوگوں کو اس میں مبتلا کر جس میں وہ مجھ کو کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی ایک ماہ بھی پورا گزرنے نہ پایا تھا کہ خالد بن احمد معزول ہوئے۔ خلیفہ کا حکم پہنچا کہ ان کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں گھمائیں۔ انجام کار ان کو کامل تباہی کا سامنا ہوا، جیسا کہ کتاب تاریخ میں لکھا ہوا اور مشہور ہے۔ حریث ابن ابی ورقاء کو بھی بے حد رسوائی اور فضیحت کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان کا وقار خاک میں مل گیا۔ نیز اس وقت کے ان علماء کو بھی جو امام بخاریؒ کے درپے تذلیل اور (خالد بن احمد) مشورے میں شریک تھے، پوری پوری آفت پہنچی۔ امام بخاریؒ اس بے کسی کی حالت میں نیشاپور گئے۔ جب وہاں کے امیر سے بھی نہ بنی تو وہاں سے مراجعت کر کے خرتنگ تشریف لائے (یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو سمرقند سے تین فرسخ (دس میل) کے فاصلے پر واقع ہے۔) سنہ ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ عید کے دن نماز ظہر کے بعد دفن کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. امام بخاریؒ کی عمر ۶۲ سال کی ہوئی۔

چنانچہ کہا گیا "ولد فی صدق وعاش حمیداً ومات فی نور" اس جملے میں صدق کے اعداد ۱۹۴، ان کی پیدائش، حمید کے اعداد ۶۲، ان کی عمر اور نور کے اعداد ۲۵۶، ان کی وفات کا سال ظاہر کرتے ہیں۔

عبدالواحد طوسیؒ نے جو اس زمانے کے صلحا اور اکابر اولیاء میں سے تھے، خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے احبابؓ کے برسر راہ منتظر کھڑے ہیں۔ انہوں نے سلام کر کے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کا انتظار ہے؟ آپؐ نے فرمایا محمد بن اسماعیل امام بخاریؒ کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے چند روز بعد ہی میں نے امام بخاریؒ کی وفات کی خبر سنی۔ جب میں نے لوگوں سے وقت وفات کی تحقیق کی تو وہی ساعت معلوم ہوئی جس میں، میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں منتظر دیکھا تھا۔

حضرت فروخؒ اور فکر امت

حضرت فروخؒ تابعی تھے دین کو پھیلانے کے لئے اللہ کے راستے میں نکلے اور

واپسی ۲۷ سال کے بعد ہوئی اور بیوی بھی ایسی مجاہدہ کہ ۲۷ سال تک پتہ نہ چلایا کہ شوہر زندہ ہے یا شہید ہو گیا۔ نہ کوئی خط نہ اتہ نہ پتہ بس اپنے چھوٹے بچے کی پرورش میں لگی رہی، حتیٰ کہ وہ بچہ جوان ہو گیا۔

ستائیس (۲۷) سال بعد انکے والد گھر واپس آئے۔ گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ ربیعہ باہر نکلے تو دروازہ پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا دشمن خدا تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے۔ فرّوخ نے جواب دیا دشمن خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے۔ دونوں میں یہاں تک گفتگو بڑھی کہ باہم دست وگریباں ہو گئے۔ یہ شور ہنگامہ سن کر پاس کے آدمی جمع ہو گئے۔ یہاں آکر دیکھا تو دونوں آدمی گھتے ہوئے تھے۔

ربیعہ، فرّوخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھ کو حاکم شہر کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ فرّوخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے۔ اتنے میں حضرت مالک بن انسؒ پہنچ گئے اور فرّوخ سے کہا بڑے میاں آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جایئے، اس وقت فرّوخ نے اپنا تعارف کرایا کہ بنی فلاں کا غلام ہوں، میرا نام فرّوخ ہے اور یہ میرا گھر ہے۔

ان کی آواز سن کر بیوی گھر سے نکل آئیں اور انہیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے والد ہیں اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمہارا فرزند ہے جسے تم حمل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد فرّوخ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں۔ بیوی کل روپے بیٹے کی تعلیم پر خرچ کر چکی تھی۔ جواب دیا ابھی ایسی جلدی ہی کیا ہے، روپیہ حفاظت سے دفن ہے اطمینان سے نکالوں گی۔ اس وقت ربیعہؒ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن چکی تھی، مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس قائم تھا جس میں مدینہ کے بڑے بڑے ارباب علم، عمائد اور اشراف شریک ہوتے تھے۔

ربیعہؒ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے۔ ان کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا ذرا مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھ آؤ۔ فرّوخ مسجد چلے گئے تو دیکھا کہ

ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ امام مالکؒ، حسن بن زیدؒ، ابن علی لہبیؒ اور مساحقی وغیرہ مدینہ کے شرفاء اور اکابر حلقہ درس میں شریک ہیں۔ فروخ یہ ہجوم دیکھ کر قریب چلے گئے۔ لوگوں نے راستہ دے دیا۔ ربیعہؒ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکا لیا۔ فروخ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے بتایا ربیعہ بن عبدالرحمٰن فروخ، یہ سن کر وہ فرطِ مسرت سے بول اٹھے خدا نے میرے لڑکے کو رتبہ عطا کیا اور گھر جا کر بیوی سے کہا میں نے تمہارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحب علم فقیہ کو نہ دیکھا تھا۔ شوہر کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی بھی بڑی خوش ہوئیں کہ میری تربیت اور میرے شوہر کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔ (علمی وادبی جواہر پارے)

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

دلیل العارفین میں قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حوالہ سے خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ملفوظ نقل کیا گیا ہے۔

فرمایا کہ ایک وقت ہم اور خواجہ اجل بیٹھے تھے نمازِ مغرب کا وقت تھا۔ خواجہ تازہ وضو کرتے تھے کہ انگلیوں میں خلال کرنا ان سے سہواً فراموش ہو گیا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی اور ان کے کان مبارک میں کہا کہ اے اجل ہمارے رسول محمد ﷺ کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہو اور ان کی امت سے کہلاتے ہو اور ان کی سنت کو تم نے ترک کیا۔ اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ جس دن سے میں نے ندا سنی موت کے وقت تک کوئی سنت رسول ﷺ کی سنتوں سے متروک نہ ہو گی۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک وقت خواجہ اجل کو بے حد متردّد دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے فرمایا کہ جس روز سے انگلیوں کا خلال مجھ سے فوت ہوا ہے مجھ کو حیرت ہے کہ کل کے روز قیامت میں یہ منہ خواجہ کائنات ﷺ کو کیونکر دکھلاؤں گا۔

ف: دیکھئے خلال کے ترک پر اور وہ بھی سہواً پھر سنت مؤکدہ بھی نہیں صرف مستحب۔ تو کس قدر قلق ہوا ہے۔

خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

خواجہ فضیل بھی صائم الدہر تھے پانچ پانچ دن کے مسلسل روزہ رکھتے تھے اور پانچ

سو رکعت نوافل روزانہ ادا کرتے تھے۔ صاحب انوار العارفین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وضو میں بھولے سے کسی عضو کو بجائے تین بار کے دو بار دھو لیا تھا۔ شب کو حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فضیل تم سے بعید ہے کہ وضو میں میری سنت چھوڑ دو۔ خواجہ اس کی ہیبت سے بیدار ہو گئے اور اپنے اوپر پانچ سو نوافل روزانہ کا ایک سال کے لئے کفارہ کے طور پر مقرر فرمالیا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ علیہ سنت نبوی ﷺ کے اس قدر دلدادہ تھے کہ آپ نے تمام عمر خربوزہ نہیں کھایا۔ لوگوں نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا:

آپ خربوزہ کیوں نہیں کھاتے؟

فرمایا: مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ حضور انور ﷺ نے خربوزہ تناول فرمایا ہے تو پھر اس چیز کو کیونکر کھا سکتا ہوں جس کے متعلق مجھے علم نہیں کہ میرے محسن نے اس کو کس طریقہ سے کھایا۔

ڈاکٹر عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ڈاکٹر عبدالحئی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی باقاعدہ مشق کی کہ صبح سے شام تک زندگی کا ہر کام اتباع سنت کی نیت سے کیا جائے۔ اور مشق اس طرح کی ہے کہ لذیذ کھانا سامنے آیا، بھوک لگی ہوئی ہے، دل چاہ رہا ہے کہ اسے کھائیں، لیکن چند لمحوں کے لئے نفس کو کھانے سے روک لیا کہ "نفس کی خواہش پر نہیں کھائیں گے" پھر سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور ان کی عنایت ہے آنحضرت ﷺ کی سنت یہ تھی کہ نعمت کو خدا کا شکر ادا کر کے استعمال فرماتے تھے اب اس کی اتباع میں کھائیں گے۔

گھر میں داخل ہوئے، بچہ پیارا معلوم ہوا، دل چاہا کہ اسے گود میں اٹھا کر اس سے دل بہلائیں چند لمحوں کے لئے نفس کو روکا کہ نفس کی خواہش پر اسے نہیں اٹھائیں گے، چند لمحوں بعد مراد آنحضرت ﷺ بچوں سے محبت فرماتے تھے اور انہیں کھلایا کرتے تھے۔ اب آپ ﷺ کی سنت کی اتباع میں اٹھائیں گے۔ ٹھنڈا پانی سامنے آیا، پیاس لگی ہوئی ہے اور

دل کی خواہش ہے کہ اسے پی لیا جائے۔ لیکن کچھ وقفے کے لئے اپنے آپ کو روکا اور کہا کہ صرف دل کی خواہش پر پانی نہیں پیا پھر تھوڑے وقفے کے بعد استحضار کیا کہ آنحضرت ﷺ کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا آپ ﷺ کی سنت کی اتباع پیئیں گے اور انہیں آداب کے ساتھ پیئیں گے جن کی آپ رعایت فرمایا کرتے۔

اتباع سنت کی اہمیت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: مجھ کو کئی سال سے نسبت حق میں قبض تھا میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ صاحب کی توجہ کی دعا سے میری حالت بسط سے بدل گئی۔ آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ نے اپنے تمام خلفاء مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا ہے۔ تو حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میرے تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگی، حضرت امام ربانی ؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ ان میں سے مسواک اٹھالاؤ، آپ نے مسواک کو زمین پر پٹک دیا اسی وقت زمین ساکن ہو گئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین میں جنبش میں آگئی اور اگر فقیر دعا کرے تو انشاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہو جائیں لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین) سے اپنی اس کر امت سے کہ (دعا سے سرہند شریف کے تمام مردے ہو جائیں) اتنا، وضو میں بطریق سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔

حضرت شیخ عبدالغفار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

علامہ شعرانی نے طبقات الکبری میں ایک بزرگ حضرت شیخ عبدالغفار توصی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ کدو کھا رہے تھے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کدو کو بہت پسند فرماتے تھے۔ ان کے بیٹے نے کہا یہ

تو ایک گندی چیز ہے۔ اس پر ان کو غصہ اور غیرت آئی کہ تلوار کھینچ کر بیٹے کا سر اڑا دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ادب رسول ﷺ

ایوب بن تجار بروایت ابوعبداللہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا لحاف تھا۔ جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے ان کے دادا کو کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے۔ حضرت عمر بن عبدلعزیزؒ اس کو اپنے چہرے سے ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر للبخاری ۱۱۱)

نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد ۳۰۰/۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں:

''امام مالکؒ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کے سم سے روندوں جس پر رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوں۔'' (جذب القلوب، وفاء الوفا ۴۵/۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

امام شافعیؒ نے فرمایا:

''ہم امام مالکؒ سے درس حدیث میں کتاب کا ورق بھی بڑی احتیاط سے پلٹتے تھے تاکہ اس کی آہٹ سے قلب انور ﷺ پر بوجھ نہ آئے۔''

(یا محمدؐ باوقار از مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ ۴۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

امام بخاری کے حال میں مرقوم ہے کہ آپ صحیح بخاری کے جمع کرنے کے وقت ہر حدیث کے لکھنے کے واسطے تازہ غسل کیا کرتے اور دوگانہ نماز پڑھتے تھے۔ چونکہ اس

طرح انہوں نے حدیث نبوی ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اِ با فضل عظیم عطا کیا کہ تمام مسلمان ان کو اپنا امام جانتے ہیں اور ان کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان کی کتاب کی وہ قدر ہوئی کہ دنیا میں سوائے قرآن مجید کے کسی اور کتاب کی ایسی قدر و قیمت اور منزلت نہیں ہوئی۔ یہ مقبولیت محض ادب حدیث کا سبب تھا ورنہ احادیث صحیحہ کی اور بھی بے شمار کتابیں تھیں۔ (نقوش رسول ﷺ نمبر ۱۲/۱۰۷)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ادب احادیث نبوی ﷺ

جب لوگ امام مالکؒ کے پاس طلب علم کے لئے آتے تو خادمہ دولت خانے سے نکل کر ان سے دریافت کیا کرتی کہ حدیث شریف کے لئے آئے ہو یا مسائل فقہیہ کے لئے۔ اگر وہ کہتے کہ مسائل کے لئے آئے ہیں تو امام صاحبؒ فوراً نکل کر آتے۔ اگر وہ کہتے کہ حدیث شریف کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو حضرت امام صاحبؒ پہلے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے پھر کپڑے بدل کر نکلتے۔ آپؒ کے لئے تخت بچھایا جاتا جس پر بیٹھ کر آپؒ روایت حدیث کرتے۔ اثناء روایت میں مجلس میں عود جلایا جاتا۔ یہ تخت صرف روایت حدیث کے لئے رکھا گیا تھا۔ جب امام صاحبؒ سے اس کا سبب پوچھا گیا، تو فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں۔"

نیز..... ہشام بن عمار نے امام مالکؒ سے جو اس وقت کھڑے تھے، ایک حدیث پوچھ لی۔

آپؒ نے اس کو بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ کوڑے لگائے گئے۔ پھر آپؒ نے ہشام بن عمار کو ترس کھا کر بیس احادیث روایت کیں۔ یہ دیکھ کر ہشام نے کہا: "کاش وہ اور کوڑے مارتے اور زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔"

امام مالک کا قول ہے کہ ایک شخص حضرت ابن مسیب کے پاس آیا۔ آپ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ اٹھ بیٹھے اور حدیث بیان کی۔ اس نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ اٹھنے کی تکلیف نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا کہ "میں پسند نہیں کرتا کہ لیٹے لیٹے حدیث شریف بیان کروں۔"

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپؒ ہم سے احادیث بیان کر رہے تھے۔ اثنائے قرات میں آپؒ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا۔ آپ کا رنگ زرد ہوتا رہا مگر آپؒ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو قطع نہ کیا۔ جب آپؒ روایت حدیث سے فارغ ہوئے اور سامعین چلے گئے، تو میں نے عرض کیا کہ ''میں نے آج آپ کی ایک عجیب بات دیکھی ہے۔'' فرمایا: ''ہاں! میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی حدیث کی عظمت اور احترام کے لئے صبر کیا۔'' (ماخوز از شفا شریف و مواہب اللدنیہ)

بعداز وفات، رسول کریم ﷺ کی تعظیم

ابو جعفر منصورؒ نے حضرت امام مالکؒ سے کسی مسئلہ میں مسجد نبوی ﷺ میں گفتگو کی دوران گفتگو آواز بلند ہوگئی۔ امام مالکؒ نے فرمایا:

''اے امیر المؤمنین، اس مسجد میں بلند آواز نہ فرماویں چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک قوم کو ادب سکھایا اور ارشاد فرمایا:

یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوآ اصوتکم......الآیۃ

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو۔ یہ نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔''

اور ایک قوم کی، جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے، یوں تعریف فرمائی:

ان الذین یغضون اصواتھم ......الآیۃ

''بے شک جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کر لیا ہے اور ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔''

اور ایک قوم جس نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو ملحوظ نہ رکھا اور بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ کو پکارا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی یوں مذمت فرمائی:

ان الذین ینادونک......الآیۃ

”جولوگ حجروں کے باہر سے آپ (ﷺ) کو پکارتے ہیں، ان میں سے اکثروں کو عقل نہیں۔“

حضرت امام مالکؒ فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ کی تعظیم جسطرح حیات طیبہ میں ضروری تھی، اسی طرح وفات فرمانے کے بعد بھی ضروری ہے۔

امام مالکؒ کی یہ نصیحت سن کر خلیفہ ابوجعفر منصورؒ نے بہت عاجزی اور تواضع اختیار کی اور فرمایا: ”اے ابوعبداللہ (امام مالکؒ کی کنیت تھی) رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے بعد قبلہ کی طرف چہرہ کر کے دعا کروں یا رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف چہرہ کئے ہوئے دعا کروں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا: ”اپنا چہرہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مت پھیرو چونکہ رسول اللہ ﷺ تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ السلام اور قیامت تک پیدا ہونے والی تمام مخلوق کے وسیلہ ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ کی جانب چہرہ کئے ہوئے ہی رسول اللہ ﷺ سے شفاعت اور وسیلہ کی درخواست کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولو انھم اذ ظلموآ انفسھم جاءوک ......الآیۃ

”اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے، اس وقت آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحمت والا پاتے۔“ (حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ۱۶۵)

حضور ﷺ کے ذکر مبارک ہی سے امام مالک رحمہ اللہ کا رنگ بدل جاتا

”مصعب بن عبداللہؒ بیان فرماتے ہیں کہ جب امام مالکؒ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوتا تو ان کا رنگ تبدیل ہو جاتا، کمر جھک جاتی، یہاں تک کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں پر یہ حالت سخت گزرتی۔ ایک روز ان سے اس کے بارے میں کہا گیا کہ اپنے اوپر اتنی مشقت نہ ڈالیں۔ انہوں نے فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ کے مقام عظمت اور جلال اور مرتبہ جمال کو جتنا میں پہچانتا ہوں اگر تم بھی پہچانتے تو میری حالت جو تم دیکھتے ہو، بے محل نہ سمجھتے اور تعجب نہ کرتے۔“ (حقوقِ مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ۱۴۸)

محمد بن منکدرؒ کا ادب رسول ﷺ

’’میں نے محمد بن منکدرؒ کو دیکھا جو سید القراء تھے ہم جب بھی ان سے کوئی حدیث پوچھتے تو وہ اتنا روتے کہ ہم کو ان پر رحم آنے لگتا‘‘۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی۔۱۶۹)

جعفر بن محمدؒ کا ادب رسول ﷺ

اور میں جعفر بن محمدؒ کو دیکھتا تھا باوجودیکہ وہ کثیر المزاح اور کثیر التبسم تھے مگر جب بھی ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر ہوتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا اور ان کی حالت بدل جاتی اور میں نے ان کو کبھی بغیر طہارت کے حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا اور میں ایک زمانہ تک (کثرت سے) ان کے پاس آتا جاتا تھا، ہمیشہ انؒ کو تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں پاتا تھا: (۱) نماز پڑھتے ہوئے۔ (۲) خاموش۔ (۳) قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے۔ ان تین حالتوں کے سوا کبھی دوسری اور حالت پر نہیں دیکھا۔ وہ اللہ سے ڈرنے والے علماء اور عبادت گزاروں میں سے تھے۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی۔۱۶۹)

عبدالرحمٰنؒ بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ کا ادب رسول ﷺ

ان کی یہ حالت تھی کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے تو رسول اللہ ﷺ کی عظمت کی وجہ سے ان کا چہرہ زرد ہو جاتا اور ان کے چہرے کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا کہ سب خون نکل گیا، کچھ بھی باقی نہیں رہا اور ان کی زبان منہ میں خشک ہو جاتی کہ کمال اکرام اور کمال احترام کی وجہ سے اپنے کلام کو پورا نہ کر سکتے۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی۔۱۷۰)

عامر بن عبداللہ بن زبیرؒ کا ادب رسول ﷺ

ان کا حال تھا کہ جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوتا تو اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے۔ (حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی۔۱۷۰)

محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

محمد بن شہاب زہریؒ جو لوگوں میں بہت نرم مزاج اور لوگوں سے بہت تعلق ومحبت کرنے والے تھے، جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوتا تو ان کا یہ حال ہو جاتا گویا وہ نہ تجھے پہچانتے ہیں نہ تو ان کو، یعنی بالکل بے خودی کی حالت ہو جاتی۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ۱۷۰)

صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

صفوان بن سلیمؒ بڑے عبادت گزار اور مجاہدہ کرنے والوں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ چالیس برس برابر انہوں نے اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا۔ یہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر فرماتے تو اتنا روتے کہ لوگ ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر اٹھ کر چلے جاتے۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ۱۷۰)

امام بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

ان کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ مسکراتے ہوتے کہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث شریف بیان کی جاتی تو دفعتہً حالت بدل جاتی اور خوف زدہ اور متواضع ہو جاتے۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ۱۷۲)

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

عبدالرحمٰن بن مہدیؒ بڑے محدثین میں سے ہیں۔ جب حدیث شریف پڑھتے تو اولاً لوگوں کو خاموش ہونے کا حکم فرماتے اور یہ آیت پڑھتے: یاایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی...... الایہ اور اس سے یہ مراد لیتے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں رسول کریم ﷺ کے کلام فرمانے کے وقت خاموش ہو کر اس کا سننا فرض ولازم تھا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی جائے تو خاموش ہو کر اس کا سننا فرض ولازم ہے۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ۱۷۲)

مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

ابراہیم بن عبداللہ بن مریم انصاری قاضی مدینہ بیان کرتے ہیں: ''مالک بن انسؒ، ابو حازمؒ کے پاس حدیث سننے کے لئے گئے اور پھر حدیث سنے بغیر واپس ہو گئے۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو جواب دیا: ''میں نے مجلس میں ایسی جگہ، جہاں ادب سے بیٹھ کر حدیث شریف سنتا نہیں پائی (یعنی لوگوں کی کثرت کی وجہ سے گنجائش نہ تھی) اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کھڑے ہو کر سننا مجھے گوارا نہ ہوا۔

(حقوق مصطفیٰ ﷺ از مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ص ۱۷۴)

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ رسول ﷺ

غازی سلطان محمود غزنوی کے غلام، ایاز کا ایک بیٹا تھا جو بادشاہ کا ملازم تھا اور اس کا نام ''محمد'' تھا۔ ایک دن بادشاہ نے ایاز کی موجودگی میں اسے یوں خطاب کیا کہ ''اے ایاز کے بیٹے، وضو کے لئے پانی لاؤ۔'' ایاز نے ان الفاظ کو سن کر دل ہی دل میں خیال کیا کہ نہ معلوم میرے بیٹے نے کیا خطا کی ہے جس کے باعث بادشاہ سلامت نے اسے نام لے کر نہیں بلایا۔ جب سلطان محمودؒ وضو سے فارغ ہوئے تو ایاز کی طرف دیکھا کہ وہ مغموم وملول ہے۔ اس سے غم ورنج کا سبب پوچھا۔ اس نے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی: ''عالی جاہ! میرے مغموم ہونے کا باعث یہ ہے کہ چونکہ حضور نے میرے لختِ جگر کو نام لے کر نہیں بلایا، اس لئے معاً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید اس سے کوئی بے ادبی اور گستاخی سرزد ہوئی ہے کہ جس کے باعث آپ اس سے خفا اور ناراض ہیں۔''

بادشاہ سلامت نے مسکرا کر کہا: ''اے ایاز! خاطر جمع رکھو۔ تمہارے صاحبزادے سے کوئی بات میری طبع کے خلاف سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہی میں اس سے ناراض اور خفا ہوں۔ اس وقت نام نہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ میں اس وقت بے وضو تھا۔

چونکہ یہ آقائے نامدار ﷺ کے ہم نام ہے، اس لئے مجھے شرم آئی کہ حضور ﷺ کا نام مبارک ایسی حالت میں میری زبان سے گزرے جبکہ میں بے وضو اور بے طہارت ہوں۔'' (نقوش رسول نمبر ۴، ۲۰۲)

کسی نے کیا خوب کہا:

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب
ہنوز نامِ تُو گفتن کمالِ بے ادبی ست

امام شافعی رحمہ اللہ کا طریق ادب رسول اللہ ﷺ

امام سیوطیؒ نے تنزیہہ الانبیاء عن تشبیہ الاغبیاء میں امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جو کسی عورت نے کچھ مال چرایا تھا اور حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا اور کسی نے سفارش کی۔ پھر وہ حدیث نقل کی کہ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ فلاں عورت بھی (جو ایک شریفہ تھیں) چُراتیں تو ان کا ہاتھ بھی قطع کیا جاتا۔

امام سبکی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام مصرح ہے۔ اگر بعینہٖ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بیجا اور بے موقع بات نہ تھی لیکن آپ نے ازراہِ کمال ادب صراحۃً نام مبارک کو ذکر نہ کیا۔

سبحان اللہ! کیا ادب تھا حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہٖ نقل کرنا ضروری ہے اور وہ نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ لو کے تحت میں ہے جو علیٰ سبیل فرض محال آتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں یہ نام مبارک مقام توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحۃً ذکر کریں۔ گو حدیث شریف میں وارد ہے۔ سچ ہے جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں انہی کو ادب نصیب ہوتا ہے۔ ہر کس و ناکس میں وہ صلاحیت کہاں؟؟

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

عباسی خلیفہ مہدی کا عشقِ رسول ﷺ

المہدی عشق رسول ﷺ سے سرشار تھا اور اسے آپ ﷺ کی ذات سے اتنی والہانہ عقیدت تھی کہ آپ کی جانب سے کسی چیز کی جھوٹی نسبت کا بھی بڑا احترام کرتا تھا ایک مرتبہ

ایک شخص رومال میں لپیٹ کر جوتا اس کے پاس لایا اور کہنے لگا کہ یہ آپ کی نعل مبارک ہے میں ہدیہ کے لئے لایا ہوں المہدی نے اسے بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور لانے والے شخص کو دس ہزار بطور انعام دیئے۔ اس کے واپس چلے جانے کے بعد حاضرین سے کہا اس جوتے کو پہننا تو درکنار آپ کی نگاہ بھی نہیں پڑی ہوگی اگر میں اسے نہ لیتا تو وہ یہ کہتا پھرتا کہ خلیفہ نے آپؐ کے جوتے کو واپس کر دیا۔ (تاریخ الخطیب جلد پنجم صفحہ ۳۹۴)

بقول صولی کہ ایک خاتون نے المہدی سے کہا امیر المومنین! آپ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار ہیں میری ضرورت پوری کر دیجئے جس پر المہدی نے اسے دس ہزار انعام دیئے اور کہنے لگا میں نے آج تک یہ الفاظ کسی کی زبان سے نہیں سنے۔

(سیوطی تاریخ الخلفاء)

خلیفہ ہارون الرشید کا عشقِ رسول ﷺ

ہارون الرشید زمانہ خلافت میں روزانہ سو رکعتیں پڑھتا اور ہر روز ایک ہزار درہم خیرات کرتا تھا وہ مذہب میں تفرقہ و نزاع ڈالنے کو سخت برا سمجھتا تھا اور زنادقہ کا سخت دشمن تھا اپنی ذاتی فضول خرچی پر نادم ہو کر روتا تھا خاص کر وعظ میں اپنے گناہوں کا خیال کر کے گریہ زاری کرتا تھا۔ (۱) وہ صوم وصلوۃ کا پابند تھا اس سے باستثنائے علالت کبھی نماز جماعت قضا نہیں ہوئی۔ وہ عشق محمد ﷺ سے سرشار تھا اور جب اس کے سامنے رسول اکرم کا تذکرہ ہوتا تھا تو وہ ''صلی اللہ علی سیدی'' کہتا۔ ابو معاویہ ضریر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کی تو ایک شخص نے اعتراض کیا تو ہارون کو سخت غصہ آ گیا اور اس نے اس شخص کے متعلق حکم دیا کہ اس زندیق کو قتل کر دیا جائے۔ میں نے سمجھا امیر المومنین! اس سے دانستہ غلطی ہوئی ہے تب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

خلیفہ المتوکل اور مسئلہ خلق قرآن

المتوکل نے فرقہ معتزلہ کے ماننے والوں کے خلاف سخت قدم اٹھایا اور ان تمام عقائد وخیالات پر پابندی عائد کر دی جو کتاب اللہ اور سنت کے خلاف تھے۔ مامون کے عہد سے خلق قرآن اور رویت باری کا مسئلہ چلا آ رہا تھا۔ متوکل نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس

سلسلے میں قاضی ابراہیم بن محمد تیمی کا بیان ہے کہ تین خلفاء نے کارنامہ دیکھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فتنہ ارتداد کا انسداد کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنی امیہ کے مظالم کا تدارک کیا اور خلیفہ المتوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا (سیوطی تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۲)

المتوکل اور احیائے سنت

المتوکل نے خلافت پر فائز ہونے کے بعد فوراً سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل درآمد کرنے کا حکم دیا۔ عہدی نبویؐ کے بعد اقوام کے اختلاط اور عجمیوں کے غلبہ اور خلفاء کی چشم پوشی کی وجہ سے سنت رسولؐ پر توجہ نہیں دی جارہی تھی اور لوگوں کی زندگی سے سنت کا پہلو ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے سنت کا احیاء کیا اور لوگوں کو غیر مسنون طریقوں سے ہٹا کر سنت کی جانب راغب کیا اور ۲۳۴ھ میں تمام محدثین کو سامرا میں دعوت دی اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور ان سے احادیث وسیرت رسول ﷺ بیان کرنے کی درخواست کی اور علامہ ابوبکر شیبہ کو جامعہ رصافہ میں ان کے بھائی علامہ عثمان کو جامع منصور میں احادیث بیان کرنے پر مقرر کیا۔ ان کا وعظ سننے کے لئے تیس ہزار افراد کا جمغفیر ہوتا تھا۔ سنت نبوی اور احادیث کی اشاعت المتوکل کا بڑا کارنامہ ہے۔ (سیوطی تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۹)

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کا ایک عجیب واقعہ

سلطان نورالدین ایک عابد شب بیدار تھا۔ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا ہونے کے باوجود ایسا مرد درویش تھا، جس کی راتیں مصلیٰ پر گزرتی تھیں اور دن میدان جہاد میں۔ وہ عظمت وکردار کا ایک عظیم پیکر تھا، جس نے اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب لکھا ہے۔ سلطان نورالدینؒ رات کا بیشتر حصہ عبادات ومناجات مین گزارتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد بکثرت نوافل پڑھتا اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سینکڑوں مرتبہ درودھ بھیج کر تھوڑی دیر کے لئے بستر پر لیٹ جاتا۔ چند ساعتوں کے بعد پھر نمازِ تہجد کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا اور صبح تک نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادات میں مشغول رہتا۔

۵۵۷ھ، ۱۱۶۲ء کی ایک شب وہ اوراد وظائف سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا تو

خواب میں تین بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ بعض روایتوں میں سلطان نے متواتر تین رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ ہر مرتبہ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نورالدین! یہ آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے شر کا استیصال کر۔ نورالدین یہ خواب دیکھ کر سخت مضطرب ہوا۔ بار بار استغفار پڑھتا اور رو رو کر کہتا میرے آقا و مولا کو میرے جیتے جی کوئی ستائے، یہ نہیں ہو سکتا۔ میری جان مال آل و اولاد سب آقائے مدنی پر نثار ہے۔ خدا اس دن کے لئے نورالدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے۔

سلطان نورالدین بے چین ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی ایسا ناشدنی واقعہ ہوا ہے، جس سے سرورِ کونین کی روحِ اقدس کو تکلیف پہنچی ہے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی اس نے بیس اعیان دولت کو ساتھ لیا اور بہت سا خزانہ گھوڑوں پر لدوا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازم سفر ہونے سے بہت حیران ہوئے، لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ اصل بات کیا ہے؟

دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس پچیس دن لگتے تھے، لیکن سلطان نے یہ فاصلہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا اور سولہویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا۔ اہل مدینہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔ سلطان نے آتے ہی شہر میں آنے جانے کے دروازے بند کرا دیے، پھر منادی کرا دی کہ آج تمام اہل مدینہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں۔ تمام اہل مدینہ نے نہایت خوش دلی سے سلطان کی دعوت قبول کی۔ اس طرح مدینہ منورہ کے تمام لوگ سلطان کی نظر سے گذر گئے۔ لیکن ان میں وہ آدمی نہیں تھے، جن کی شکلیں اسے خواب میں دکھائی گئیں تھیں۔

سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا، جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہو سکا ہو، انہوں نے عرض کی کہ اہل مدینہ میں تو کوئی شخص ایسا نہیں رہا، جو دعوت میں شریک نہ ہوا ہو۔ البتہ دو خدا رسیدہ مغربی زائر جو مدت سے یہاں مقیم ہیں نہیں آئے۔ یہ دونوں بزرگ عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اگر کچھ وقت بچتا ہے تو جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی سے ملتے ملاتے نہیں۔

سلطان نے حکم دیا، ان دونوں کو بھی ضرور یہاں لاؤ، جب وہ دونوں سلطان کے سامنے حاضر کیے گئے، تو اس نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ وہی دو آدمی ہیں، جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اٹھا، لیکن تحقیق حال ضروری تھی، کیونکہ ان کا لباس زاہدانہ اور شکل وصورت مومنوں کی تھی۔ سلطان نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ روضہ اقدس کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے اور اسی میں ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

سلطان نے انہیں وہیں اپنے آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اکابر شہر کے ہمراہ اس مکان میں جا پہنچا، یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں نہایت مختصر سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا۔ اہل شہر ان دونوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نظر نہیں آتی تھی، لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اس نے مکان کا فرش ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔ یکا یک سلطان کو ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ چٹائی ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سل تھی، اسے سرکایا گیا تو ایک خوفناک انکشاف ہوا۔ یہ ایک سرنگ تھی، جو روضہ اقدس کی طرف جاتی تھی۔ سلطان سارا معاملہ آناً فاناً سمجھ گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے صدق اللہ وصدق رسولہ النبی الکریم نکلا۔

سادہ مزاج اہل مدینہ بھی ان بھیڑ نما بھیڑیوں کی یہ حرکت دیکھ کر ششدر رہ گئے، سلطان اب قہر وجلال کی مجسم تصویر بن گیا اور اس نے دونوں ملعونوں کو پا بہ زنجیر کر کے اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، جب وہ سلطان کے سامنے پیش ہوئے، تو اس نے ان سے نہایت غضبناک لہجہ میں مخاطب ہو کر پوچھا...... سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور اس ناپاک حرکت سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ دونوں ملعونوں نے نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی سے جواب دیا، اے بادشاہ ہم نصرانی ہیں (بعض راویتوں میں ہے کہ یہ دونوں یہودی تھے) اور اپنی قوم کی طرف سے تمہارے پیغمبر کی لاش چرانے پر مامور ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی کار ثواب نہیں ہے، لیکن افسوس کہ عین اس وقت جب ہمارا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا تم نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ سرنگ حضرت عمر کے جسد مبارک تک پہنچ چکی تھی، یہاں تک کہ ان کا ایک پاؤں ننگا ہو گیا تھا۔

سلطان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اس نے تلوار کھینچ کر ان دونوں بدبختوں کی گردنیں اڑا دیں اور ان کی لاشیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوا دیں۔ یہ کام انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہو گئی اور شدت گریہ سے اس کی گھگی بندھ گئی، وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں رو تا ہوا گھومتا تھا اور کہتا تھا "زہے نصیب کہ اس خدمت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کا انتخاب فرمایا"...... جب ذرا قرار آیا تو سلطان نے حکم دیا کہ روضۂ نبوی کے گرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے۔

سلطان کے حکم کی تعمیل میں روضۂ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا، اس کے بعد اس میں سیسہ بھر دیا گیا تاکہ زمانہ کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ رہے۔ یہ سیسے کی دیوار روضۂ اقدس کے گرد آج تک موجود ہے اور ان شاء اللہ ابد تک قائم رہے گی۔ آج بھی اہل مدینہ سلطان نور الدین کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیتے ہیں اور ان کا شمار ان نفوس قدسی میں کرتے ہیں، جن پر سید البشر نے خود اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کے محبِ رسول ہونے کی تصدیق فرمائی۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

(بحوالہ "نور الدین محمود زنگی" مصنفہ طالب ہاشمی ص ۱۸۶ تا ۱۹۰)

جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھوں قتل کیا

"سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا جب خیمہ نصب ہو گیا، تو حکم دیا کہ قیدی سامنے حاضر کئے جائیں، بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ چاٹیلون (حتین) دونوں اندر لائے گئے، سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اُسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کئے ہوئے پانی کا کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا، اور پانی کا کٹورا والی کرک ریجی نالڈ کو دیا، سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور ترجمان سے کہا کہ بادشاہ سے کہو میں نے اس شخص کو پانی نہیں دیا ہے، بادشاہ گائی کو دیا ہے، روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھا جاتا ہے، مگر یہ آدمی اس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا، صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا اور ریجی نالڈ کے سامنے آیا، ریجی نالڈ جب سے خیمہ میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا، سلطان نے اس سے کہا سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم

دو مرتبہ کھائی تھی، ایک مرتبہ تو اس وقت جب تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا، دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ تو نے دھوکے اور دغا بازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا تھا۔ دیکھ اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں، اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا، ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، جو کچھ رمق باقی تھی، اسے پہرے والوں نے ختم کیا۔

بادشاہ گائی اس قتل کو دیکھ کر لرز گیا، اور سمجھا کہ اس کی باری آئے گی، صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا، اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ بادشاہ کو قتل کریں، اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں، اب جو کچھ گذر گیا گزر گیا۔

(سلطان صلاح الدین ص ۱۸۸)

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو طلب کیا اور کہا کہ "ھا انا انتصر لمحمدٍ علیہ الصلوٰة والسلام"...... "لو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں۔" ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اسلام کی دعوت دی، مگر اس نے قبول نہیں کی۔ (النوادر السلطانیہ ص ۶۴)

قصہ سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ

ایک بزرگ تھے سید احمد رفاعی، یہ سیدنا حضرت غوث پاک کے معاصر ہیں یہ اتنے بڑے شخص ہیں کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے وہاں روضۂ اقدس کے اوپر ذوق وشوق کی حالت میں شعر پڑھے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
ھذہ نوبة الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک لکی تحظی بها شفتی

جن کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم دور تھے تو اپنی روح کو بھیج دیا کرتے تھے وہ روضۂ اقدس پر زمین بوس ہو جایا کرتی تھی اب جسم کے حاضر ہونے کی نوبت آگئی ذرا اپنے

دست مبارک کو بڑھائیے تاکہ میرا لب اس سے بہرہ ور ہو سکے ہونٹوں کو یہ دولت نصیب ہو جائے۔جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ روضۂ کے اندر سے ایک نہایت نورانی ہاتھ ظاہر ہوا اور وہ حضور اقدس ﷺ کا ہاتھ تھا۔انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بے ہوش ہو گئے بس ہاتھ غائب ہو گیا مگر کیفیت یہ ہوئی کہ تمام مسجد نبوی میں نور ہی نور پھیل گیا ایسا نور کہ اس کے سامنے آفتاب کی بھی کوئی حقیقت نہ تھی اور واقعی آفتاب کی اس نور کے سامنے کیا حقیقت ہوتی جب ان کو افاقہ ہوا تو خیال ہوا کہ میری بڑی عظمت ظاہر ہو گی جس سے میں ہلاک ہو جاؤں گا بس کیا کیا کہ دروازہ پر جا کر زمین پر لیٹ گئے اور پکار کر کہا کہ میں سب کو قسم دیتا ہوں کہ میرے اوپر سے پھاندتے ہوئے اور روندتے ہوئے جائیں یہ اس واسطے کیا کہ تعجب پیدا نہ ہو جائے کہ میں ایسا ہوں کہ میرے واسطے ایسا ہوا۔چنانچہ کوتاہ نظر عوام الناس نے ایسا ہی کیا کہ سب ان کے اوپر کو پھاندتے ہوئے گئے ان کو اس میں لطف آتا تھا اور اس کی بھی پرواہ نہ تھی کہ کیا شان تھی اور ابھی کیا گت بن رہی ہے۔

ایک بزرگ سے جو اس مجمع میں موجود تھے اس قصے کے بعد کسی نے پوچھا کہ آپ بھی ان کے اوپر پھاند کر گئے کہا توبہ توبہ یہ کیسے ہو سکتا ہے خدا کا غضب فوراً نازل ہوتا اگر میں ایسا کرتا عوام تو معذور ہیں کیوں کہ ان کو پہچانتے نہ تھے اور جو ان کو پہچانتا ہو وہ بے ادبی کرے تو فوراً پکڑ لیا جائے گا۔

ان بزرگ سے اس شخص نے یہ بھی پوچھا کہ آپ کو رشک تو بہت ہوا ہو گا فرمایا ہمیں تو کیا اس وقت ملائکہ کو بھی رشک تھا کہ ہمیں بھی یہ دولت نصیب ہوتی۔

صاحب حضوری شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ

ایک بزرگ گذرے ہیں حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفاوکرامۃ) میں رہتے تھے صاحب حضوری تھے،صاحب حضوری وہ شخص کہلاتا ہے جس کو روزانہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔کس طریقہ پر ہوتی ہے سوتے میں یا جاگتے میں یہ تو وہی حضرات جانیں۔ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان جاؤ،یہ بھی فرمایا کہ غریبان ہند پر نظر کرم رکھنا۔نظر شفقت

رکھنا، انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہاں تو روزانہ حاضری وزیارت کا موقع ملتا ہے ہندوستان سے (کہ اتنی دور ہے) اس کا موقع کیسے میسر آئے گا۔ اس پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم کو وہاں سے بھی موقع دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ ہندوستان آئے، دہلی میں قیام کیا، یہاں حدیث شریف کا مشغلہ شروع کیا، تصوف کی بھی بعض کتابیں لکھیں۔ اگر کہیں معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے تو اس کی زیارت کے لئے جاتے، ایک روز معلوم ہوا کہ کوئی درویش آیا ہے، بہت لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں وہاں بھی یہ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک فقیر ہے اور اس کے اردگرد مجمع ہے اور اس کے پاس ایک پیالہ شراب کا رکھا ہوا ہے، فقیر نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ پیالہ شراب کا پی لے۔ انہوں نے انکار کردیا کہ شراب تو حرام ہے میں نہیں پیوں گا، اس نے بھی کچھ اصرار نہیں کیا اور نہ کچھ اور بات ہوئی، رات کو انہوں نے خواب دیکھا کہ کچھ لوگ چلے جارہے ہیں، جانے والوں سے پوچھا بھائی کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے بتلایا کہ فلاں مکان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں ان کی زیارت کے لئے جارہے ہیں۔ اس پر یہ بھی چل دیئے، مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہی فقیر ڈنڈا لئے دوازہ پر کھڑا ہے۔ اس نے اوروں کو تو اندر جانے کی اجازت دے دی مگر انہوں نے جانا چاہا تو ان کے اوپر ڈنڈا اٹھایا اور کہا تو نے شراب کا پیالہ نہیں پیا تھا اس لئے اندر جانے کی اجازت نہیں۔ گھبرا کر آنکھ کھل گئی، چونکہ زبردست عالم تھے حدود شرع کو جانتے تھے فوراً لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا۔ سمجھ گئے کہ تلبیس ابلیس ہے، شیطانی دھوکہ ہے یعنی شراب پئیں تو زیارت نصیب ہو اور شراب پینے سے انکار کردیں تو محروم رہیں یہ تلبیس ابلیس ہے۔ اگلے روز پھر اس فقیر کے یہاں گئے دیکھا اسی طرح مجمع لگا ہوا ہے اور شراب کا پیالہ رکھا ہوا ہے جیسے ہی یہ پہنچے تو اس نے کہا اب تو پی لے، اس سے یہ سمجھے کہ یا تو اسی کا تصرف تھا رات میں یا پھر اس کا کشف ہے، جواب دیا کہ یہ شعبدے کسی اور کو دکھانا میں نہیں پیوں گا۔ چنانچہ نہیں پی چلے آئے۔ آج رات پھر اسی طرح خواب دیکھا کہ لوگ جارہے ہیں۔ یہ بھی گئے۔ دیکھا کہ پھر وہی فقیر وہی ڈنڈا لئے کھڑا ہے، ان کو اندر جانے نہیں دیا روک دیا۔ گھبرا کر آنکھ کھل گئی، پھر لاحول پڑھا۔ دن میں پھر اس فقیر کے پاس گئے، اس نے کہا دیکھو دوروز ہو گئے حاضری

سے محروم ہو زیارت سے محروم ہو اب تو پی لو۔ انہوں نے فرمایا ساری عمر بھی محروم رہوں گا تو بھی نہیں پیوں گا۔ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے حاضری و زیارت منظور نہیں۔ اگر میں حاظری سے محروم ہوں تو کیا ہوا، میری خدمات تو قبول ہیں، یہ میرا انکار کر دینا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں قبول ہے پینا تو مقبول نہیں۔ تیسری رات پھر اسی طرح سے خواب میں دیکھا کہ لوگ جا رہے ہیں یہ بھی گئے تو دیکھا کہ پھر وہی فقیر دروازہ پر ڈنڈا لئے کھڑا ہے اب ان کو بڑا تر دد ہوا کہ کمبخت یہاں آ کر کھڑا ہو گیا دروازے پر، اندر جانے نہیں دیتا۔ یہ عجیب بات ہے شراب پی لوں تو اندر جانے کی اجازت ملے نہ پیوں تو اجازت نہ ملے۔ سوچ ہی رہے تھے کیا تدبیر اختیار کروں کہ اندر سے آواز آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرما رہے ہیں دو روز ہو گئے عبدالحق نہیں آئے جیسے ہی ان کے کان میں یہ آواز پہنچی تو انہوں نے باہر ہی سے کہا کہ حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہوں مگر یہ فقیر دروازہ پر کھڑا ہے اندر آنے نہیں دیتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کون ہے؟ کیا بات ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ ایک شرابی فقیر ہے جو دروازے پر کھڑا ہے۔

آپ ؐ نے ارشاد فرمایا "اخسأ یا کلبُ" دور ہو اے کتے۔ حضرت علی ؓ بھی وہاں موجود تھے وہ تلوار لے کر اس فقیر کی طرف دوڑے اس پر وہ بھاگا وہاں سے۔ تب راستہ کھلا اور یہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبدالحق دو روز ہو گئے تم کہاں تھے؟ عرض کیا حضور دو روز ہو گئے آتے ہوئے مگر یہ فقیر کہتا ہے کہ شراب پی لو اندر جانے کی اجازت ہے، ورنہ نہیں۔ بھلا آپ نے تو شراب کو حرام بتلایا، شراب پینے والے پر لعنت فرمائی میں کیسے پی لیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا اور پھر شفقت و مہربانی فرمائی۔ آج جب صبح کو اٹھے تو بہت خوش تھے، دن چڑھے اس فقیر کے یہاں پھر آئے۔ دیکھا مجمع تو موجود ہے اس کے مریدین کا مگر خود موجود نہیں۔ ان سے پوچھا کہ تمہارا پیر کہاں ہے؟ مرید نے کہا اندر کمرہ میں ہیں۔ حضرت شیخ نے دروازہ پر دستک دی تو کوئی جواب نہیں ملا۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو اس میں کوئی نہیں ہے، اس پر لوگوں سے کہا دیکھو وہ تو یہاں نہیں ہے، جب سب نے دیکھا تو تعجب ہوا کہ وہ تو کمرہ کے اندر تھے اور کوئی راستہ بھی کمرہ سے نکلنے کا نہیں پھر گئے تو کہاں گئے؟ اس کے بعد شیخ نے ان

سے پوچھا کہ یہاں سے کوئی نکلا بھی ہے؟ بتلایا کہ ہاں ایک کتا تو نکل کر بھاگا تھا۔ اس پر شیخ نے اپنا سارا واقعہ سنایا اور فرمایا وہی تمہارا پیر تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو مسخ کرنا چاہا تھا حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی صورت کو مسخ کر کے کتا بنا دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ''دور ہوائے کتے'' جس کو آپ نے کتا فرمادیا وہ پھر انسان کیسے رہتا۔ (ملفوظات فقیہ الامت سے ماخوذ)

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع سنت

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''آپ مجسم شریعت وسراپا اتباع سنت تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائل ظاہری، مراتب باطنی، روشن دلی اور صفائی قلب جو کچھ حاصل ہوئی ہے وہ اتباع شریعت کی برکت اور پیروی سنت کی سعادت ہے۔'' (وصایا الوزیر)

اتباع سنت آپ کی زندگی اور آپ کی دعوت کا جز بن گیا تھا۔ آپ کے نزدیک عبادات کے ساتھ معاملات اور اُمورِ معاد کے ساتھ اُمورِ معاش میں بھی اتباع سُنت اور ترک بدعات ضروری ہے۔ بیعت کے وقت آپ توحید وشرک اشراک کے ساتھ اتباع سنت اور ترک بدعات کی تاکید فرماتے تھے اور ترک بدعت کا مفہوم اور دائرہ عبادات سے تجاوز کر کے عادات، معاشرت و معاملات پر حاوی ہے۔ ایک خلافت نامے میں ترکِ بدعت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''ترک بدعت کی تشریح یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات اوراُمور معاشیہ و معادیہ میں حضرت خاتم الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو پوری قوت اور بلند ہمتی کے ساتھ پکڑا جائے اور یہ جو آنحضرت ﷺ کے بعد لوگوں نے اس میں ایجاد کی ہیں، مثلاً، رسوم شادی وغمی قبروں کی زیب وزینت، ان پر عمارتوں کی تعمیر، عرسوں کا اسراف وفضول خرچی، تعزیہ سازی وغیرہ، ان کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان ان کے مٹانے کی کوشش کی جائے۔ پہلے خود ان کو ترک کیا جائے پھر ہر مسلمان کو اس کی طرف دعوت دینی چاہئے، اس لئے کہ جیسے اتباع شریعت

فرض ہے، اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی فرض ہے"۔

بدعات سے آپ کو ایسی طبعی کراہت ونفرت تھی کہ آپ کو ان کا سایہ اور پرچھائیں بھی گوارا نہ تھی، قبر پرستی سے ایسی نفرت اور وحشت تھی کہ یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی قبر پر اس کا امکان بھی باقی رہے۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرتؒ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگان دین کے مزارات پر مشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شد ومد کے ساتھ روکتے ہیں لیکن خود آپ کے ہزاروں مرید اور ہزاروں معتقد ملک ملک میں ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وہی سب ہوگا، جو دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر ہو رہا ہے اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی جس طرح ان کی قبروں کی پرستش ان کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں درگاہ الٰہی میں بصد آہ وزاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نا معلوم کردے۔ نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک وبدعت ہوگا۔ خدا کی قدرت ورحمت ملاحظہ ہو کہ حضرتؒ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہ چلا۔"

"سید صاحبؒ توحید ورسالت واتباع سنت پر بیعت لیتے تھے اور بس۔ سید صاحبؒ اتباع سنت کے لئے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر خلاف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو، تو مجھے اطلاع کر دینا۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت، جب کوئی مخالفِ سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا، تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی، کہاں؟ یعنی ہمراہی چھوڑ دونگا۔" (تذکرۃ الرشید ص: ۲۷۰، ج: ۲)

(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، جلد دوم، مصنف: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

سید صاحبؒ کا خواب

سید صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گھٹا ہے، بہت سے

آدمی مل کر اسے اٹھانا چاہتے ہیں، مگر کوئی اٹھا نہیں سکتا، آپ کی بھاوج (سید محمد اسحٰق صاحب مرحوم کی بیوہ) بھی موجود ہیں، سید صاحب بعجز وانکسار ان سے کہتے ہیں کہ اگر آپ بھی ہاتھ لگایئے تو اس کو گھر پہنچادیں، اول تو بوجھل ہونے کی وجہ سے انہوں نے عذر کیا، مگر آپ کے اصرار سے انہوں نے منظور کیا اور دونوں نے مل کر اسے گھر پہنچادیا۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد حلقے میں توجہ دیتے تھے، اس روز آپ نے اس کو ملتوی رکھا اور مولانا عبدالحیؒ اور مولانا اسماعیلؒ سے فرمایا کہ آج مراقبہ نہیں ہوگا، آج میں نے عجیب خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر دیجئے۔

ان حضرات نے خواب سن کر فرمایا کہ آپ ہی تعبیر بھی دیجئے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کی تعبیر یہ ڈالی ہے کہ ایندھن جو کھانا پکنے کا ذریعہ ہے انسان کی زندگی کا سبب ہے، زندگی دو طرح کی ہے، دنیوی زندگی اور اخروی زندگی، اتباع سنت ایسا طعام روحانی ہے، جس سے حیات اُخروی وابستہ ہے، آپ کو معلوم ہے کہ بعض احکام شریعت، جو قرآن میں منصوص اور دیار عرب اور مرکز اسلام میں رائج ہیں، ہمارے ملک میں خصوصاً شرفا اور خاندانی لوگوں میں بالکل متروک بلکہ سخت معیوب ہیں، اور لوگ ان کے منافع و برکات کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے اور ہندوستانی رسم و رواج کے پابند ہیں انہیں شرعی احکام میں سے ایک اہم حکم بیوہ کا نکاح ثانی ہے، جس کے متعلق قرآن شریف میں صاف صاف موجود ہے:

وانکحوا الایامٰی منکم والصّٰلحین من عبادِکم و امآئِکم.

”اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کردیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو، اس کا بھی“ (۲۴:۳۲)

انشاء اللہ اس سنت کا اجرا اول اپنی ذات سے اور اپنے خاندان سے کروں گا، جب اپنے یہاں سے اس کی ابتدا ہوجائے گی تو پھر اپنے دوستوں اور اہل تعلق سے اس کا مطالبہ کروں گا، قرآن شریف میں آتا ہے ”اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم“ ”کیا غضب ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔“

یہ فرما کر آپ گھر تشریف لے گئے اور ان سب عزیز عورتوں اور مستورات کو جمع کرایا

جن کا آپ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا اور صبح سے زوال تک ان کے سامنے تقریر فرمائی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

''اسلام یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا گائے کا گوشت کھائے یا ختنہ کرائے یا مسلمانوں کے مراسم میں شریک ہو اور ان کی مجلسوں میں بیٹھے، اسلام یہ ہے کہ اس کے تمام احکام کی تعمیل کرے یہاں تک کہ وہ اپنے محبوب بچے کو حضرت ابراہیمؑ کی طرح خوشی خوشی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور منہیات سے لے کر مکروہات تک اس طرح اجتناب واحتراز کرے کہ اگر ان کا خیال بھی دل میں پیدا ہو تو چالیس روز تک استغفار کرے، انہیں چیزوں میں سے بیواؤں کا دوسرا نکاح نہ کرنا ہے خصوصاً وہ بیوہ کہ جوان ہو، اس کا نکاح ثانی کرنا ایسا بڑا گناہ سمجھنا، جیسا خدا کے یہاں کفر وشرک ہے اور جو بیوہ اپنا نکاح کر لے اس کو بازاری عورت اور بے حیا سمجھنا اور قحبہ کا خطاب دینا اور اس کو مطعون وبدنام کرنا اور ساری عمر بیوہ کو زندہ درگور کر دینا اسی قبیل سے ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بات کہاں تک پہنچی ہے ان کو نہیں معلوم کہ حضرت صدیقہؓ کے سوا تمام اُمہات المؤمنین بیوہ تھیں۔''

آپ نے یہ وعظ ایسے جوش واثر سے کہا کہ اہل مجلس میں سے اکثر مدہوش ہو گئے اور زار وقطار روئے اور ایک دن اور آپ نے اسی طرح تقریر کی اپنی خالہ صاحبہ سے (جو مولانا سید محمد اسحٰق صاحب کی بیوہ کی پھوپھی تھیں) خاص طور پر بڑی منت وساجت سے کہا کہ آپ کسی طرح والدہ اسماعیل کو اس سنت کے احیا اور نکاح ثانی کے لئے آمادہ فرمائیں، آپ کو خوب معلوم ہے کہ یہ رشتہ میں حظ نفس کے لئے نہیں کرتا محض سنت کے جاری کرنے اور ہندوستان کی ایک رسمِ جاہلیت کو مٹانے کے لئے کرنا چاہتا ہوں'' غرض دو تین مہینے اسی کوشش میں صرف ہو گئے آخر کار اعزا اور خود مخدومہ راضی ہو گئیں اور ایک مدت دراز کے بعد ہندوستان میں شرفا کے خاندان میں یہ مبارک تقریب ہوئی۔

(''مخزن احمدی'' ص ۴۴)

سید صاحبؒ نے اس پر اکتفا نہیں کی، بلکہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ۔ اور اپنے

خلفاء کے نام شاہ اسماعیل سے خط لکھوائے، جس میں اس واقعے کی اطلاع اور سنت کی ترغیب دی، چنانچہ جواب میں خطوط آئے کہ اس پر عمل کیا گیا اور یہ سنت جاری ہوگئی۔
(''مخزن احمدی'' ص:۴۵)(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، جلد اول مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین منیریؒ کا وقت آخر

نماز مغرب کے بعد شیخ جلیل الدین، قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، قاضی نور الدین، بلال اور عتیق اور دوسرے احباب وخدام جو خدمت میں مصروف تھے، چارپائی کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے، حضرت مخدومؒ نے کچھ دیر کے بعد باواز بلند بسم اللہ کہنی شروع کی، کئی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور سے پڑھا ''لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین '' اس کے بعد بلند آواز کے ساتھ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم '' پڑھا، پھر کلمہ شہادت ''اشھدان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ واشھدان محمداعبدہ ورسولہ '' اس کے بعد فرمایا:۔''لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم '' پھر کچھ دیر کلمہ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کئی بار فرمایا:''بسم اللہ الرحمن الرحیم، لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ '' اسکے بعد بڑے اہتمام اور دل کی قوت اور ذوق وشوق سے ''محمدً محمدً محمدًاللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ ال محمدً ''الخ پھر یہ آیت پڑھی: ربناانزل علینامآئدۃ من السّمآء تا آخر رضینابااللہ رباوبالاسلام دیناوبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا: الخ اس کے بعد تین مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد فرمایا پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ جیسے کوئی مناجات اور دعا کرتا ہے، فرمایا: اللّٰھم اصلح امۃ محمدً اللّٰھمّ ارحم اُمّۃ محمدً اللّٰھمّ اغفر لامۃ محمدً اللّٰھمّ تجاوزعن امّۃ محمدً اللّٰھمّ اغث امۃ محمدً اللّٰھمّ انصرمن نصردین محمدً اللّٰھمّ فرج عن امّۃ محمدًفرجاعاجلا اللّٰھمّ اخذل من خذل دین محمدً برحمتک یاارحَمَ الرّاحمین، ان الفاظ

پر آواز بند ہوگئی، اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: لاخوف علیهم ولاھم یحزنون، لا الٰہ الا اللہ اس کے بعد ایک بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور جہاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۱۶ شوال ۸۲ھ عشاء کی نماز کے وقت کا ہے، اگلے روز پنجشنبہ کے دن نماز چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔"

(از رسالہ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ)
(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ سوم، مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اتباع سنت پر دیو بند کے ایک بزرگ کا واقعہ

دیو بند میں ایک بزرگ تھے حضرت عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ گرمی میں مشکیزہ بھر کر سڑکوں پر لوگوں کو پانی پلاتے تھے حالانکہ بڑے رئیس تھے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لے جارہے ہیں اور بہت مخلوق پیچھے ہے ان میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں مگر سب لوگ دوڑ رہے ہیں لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آہستہ آہستہ چل رہے ہیں میں نے کہا حضرت آپ بھی دوڑیے فرمایا کہ نہیں میں تو نشان قدم ڈھونڈ کر چل رہا ہوں دیر میں پہنچوں، وہ بات الگ ہے۔ مگر اتباع اصل بنیادی چیز ہے، رات بھر جاگ کر عبادت کرنا اور ہے اور ایک لمحہ حضور اکرم ﷺ کی اتباع بہت بلند چیز ہے فرمایا کہ ایک بیت الخلاء میں جانے کی دعا ہزاروں نفلی عبادتوں سے بہتر ہے اس لئے اتباع نور اور برکت ہی ہے۔

ایک اللہ والے کا واقعہ

اور ایک صاحب روضہ اقدس ﷺ کے سامنے حاضر تھے، دل میں نادم تھے ان پر رعب تھا، روضہ اقدس ﷺ کے قریب نہ جاسکے دور کھڑے رہے، جو لوگ مرتبہ جانتے ہیں وہ رعب کا معاملہ سمجھتے ہیں دوڑ کر جالی چومنا اور چیز ہے اور ہیبت دربار ﷺ سے قدم آگے نہ رکھنا اور چیز ہے۔ جس کو جتنا تعلق آپ ﷺ سے ہوگا اتنی ہی اس پر جلال کی کیفیت اور ہیبت ان پر ہوگی لوگ دھکے دے کر آگے بڑھتے رہے کہ بیچارے پیچھے کھڑے سلام پڑھتے رہے دل میں حسرت بھی تھی کہ لوگ آگے بڑھ رہے ہیں دل میں فوراً ایک ندا آئی کہ ان لوگوں سے

قریب وہ ہیں جو ہماری سنت پر عمل کرتے ہیں جو ہماری سنت پر عمل نہیں کرتے وہ چاہے ہماری جالیوں سے چپٹے ہوئے ہوں دور ہیں اور لوگوں سے کہہ دو ہماری قربت اور دوری اتباع ہے۔ حق تعالیٰ جس کو عشق دیتا ہے اس کو قربت محمدی ﷺ عطا کر دیتا ہے۔

عبادت کی کنجی اتباع رسول ﷺ ہے

حضرت سید کبیر احمد رفاعیؒ نے فرمایا کہ میں تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ دائمی سعادت کی کنجی رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے تمام افعال میں جو آپ ﷺ نے کئے ہیں اور جن سے آپ ﷺ رکے ہیں، اسی طرح آپ کی وضع کا کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے سونے بولنے میں بھی اتباع کیا کرو یہاں تک کہ تم کو اتباع کامل نصیب ہو جائے، ہم کو ایک بزرگ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے (عمر بھر خربوزہ نہیں کھایا) کیونکہ ان کو کسی حدیث سے یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوزہ کس طرح کھایا ہے اسی طرح ایک بزرگ نے بھولے سے موزہ کو بائیں پیر میں پہلے پہننا شروع کر دیا تو اس (خلاف سنت حرکت) کے کفارہ میں کسی قدر گیہوں (گندم) خیرات کیا۔ (بنیان المشید ص ۱۵۲)

اب یہ آنکھیں کسی اور کو نہ دیکھیں گی

حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم المتخلص بیہ واعظ (۱۲۰۵ھ تا ۱۲۷۵ھ) آپ حافظ جی صاحب گنج والے کے نام سے بھی مشہور تھے۔ جامعہ مسجد گنج کے امام خطیب و مدرس تھے پشاور کا یہ محلہ "حافظ محمد عظیم" کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی محبت کا جو عالم تھا وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ ایک بار آپ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے دیدار جمال سے شرف ہونے کے بعد یہ آنکھیں اب اور کسی کو دیکھنا نہیں چاہتیں۔ جب بیدار ہوئے تو نابینا ہو چکے تھے۔ آپ کی نہایت خوب صورت اور موٹی موٹی آنکھیں اب بے نور ہو چکی تھیں۔ سبحان اللہ! کیا عشق محمد (ﷺ) تھا۔ اسی عشق و محبت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی سے نوازا دیا تھا۔ بغیر بینائی کے تمام عمر درس و تدریس میں گذری۔ صحاح ستہ کی تمام اسانید زبانی یاد تھیں۔

۱۲۷۵ھ مطابق ۵۹۔۱۹۵۸ء میں وصال فرمایا۔ جنازہ پر لوگوں کا اس کثرت سے ہجوم تھا کہ شہر کے لوگ متعجب تھے کہ اس قدر خلقت کہاں سے آ گئی ہے۔ (دینی دستر خوان)

محمد سلیمان میرا مہمان ہے......

قاضی محمد سلیمانؒ صاحب مدینہ شریف قیام پذیر تھے۔ ایک دن قاضی صاحب مسجد نبوی سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے اور آپ کے ہمراہ مسجد نبوی کے امام بھی باتیں کرتے آ رہے تھے کہ مسجد کے دروازے پر پہنچے جہاں نمازیوں کے جوتے پڑے رہتے ہیں۔ اس جگہ امام صاحب نے بڑھ کر قاضی صاحب کے جوتوں کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کیا اور قاضی صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ قاضی صاحب نے تیزی سے امام صاحب کے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بلند مقام عطا فرمایا ہے جواباً امام صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ ایسا کس کے حکم سے کر رہا ہوں۔ فرمایا ''رات خوش بختی سے حضرت سرور کائنات ﷺ ابداً ابداً الی یوم القیامۃ کی خواب میں زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور عالم رویاء میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''محمد سلیمان میرا مہمان ہے۔ اس کی ہر طرح عزت کرنا'' (''دینی دستر خوان'' سے ماخوذ)

قرآن کریم کی تعلیم

امام ابو عبد الرحمٰن سلمیؒ مشہور تابعی ہیں۔ اور اگرچہ وہ تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم دینیہ میں بڑے اونچے مرتبے کے حامل تھے۔ لیکن انہوں نے ساری عمر کوفہ کی جامع مسجد کے اندر قرآن کریم پڑھانے پر گزاری، اور چالیس سال تک لوگوں کو قرآن کریم (حفظ و ناظرہ اور تجوید و قرأت) پڑھاتے رہے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا تھا کہ:

''خیرکم من تعلم القرآن وعلمه'' تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے فرمایا کہ اس حدیث نے مجھے یہاں بٹھا رکھا ہے۔

(النشر فی القراءات العشر لابن الجزریؒ، ص ۳ ج ۱، مطبوعہ دمشق ۱۳۴۵ھ)

علماءِ دیوبند کا عشقِ رسول ﷺ
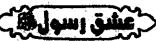
اس باب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے لے کر امیر شریعت رحمہ اللہ تک کے ایسے دلگداز واقعات ذکر کیے گئے ہیں جن کے مطالعے سے دلوں میں جذباتِ ایمانی موجیں مارنے لگتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول ﷺ

حضرت نانوتوی جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے پابرہنہ چلتے رہے آپ کے دل اور ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ دیار حبیب ﷺ میں جوتا پہن کر چلیں۔ حالانکہ وہاں سخت نوکیلے سنگریزے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار ہے چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی جناب مولانا حکیم منصور خاں صاحب حیدرآبادی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں جو اس سفر حج میں حجۃ الاسلام کے رفیق سفر تھے کہ مولانا مرحوم مدینہ تک کئی میل آخر شب تاریک میں اسی طرح چل کر پابرہنہ پہنچ گئے" (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۴۰)

اور نیز حکیم موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ ہی سے ارقام فرماتے ہیں کہ:

جب منزل بہ منزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا جہاں روضہ پاک صاحب لولاک ﷺ نظر آتا تھا فوراً جناب مولانا (محمد قاسم صاحب) مرحوم نے نعلین اتار کر بغل میں دبالیں اور پابرہنہ چلنا شروع کیا۔ (ایضاً۔۱۲۲)

آپ نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ کی زیر قیادت ۱۸۵۷ء انگریزوں سے جہاد کیا تھا اور شاملی کی مشہور لڑائی میں آپ کی یہ کرامت بھی ظاہر ہوئی تھی کہ آپ کو کنپٹی پر گولی لگی اور سر کو پار کر گئی۔ کپڑے خون سے تر ہو گئے۔ حضرت گنگوہی نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا۔ پھر دیکھا گیا تو زخم کا کہیں نشان نہ ملا۔ جب مجاہد علماء کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو آپ کی گرفتاری کے بھی وارنٹ جاری ہوئے۔ خدام اور متوسلین کے بہت زیادہ اصرار پر آپ ایک مکان میں روپوش ہوئے اور تین دن کے بعد پھر کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے۔ لوگوں نے پھر روپوشی کے لئے بمنت عرض کیا تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تین دن سے زیادہ روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور میں تین دن ہی روپوش رہے ہیں۔ (سوانح قاسمی جلد دوم ص ۱۷۳)

آپ حج کو جاتے ہوئے منگلاسہ (ضلع انبالہ) کے ایک باکمال بزرگ راؤ عبداللہ شاہ کو ملنے کے لئے تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا "حضرت میرے لئے دعا

فرمائیں"۔ اس پر راؤ عبداللہ شاہؒ نے فرمایا "بھائی میں تمہارے لئے کیا دعا کروں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۹۳)

آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے عشق ومحبت میں چند قصیدے بھی لکھے ہیں جو قصائدِ قاسمی میں چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ان کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی
کہ جس پر ایسا تیری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو ترے ایک بندہ ہونے میں
جو ہو سکے تو خدائی کا اک تری انکار
بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال
بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار
لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو ابوالبشر کے خدا
اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار
امیدیں لاکھ ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ ومار
جو یہ نصیب نہ ہوا اور کہاں نصیب میرے

گلاب سے زیادہ محبت کی وجہ

ایک مرتبہ مولانا گنگوہیؒ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسمؒ کو گلاب سے زیادہ محبت تھی۔ جانتے بھی ہو کیوں تھی۔ ایک صاحب نے عرض کیا ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے؟ فرمایا ہاں! اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حضور ﷺ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دل میں از حد راسخ تھی۔ اس لئے حرمین شریفین کے خس وخاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ مدینہ کی کھجوروں کی گھٹلیاں پسوا کر رکھتے اور ان کو کبھی کبھی پھانکا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگ زمزم کے ٹینوں اور گٹھلیوں کو یونہی پھینک دیتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے"۔ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت مولانا عاشق الٰہی کو دی اور فرمایا کہ اس کو پھانک لو۔ اور ایک دفعہ مدینۃ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ کھالو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے آپ نے فرمایا "میاں وہ مٹی اور ہوگی۔"

اگر کوئی مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ سے آپ کے لئے کوئی تبرک یا تحفہ لاتا تو آپ اس کو اس قدر خوشی سے قبول کرتے کہ ہدیہ دینے والے کا جی خوش ہو جاتا اور آپ فوراً ہی تمام حاضرین میں اس کو تقسیم فرما دیتے اور اگر کوئی شخص کوئی چیز مانگ لیتا تو فوراً ہی اسے عطا فرما دیتے اور خوش ہوتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے تسبیح مانگی۔ آپ کے پاس بیش قیمت خوبصورت تسبیح تھی۔ ان کے حوالہ کی اور فرمایا "پڑھتے رہنا ایسا نہ ہو کہ ویسے ہی سجا کر رکھ دو"

حضرت امام ربانی کا جی چاہتا تھا کہ ہر شخص حرمین شریفین سے اور وہاں سے آئی ہوئی چیزوں سے اسی طرح محبت و پیار رکھے جس طرح خود ان کو تھا۔ ایک مرتبہ مولانا محمد اسماعیل کو موم بتی کا ذرا سا ٹکڑا عنایت فرما کر کہا کہ اس کو نگل جاؤ اور ایک بار غلاف کعبہ کے ریشم کا ایک تار ایثار کیا اور کہا اس کو کھالو۔

منطق وفلسفہ سے نفرت

اسی طرح منطق وفلسفہ کے ساتھ آپ کا تنفر عداوت کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میرا مرید اور شاگرد منطق اور فلسفہ کے ساتھ اشغال رکھے گا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اس منطق وفلسفہ سے تو انگریزی بہتر ہے کہ اس سے دنیا کے نفع کی امید ہے۔ اور سب کچھ کتاب وسنت کے ساتھ والہانہ شغف و عشق کا ثمرہ تھا۔ آپ کے بال بال اور روئیں روئیں سے بطحائی پیغمبر کی ہر ادا پر شیفتگی ٹپکتی تھی اور آپ کا ہر بن مو گویا زبان بنا ہوا تھا۔ جس سے بجز اتباع شریعت کی آواز کے دوسری صدا نہ نکلتی تھی۔ آپ نے اپنا سب کچھ رسول کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ کی زبان، آنکھ، کان، بولنے دیکھنے، اور سننے سے پہلے دیکھتے تھے کہ آیا اس بات کی اجازت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے یا نہیں؟

حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں کہ احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں ہمراہی بھائی صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تو بھائی صاحب سے پہلی حاضری میں ہی حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں۔ چونکہ وہ احقر کے پاس موجود تھی اس لئے باادب۔ پیش کش خدمت اقدس کی تو نہایت وقعت اور عظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوائی اور روزانہ بعد عشاء خواب استراحت فرماتے وقت اتباعاً للسنۃ اس سرمہ کو آخر عمر تک استعمال فرماتے رہے۔

(الشہاب الثاقب ص ۵۲)

بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کیے۔ حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا اور شرف قبولیت سے ممتاز فرمایا بعض طلبہ حضار مجلس نے عرض بھی کیا کہ حضرت اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی یورپ کا بنا ہوا ہے۔ تاجر مدینہ میں لائے وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اس کو ہوا تو لگی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو یہ اعزاز اور برکت حاصل ہوئی ہے۔

(الشہاب الثاقب ص ۵۳)

حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ خود احقر کا مشاہدہ ہے کہ تین دانے ان کھجوروں کے جو صحن خاص نبوی میں نصب ہیں اسی سال لا کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ اس کی حضرت نے اس قدر وقعت فرمائی کہ نہایت اہتمام سے ان کے ستر سے کچھ زائد حصے فرما کر اپنے اقربا و مخلصین و محبین میں تقسیم فرمائے اور اپنا بھی ان میں ایک حصہ قرار دیا۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۳)

وہاں سے حضرتؒ کے بعض مخلصین نے حجرہ مطہرہ نبویہ کا جلا ہوا زیتون کا تیل ارسال کیا تھا۔ حضرت نے باوجود نزاکت طبعی کے جس کی حالت عام لوگوں پر ظاہر ہے اس کو پی ڈالا۔ حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے۔ ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۵۳)

جن الفاظ میں ایہام گستاخی و بے ادبی ہوتا تھا ان کو بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے باعث ایذا جناب رسالت مآب علیہ السلام ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ بس کلمات کفر کے بکنے والے کو منع کرنا شدید چاہئے۔ اگر مقدور ہو اور اگر باز نہ آئے قتل کرنا چاہئے کہ موذی و گستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔
(الشہاب الثاقب ص ۵۳)

آپ فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات ﷺ ہوں اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو۔ مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔
(الشہاب الثاقب ص ۵۳)

حرم نبوی میں حاضری کے آداب لکھتے ہوئے زبدۃ المناسک میں فرماتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ کو چلے تو کثرت درود شریف کی راہ میں بہت کرتا رہے۔ پھر جب درخت وہاں کے نظر پڑیں تو اور زیادہ کثرت رہے۔ جب عمارت وہاں کی نظر آئے تو درود پڑھ کر کہے:

اللھم ھذا حرم نبیک فجعلہ وقایۃ لی من النار و امانا من العذاب و سوء الحساب

اور مستحب ہے کہ غسل کرے یا وضو اور کپڑا صاف اچھا لباس پہنے اور نئے نئے

کپڑے ہوں تو بہتر اور خوشبو لگائے اور پہلے سے پیادہ ہو لے اور خشوع اور خضوع جس قدر ہو سکے فروگزاشت نہ کرے اور عظمت مکان کا خیال کیے ہوئے درود شریف پڑھتا ہوا چلے، جب مدینہ مطہرہ میں داخل ہو تو کہے: رب ادخلنی 'الخ اور ادب اور حضور قلب کے ساتھ دعا اور درود شریف بہت پڑھے۔ وہاں جا بجا موقع قدم رسول اللہ ﷺ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے کہ مجھ کو حیا آتی ہے کہ سواری کے کھروں سے اس سرزمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیب اللہ ﷺ چلے پھرے ہوں اور بعد تحیۃ المسجد کے سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کے نصیب کی۔ پھر روضہ کے پاس حاضر ہو اور باادب تمام اور خشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگائے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت محمد ﷺ کو لحد شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے تصور کرے اور کہے السلام علیک یا رسول اللہ اور بہت پکار کر نہ بولے، آہستہ خضوع اور ادب سے یہ نومی عرض کرے۔ (الشہاب الثاقب ص ۴۹۔۵۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

آپ کی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" سیرت نبوی پر ایک عجیب عاشقانہ و عارفانہ کتاب ہے۔ اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

"طاعون کا ایک متبرک علاج، من جملہ اور علاجوں کے ذکر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ہے اور یہ علاج تجربے میں آیا ہے۔ میں نے ایک کتاب "نشر الطیب" لکھی حضور ﷺ کے حالات میں۔ اس کے لکھنے کے زمانے میں خود اس قصبے (تھانہ بھون) میں طاعون تھا۔ میں نے یہ تجربہ کیا کہ جس روز اس کا کچھ حصہ لکھا جاتا تھا اس روز کوئی حادثہ نہیں سنا جاتا تھا اور جس روز ناغہ ہو جاتا تھا، اس روز دو چار اموات سننے میں آتی تھیں۔ ابتداء میں تو میں نے اس کو اتفاق پر محمول کیا۔ لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ حضور ﷺ کے ذکر مبارک کی برکت ہے۔ آخر میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ اس کا کچھ حصہ ضرور لکھ لیتا تھا۔

آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون کے متعلق اطراف و جوانب سے لکھا ہے تو

میں نے ان کو بھی جواب میں یہی لکھا ہے کہ ''نشر الطیب'' پڑھا کرو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجلس منعقد کی جائے اور اس میں مٹھائی منگوائی جائے اور ایک شخص بیٹھ کر پڑھے اور سب سنیں...... مطلب یہ ہے کہ دوسرے وظائف کی طرح سے روزمرہ اس کا بھی وظیفہ مقرر کر لیا جائے۔ یہ نہیں کہ سال بھر میں ایک دو مقرر تاریخوں پر کر لیا اہل محرم کی طرح اور پھر سال بھر کروٹ بھی نہ لی۔'' (مواعظ میلاد النبی ا،ص ۱۳۲)

''ماہ ربیع الاول شریف کو شریف اس لئے کہا کہ حضور ﷺ کی اس ماہ میں ولادت ہوئی ہے اور جس زمانے میں آپ کی ولادت ہوئی وہ ماہ ایسا نہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت سے اس میں شرف نہ آئے جیسے ولادت شریف کا مکان اسی وجہ سے معظم ہے کہ حضور ﷺ کی جائے ولادت ہے چنانچہ وہ موضع شریف محفوظ ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔''
(وعظ ''الظہور'' ص ۲۰)

ایک موقع پر بڑی صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

''پس ہم پر خالص تہمت اور محض افتراء اور نرا بہتان ہے کہ توبہ، توبہ، نعوذ باللہ! ہم لوگ حضور ﷺ کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں۔ حاشا وکلا۔ حضور ﷺ کا ذکر تو ہمارا اجزو ایمان ہے۔ ہاں جو شے خلاف ان قوانین کے ہوگی جن کی پابندی کا ہم خود حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس سے البتہ ہم روکیں گے۔'' (وعظ ''السرور'' ص ۵۹)

ایک طرف ترک مسلمان اسلام اور آزادی کی خاطر جانیں لڑا رہے تھے اور اپنی گردنیں کٹوا رہے تھے تو دوسری طرف ہندوستان کے مسلمان غفلت کے اندھیروں میں کھوئے ہوئے تھے۔ حکیم الامتؒ نے انہی دنوں وعظ فرمایا اور غافل و خوابیدہ دلوں کو عشق رسول ﷺ کا حوالہ دے کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

''اب ربیع الاول کا مہینہ ہے۔ اس میں بہت جگہ مولود ہوا ہوگا۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے حظ (مزہ) کو محفوظ رکھا لیکن حضور ﷺ کے اسلام پر جو اس وقت سخت مصیبت آرہی ہے اور ڈانواں ڈول ہو رہا ہے اس کی تم نے کیا مدد کی؟ اس کو کیا سہارا پہنچایا؟ افسوس ہے کہ امسال بجائے اس مہم ''امداد اسلام'' کے بعض مقامات پر محض عید میلاد النبی کے منانے کو مٹھائی کے واسطے چھ سو روپے کا چندہ ہوا۔ ایک وہ مسلمان ہیں کہ اسلام کی

خدمت کے لئے اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ان کو مٹھائی کھانے کو سوجھ رہی ہے......"

"ان سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ اگر اس وقت حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے اور آپ ﷺ سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چھ سو روپے ہم مٹھائی میں خرچ کردیں یا آپ کے جانبازوں پر لگا دیں تو کیا حضور ﷺ یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کردو۔ صاحب! کسی دردمند کو ایسے وقت میں مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہوسکتا ہے؟ ہائے کس منہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہوگی۔ کیسی بے حسی ہے! کتنا بڑا ظلم ہے! اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعویٰ محبت کرتے ہیں۔ کیوں صاحب! آپ نے تو مولود شریف کیا اور ترکوں نے اپنی جان لڑائی تو کون شخص محب رسول ﷺ ہوا؟" (وعظ "النور" ص ۱۳۰)

حضرت تھانویؒ نے ۲۵ سال کی فیس جمع کرادی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بانی و امیر اول مجلس تحفظ ختم نبوت، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان کے ہمراہ قطب الارشاد حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، امیر شریعت حضرت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ:

"حضرت! میں نے مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام ایک شعبہ تبلیغ ختم نبوت قائم کیا ہے۔ (بعد میں تقسیم ملک کے کافی عرصہ بعد مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے رد قادیانیت کے لئے باضابطہ ایک جماعت تشکیل دی گئی جس کے سب سے پہلے امیر حضرت امیر شریعت "منتخب ہوئے، الحمد للہ یہ جماعت آج بھی قائم ہے اور غیر سیاسی جماعت کی حیثیت سے اندرون و بیرون ملک کام کررہی ہے) اس شعبہ تبلیغ ختم نبوت کا کام صرف اور صرف ختم نبوت کا تحفظ اور رد قادیانیت اور تبلیغ اسلام ہے اس سے سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں۔"

یہ سن کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا کہ:

''اس شعبہ کی رکنیت کی سالانہ فیس کتنی ہے''۔

حضرت امیر شریعتؒ نے عرض کیا کہ ''ایک روپیہ سالانہ''۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے پچیس روپے عنائت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ:

''پچیس سال کی رکنیت کی فیس اور اگر میں ان پچیس سالوں سے پہلے فوت ہو گیا تو ختم نبوت (جماعت) کے رکن کی حیثیت سے میری موت ہو گی اور خدا کرے اسی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اور حسن اتفاق کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال اسی عرصہ میں ہوا۔

حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ بارگاہ رسالت ﷺ میں

(از مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی ہم عصر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ)

ایک ملاقات میں مرحوم نے فرمایا ایک بار زیارت بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربار رسالت میں کرامت کا ظہور ہوا ہے کہ ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوۃ وسلام پڑھا تو دربار رسالت سے ''وعلیکم السلام یا ولدی'' کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا۔ مولانا مرحوم نے فرمایا اس واقعہ کو سن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ مزید خوشی کا سبب یہ تھا کہ یہ سعادت نوجوان کو حاصل ہوئی ہے۔ دل تڑپ اٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کی، تا کہ اس محبوب بارگاہ رسالت کی زیارت سے مشرف ہو سکوں اور خود اس واقعہ کی بھی تصدیق کر لوں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مہاجر مدنی کا فرزند ارجمند ہے۔ مرحوم نے فرمایا کہ سید صاحب موصوف سے ایک گونہ تعارف وتعلق بھی تھا۔ گھر پر پہنچا، ملاقات کی، اپنے دوست کے سعادت مند سپوت ہندی نوجوان کو لے کر ایک گوشہ تنہائی میں چلا گیا۔ تنہائی پا کر اپنی طلب وجستجو از بتایا اور واقعہ کی تصدیق کی۔ ابتداء خاموشی اختیار کی لیکن اصرار کے بعد کہا ''آپ نے جو سنا صحیح ہے'' یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد مولانا مرحوم نے فرمایا سمجھے کہ یہ ہندی نوجوان کون تھا؟ یہی تمہارے استاذ مولانا حسین احمد مدنیؒ تھے۔

(بیان فرمودہ حضرت مولانا قاضی سجاد احمد صاحب)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے والد ماجد حضرت سید حبیب اللہ نہایت پاک باز بزرگ تھے۔ اس زمانہ کے مشہور بزرگ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے خلفاء میں سے تھے۔ اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی اور شیخ ہی کی بارگاہ میں بارگاہ رسالت کا عشق رگ وریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا۔ شیخ کا وصال ہوا تو آپ کو بے پناہ صدمہ ہوا۔ ہر وقت بے چین رہتے اور ان کی یاد میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

حال من زہجر حضرت کم تراز یعقوب نیست

او پسر گم کردہ بود، من پدر گم کردہ ام

(حضرت کی جدائی میں میرا حال یعقوب علیہ السلام سے کچھ کم نہیں۔ ان کا بیٹا بچھڑ گیا تھا، میں نے والد کو کھو دیا ہے)

اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ حضرت مدنیؒ ۱۳۱۶ھ دارالعلوم دیوبند میں علوم دینیہ کی تکمیل کر کے فارغ ہوئے تو آپ کے والد حضرت حبیب اللہ رحمہ اللہ نے ہجرت کی تیاری مکمل کر لی اور اپنے خاندان سمیت ترک وطن کر کے دیار حبیب میں جا آباد ہوئے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق مسجد نبوی ﷺ کی مبارک اور پر انوار فضاؤں میں تدریس کا آغاز کیا۔ آپ کے حلقہ درس بہت جلدی مقبول ہوگیا، اور ممالک اسلامیہ کے طلباء آپ کے پاس کھنچ کھنچ آنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کو شیخ الحرمین کے بلند خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔ مولانا قاری محمد طیب ؒ صاحب لکھتے ہیں کہ آپ نے ۱۸ برس حرم نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھ کر اور خود صاحب کتاب وسنت (جناب رسول اللہ ﷺ) کے پاس اور ان کے زیر نظر رہ کر درس کتاب وسنت دیا۔ جس سے مشرق ومغرب کے ہزار ہا عوام وخواص اور علماء وفضلاء مستفید ہوئے اور حجاز وشام، مصر وعراق اور ترک وتاتار وغیرہ تک آپ کے کمالات کا شہرہ پہنچ گیا۔ قیام مدینہ کی انتہاء اس پر ہوئی کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اسارت مالٹا کے موقع پر استاد کی معیت میں تین برس سے زائد اسارت خانہ میں رہے۔ گویا حرم نبوی ﷺ کے اشارہ پر حرم شیخ میں مکرر داخل ہوئے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام)

تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے پیرومرشد حضرت گنگوہیؒ کی ہدایات کے مطابق پوری مستعدی اور ہمت سے ذکروشغل بھی جاری رکھااور مدینہ کی مقدس وادیوں میں سلوک وطریقت کی مشکل ترین گھاٹیاں بھی عبور کرڈالیں۔ روزانہ بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کر کے وہیں مسجد شریف میں ہی ذکرالٰہی میں مشغول ہوجاتے بدن میں غیراختیاری حرکت پیدا ہوجاتی تو اٹھ کر جنگل میں تشریف لے جاتے۔ کبھی مسجدالاجابہ کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھ کر اللہ کے نام کی ضربیں لگاتے اور کبھی کسی دوسری وادی میں جاکراوروظائف پورے کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور جناب رسول اللہ ﷺ کے عشق ومحبت کی برکت سے مبشرات اوررویاءصالحہ کا سلسلہ شروع ہوا تو معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بلاحجاب زیارت اور ''وعلیکم السلام یاولدی'' کے مبارک جواب سے سرفراز ہوئے۔

ایک دن آپ اردو شعروں کی کتاب پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے یہ مصرع آیا:

ہاں اے حبیب رخ سے ہٹا دو نقاب کو

یہ آپ کو بہت بھلا معلوم ہوا۔ روضہ اطہر کے قریب پہنچ کرصلوٰۃ وسلام کے بعد نہایت بےقراری کے عالم میں یہ مصرعہ پڑھنا اور شوق دیدار میں رونا شروع کیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ کو اسی بیداری میں نظر آیا کہ حضور ﷺ سامنے ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کا چہرہ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔ (ملخصا نقش حیات جلد اول ص ۹۲)

آپ آخری بار ۱۳۴۷ھ میں جب زیارت بیت اللہ شریف وزیارت روضہ نبی ﷺ کے لئے تشریف لے گئے تو بحری جہاز میں آپ نے ایک تقریر فرمائی جس میں ایک ایک جملہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے عشق ومحبت سے لبریز ہے۔ اس تقریر میں دربار رسالت میں حاضری کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کا عشق لے کر جارہے ہو تو جس قدر ممکن ہو عجز وانکسار اختیار کرو۔ جملہ عاشقوں کے سردار آقائے نامدار ﷺ پر جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھتے ہوئے، تلاوت کر کے ہدیہ کیجئے۔ اس راہ عشق کے سردار آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک اورعلماء کے گروہ کے نزدیک پہلے مدینہ منورہ جانا افضل ہے۔

ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ تمام امت کے لئے رحمت ہیں۔ آپ کے

پاس حاضری دے کر عرض کرو، یارسول اللہ ہم حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے حج کی قبولیت کی دعا فرمائیے۔ شفاعت فرمائیے۔ پھر جناب باری سبحانہ کے گھر کی طرف لوٹا جائے تا کہ آپ کے وسیلہ سے اللہ پاک حج کی اس عاشقانہ عبادت کو قبول فرمائے۔''

(ارشادات ص ۲۰)

ایک مرتبہ درس بخاری میں ارشاد فرمایا کہ ایک حاجی صاحب مدینہ منورہ پہنچے اور یہ کہہ دیا کہ مدینہ منورہ کا دہی کھٹا ہوتا ہے، رات کو جناب رسول اللہ ﷺ خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ جب مدینہ شریف کا دہی کھٹا ہے تو آپ یہاں کیوں تشریف لائے؟ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ صاحب بیدار ہوئے تو بہت گھبرائے لوگوں سے پوچھتے پھرتے تھے کہ اب کیا کروں؟ کسی صاحب نے فرمایا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر جا کر دعا کرو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم فرمائے۔ چنانچہ یہ صاحب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر گئے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔ رات کو حضرت حمزہ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: مدینہ منورہ سے چلے جاؤ، ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔ اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے ارشاد فرمایا: مدینہ منورہ کی چیزوں میں ہرگز عیب نہ نکالنا چاہئے، بلکہ وہاں کی مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کرنا چاہئے، مدینہ منورہ کے باشندوں کا احترام کرنا چاہئے اگر ان کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو ہنسی خوشی برداشت کرنا چاہئے۔

(انفاس قدسیہ ص ۲۵۹)

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے واقعات

مرض وفات میں مدینہ طیبہ کا ذکر سن کر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی۔ اور بعض اوقات بلند آواز سے رونے لگتے۔ مولانا محمد صاحب انوری عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے حضرت سے رخصت ہونے کے لیے آئے مدینہ طیبہ کا ذکر ہوا تو حضرت دھاڑیں مار کر روئے مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ''میں نے کبھی حضرت اقدس کو اس سے پہلے بلند آواز میں روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔'' بابو عبدالعزیز صاحب آئے تو ان سے فرمایا دیکھو یہ مدینہ جا رہے ہیں'' یہ کہہ کر حضرت کی چیخیں نکل گئیں۔''

صحابہ کرامؓ سے تعلق ومحبت

حضرت پر ابتدائے شعور سے صحابہ کرامؓ کی محبت وعظمت کا بڑا غلبہ تھا اور حضرت کو ان کے حالات اور تذکرہ سے بڑی مناسبت اور شغف تھا۔ اکثر انہیں کا تذکرہ کرنا اور سننا پسند فرماتے تھے ان کی فتوحات اور مغازی کی کتابوں سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ فتوح الشام واقدی سے خاص شغف تھا۔ خلفائے راشدینؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے مناقب بڑی دلچسپی اور لطف سے سنتے تھے۔ اور اس داستان کو زیادہ سے زیادہ طول دینا پسند کرتے تھے۔

بجرے تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از شوق حضوری طول دادم داستانے را

پاکستان میں بالخصوص (وہاں کے حالات کی بنا پر) یہ ذکر وتذکرہ بہت بڑھ جاتا تھا۔ ایک روز ایک مجلس میں فرمایا:

اگر شیعہ کے اصولوں کو دیکھا جائے تو پھر اسلام تو کچھ نہیں رہ جاتا اور حضور ﷺ کا کوئی کمال ہی نہیں معلوم ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ کی صحبت سے ہزاروں لاکھوں کی اصلاح ہو جاتی ہے اور صحبت کی برکت سے پکے دیندار بن جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت سے کوئی پکا مسلمان نہیں بنا؟

ایک مرتبہ ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے جو سادات کی طرف اپنی نسبت کرتے اور تشیع کی طرف مائل ہیں فرمایا:

بھائی میں تو سیدوں سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے تو آپ حضرات پر اعتبار نہیں رہا ہم تو اچھے خاصے مندروں میں پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے۔ آپ کے بڑوں نے ہمارے بڑوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ہم لبیک کہتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لئے۔ اب آپ ہمیں یہیں چھوڑ کر کوئی شیعہ ہو رہا ہے، کوئی مرزائی اور کوئی عیسائی اور کوئی منکر حدیث، بس بھائی ہمیں یہی اسلام کافی ہے۔ یہ ہمارے بس کا نہیں کہ تم جہاں جاؤ ہم تمہارے پیچھے پیچھے بھاگے پھریں۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مسلمان نہیں ہیں تو ہمیں تو اور کوئی

مسلمان نظر نہیں آتا۔

مولانا محمد صاحب انوری لکھتے ہیں:

حضرت نور اللہ مرقدہ کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سننے کا بڑا ذوق وشوق رہتا تھا مولانا محمد یوسف صاحب کی کتاب حیاۃ الصحابہ سن کر بہت روتے تھے۔اور پنجاب کے اسفار میں لاہور اور لائل پور میں تو ہم نے دیکھا ہے کہ محمد شفیع کبیر والا ضلع ملتان سے آجاتے تو ان سے مناقب صحابہؓ کے متعلق پنجابی نظمیں سنتے اور رقت طاری ہو جاتی، اکثر اوقات حضرت اقدس کی زبان مبارک پر پنجابی کا یہ شعر رہتا تھا۔

او دیوانے محمدؐ دے میں دیوانہ صحابہؓ دا
او پروانے محمدؐ دے میں پروانہ صحابہؓ دا

پھر محمد شفیع کے انتظار میں رہتے، جب آتے تو یہ شعر ضرور سنتے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حج کو تشریف لے گئے تو مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کو جاتے ہوئے آخری منزل پر بدو سے کہہ دیا کہ جب وہ جگہ آئے جہاں سے سبز گنبد نظر آتا ہے تو فوراً بتا دے، اس نے بتا دیا، وہاں سے اتر کر پیدل چلتے رہے، رفقاء کو پہلے ہی تاکید فرمادی تھی کہ درود شریف کی کثرت رکھیں، خاموش رہیں اور بہت ادب واحترام کے ساتھ حاضری دیں۔(سوانح حضرت رائے پوری ص ۲۴۰)

شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے متعلق آپ کے صاحبزادے وجانشین اور جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے سابق امیر مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ انگریزوں نے حضرت کو دہلی سے گرفتار کر کے مختلف جیلوں میں رکھا اور آخر میں لاہور میں پابند ضمانت کیا۔آپ نے ایک چھوٹی سی مسجد میں قرآن شروع کیا تو بعض لوگوں نے آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کا گستاخ اور بے ادب مشہور کر دیا اور آپ کو شہید کر دینے کی سازش کی۔

مشہور نشانہ باز بابو رحمت اللہ کو تیار کیا گیا کہ حضرت رات کو جب مسجد سے مکان

کو اکیلے جاتے ہیں اس وقت آپ کو شہید کر دیا جائے۔ بابو رحمت اللہ صبح کے درس میں آئے کہ اچھی طرح دیکھ لوں تاکہ رات کو مغالطہ نہ ہو۔ اتفاق سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سردار دو جہان ﷺ کی شان بیان فرما رہے تھے۔ انداز ایسا انوکھا اور عاشقانہ تھا کہ وہ سن کر حضرت کے گرویدہ ہو گئے۔ اپنے ارادہ سے توبہ کی اور ساتھیوں کو جا کر کہا "تم لوگ مجھ سے ایسے شخص کو قتل کروانا چاہتے ہو جو سچا عاشق رسول ہے۔ میں نے تو آپ سے حضور اقدس ﷺ کی جو تعریف سنی وہ اس سے پہلے کسی سے نہیں سنی تھی۔" ان لوگوں کے سروں پر شیطان سوار تھا وہ نہ مانے تو بابو صاحب نے کہا کہ جو حضرت کو شہید کرے گا وہ پہلے میرا سر اتارے گا پھر حضرت تک پہنچے گا۔"

بارگاہ رسالت سے آپ کے لگاؤ اور عشق کو علامہ انور صابری نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے۔

تو رہا لاہور میں دل مدینے میں رہا
بن کے اک موتی محمد کے خزینے میں رہا

حضرت کی حیات میں فیض باغ لاہور کے عبدالقادر راج نے خواب میں دیکھا کہ آنجناب ﷺ خدام الدین کے دفتر میں تشریف فرما ہیں اور حضرت لاہوری آپ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنے ایک ساتھی کو پیش کیا جو مسلک کے بارے میں ان سے جھگڑا کرتا تھا اور دریافت کیا کہ امت کے موجودہ فرقوں میں سے کونسا فرقہ حق پر ہے۔ آنجناب ﷺ نے حضرت لاہوری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "یہ جو کچھ کہتے ہیں حق ہے۔"

(خدام الدین ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء)

بات ادب کے اعلیٰ مقام کی تھی

مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ جمعیت علمائے ہند کے صدر اور متحدہ ہندوستان کے مفتی اعظم ہند تھے انہوں نے اسلامی تعلیمات اور احکام ومسائل کے متعلق "تعلیم الاسلام" کے نام سے کتاب لکھی، کیا مشرق، کیا مغرب، ایک دنیا نے اس سے استفادہ کیا اور کر رہی

ہے "تعلیم الاسلام" کا فارسی، ترکی، پشتو، بنگلہ اور دوسری کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا، چین، افغانستان اور وسطی ایشیا کی کمیونسٹ ریاستوں میں مسلمان نسلوں کو آج بھی یہی کتاب دین اسلام کی بنیادی تعلیم سکھا رہی ہے، اسلامی کتب خانے میں اس قدر مقبولیت بہت کم کتابوں کو حاصل ہوئی۔ بلاشبہ اس قبولیت کے پیچھے مؤلف کا غیر معمولی اخلاص کارفرما ہے، نو جلدوں پر مشتمل حضرت مفتی اعظم کے فتاوی کا مجموعہ "کفایت المفتی" ان کی فقہی بصیرت ومہارت کا شاہکار ہے۔

مفتی اعظم ہند اسی دیوبند کے صاحب عزم فرزندوں میں سے تھے، وہ اسلامی تہذیب کے اس قافلۂ سالار کے فرد تھے جن کی زندگی کی ایک ایک ادا سنت رسول ﷺ کی خوشبو میں رچی بسی تھی، مفتی صاحب جامعہ امینیہ دہلی میں دورۂ حدیث شریف پڑھاتے تھے، ہمارے اکابر کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے جب کبھی قومی اور سیاسی معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت محسوس کی تو مسند درس کو خیرباد نہیں کہا، سیاست کے جھمیلے ان کی تدریس کا عملی رشتہ نہیں توڑ سکے......

مفتی اعظم صاحب کے ہاں ایک سال دورۂ حدیث میں سوات کے مولوی عبدالحق بھی شریک تھے، انہوں نے رات کو خواب میں سرور دو عالم جناب نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ درس حدیث کی مسند پر حضرت مفتی صاحب کی جگہ تشریف فرما ہیں، ریش مبارک سفید ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث پڑھا کر اس پر محدثانہ تقریر فرما رہے ہیں، عجیب بات یہ تھی کہ مولوی عبدالحق مرحوم کو وہ تقریر جاگنے کے بعد بھی ٹھیک اسی طرح یاد رہی جیسے سنی تھی، صبح حضرت مفتی صاحب درس کے لئے تشریف لائے، اپنی مسند پر بیٹھ کر کتاب کھولی تو مولوی عبدالحق نے کہا "حضرت! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں" اجازت مل گئی تو انہوں نے اپنا رات والا خواب سنایا، سنتے ہی حضرت مفتی صاحب اپنی مسند پر کھڑے ہو گئے، فرمانے لگے "عبدالحق! قبلہ رخ کھڑے ہو کر خدا کو گواہ بنا کر کہو کہ واقعی تم نے خواب میں اسی طرح دیکھا" مولوی عبدالحق صاحب نے حکم بجا لایا تو حضرت مفتی صاحب مسند سے ہٹ کر سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا "عبدالحق! تمہارا خواب سچا ہے، مگر تم اپنے ایمان کی خبر لو، تمہارا ایمان کمزور ہے، تم نے حضور ﷺ کی ڈاڑھی سفید دیکھی ہے حالاں کہ آپ کی ڈاڑھی سیاہ

تھی“......اور اس کے بعد حضرت مفتی اعظم چالیس روز تک احترام کی رعایت سے اس مسند پر نہیں بیٹھے، معاملہ اگرچہ خواب کا تھا لیکن بات ادب کے اعلیٰ مقام کی تھی!!

(”کرنیں“ از مولانا ابن الحسن عباسی)

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہؒ

آپ نے ۱۲۶۰ھ میں جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو حضور ﷺ نے آپ کو فرمایا کہ ”تم ہمارے پاس آؤ“ بیدار ہوئے تو دل زیارت مدینہ کے لئے بے قرار تھا، مگر اسباب سفر مفقود تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر کے چل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی پیدا فرما دیئے اور منزل مقصود کو پہنچ کر جناب رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ زیارت حرمین شریفین سے سرفراز ہو کر واپس آئے۔ یہ آپ کا پہلا حج تھا جو سرور دو عالم ﷺ کے بلاوے پر نصیب ہوا تھا، اسی موقع پر آپ کے دل میں قیام بیت اللہ کی تڑپ پیدا ہوئی اور ۱۲۷۶ھ میں ہندوستان سے ہجرت کر کے حجاز مقدس تشریف لے گئے اور مکہ شریف میں مستقل قیام کیا۔

آپؒ کی ایک مشہور نعت ہے:

کہے ہے شوق نبی سے آ کر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
صبا بھی لانے لگی ہے اب تو نسیم طیبہ نسیم طیبہ
کہے ہے شوق آب وہوا میں اڑ کر چلو مدینے چلو مدینے
خدا کے گھر میں تو رہ چکے بس عمر بھی آخر ہوئی ہے آخر
مریں گے اب تو نبی کے در پر چلو مدینے چلو مدینے
شہر شہر کیوں پھرے ہے مارا جو دونوں عالم کی چاہے دولت
تو سر قدم ہو کے درد سہہ کر چلو مدینے چلو مدینے
یہ جذب عشق محمدی ہیں دلوں کو امت کے کھینچتے ہیں
کہے ہے ہر دل جو ہو کے مضطر چلو مدینے چلو مدینے

جو کفر و ظلم و فساد و عصیاں ہر اک شہر میں ہوئے نمایاں
تو دین اسلام اٹھے یہ کہہ کر چلو مدینے چلو مدینے
رجب کے ہوتے ہیں جب مہینے بھرے ہیں شوق نبی سے سینے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ

آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تقریباً نصف صدی تک حدیث پاک کا درس اس طرح دیا کہ آپ کو بڑے بڑے مناسب اور تنخواہوں کی پیشکشیں آتی رہیں لیکن آپ نے شغل حدیث کے بدلے دنیا کی کسی بڑے سے بڑی حیثیت کو بھی قبول نہیں کیا۔ آپ کا یہ درس کیسا والہانہ تھا اور آپ کے نزدیک حدیث شریف پڑھنے پڑھانے کا مقصد کیا تھا؟ خود سبق میں فرماتے تھے:

''میرے نزدیک علم حدیث کی ایک جداگانہ غرض ہے، وہ یہ ہے کہ اگر علم حدیث پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی بھی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا کلام ہے۔ ہم محبّ رسول ﷺ ہیں اور آپ ﷺ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں لہٰذا آپ ﷺ کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت، حلاوت اور رغبت پیدا ہوگی۔'' (تقریر بخاری شریف ص ۲۷)

آپ اتباع سنت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور بہت سی ایسی چیزیں جنہیں آج ہم غیر اہم سمجھ کر چھوڑے ہوئے ہیں، آپ بڑے اہتمام سے ان پر عمل کرتے۔ خود تحریر فرماتے ہیں:

''اصل چیز اتباع سنت ہے اور جس کو پرکھنا ہو اسی معیار پر پرکھا جائے گا۔ جو شخص اتباع سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ کے نزدیک محبوب و مقرب ہو گا۔ روشن دماغی چاہے اس کے پاس بھی نہ آئی ہو۔ اور جو شخص اتباع سنت سے جتنا دور ہے، اللہ تعالیٰ سے بھی اتنا ہی دور ہے۔ چاہے وہ مفکر اسلام، مفکر دنیا اور مفکر سمٰوات بن جائے۔'' (اکابر علماء دیوبند)

آپ کے خلیفہ مجاز مولانا محمد یوسف متالا زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

''تیسرے سال حضرتؒ جو پسوا کر روزانہ دوپہر کو جو کی روٹی کھانا شروع کی۔ بلاناغہ کئی ماہ تک یہ معمول مسلسل چلتا رہا کہ بڑے عشق کے ساتھ اور مزے لے کر حضرت وہی جو کی روٹی اتباع سنت کی نیت سے کھاتے رہے اور مہمانوں کے لئے جو گیہوں کی روٹیاں بھی پکتی تھیں اس میں بھی تھوڑا سا جو کا آٹا ملانے کا اہتمام فرمایا تھا۔''

عاشق رسول ﷺ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جب پہلی بار حضرت کے یہاں مہمان ہوئے اور اسی کچی کوٹھڑی میں معہ سامان تشریف لاکر وہاں بچھے ہوئے بوریئے پر بیٹھ گئے تو مکان کو اوپر سے نیچے دیکھ کر اپنی ظریفانہ عادت شریفہ کے مطابق مکان کی تعریف شروع کردی۔ فرمایا کہ:

''اس کو دیکھ کر نانا ابا ﷺ کے مکان کی یاد تازہ ہوگئی۔''

اور حضرت شیخؒ سے فرمایا کہ:

''حضرت! کیا عرض کروں کتنی مسرت اس مکان کو دیکھ کر ہوئی، اسلاف کا دور آنکھوں کے سامنے پھر گیا'' (حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسول ص ۶۹)

آپؒ کی وصیت کے یہ الفاظ بہت مشہور معروف ہیں:

''میں ہمیشہ اپنے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں کہ دل سے موت کو یاد رکھیں اور زبان سے کثرت سے درود شریف پڑھتے رہیں۔''

آپ کی کتاب ''فضائل درود شریف'' بارگاہ رسالت سے آپ کے عاشقانہ تعلق کی کھلی ہوئی دلیل اور اب تک لاکھوں انسان اس کتاب کو پڑھ کر متبع سنت اور محب رسول بن چکے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہین کہ میرے ایک رفیق درس حسن احمد مرحوم تھے، والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے دورہ حدیث میں میرے اور مرحوم کے دو اہتمام تھے۔ ایک یہ کہ کوئی حدیث ایسی نہ ہو کہ جو استاد کے سامنے پڑھنے سے رہ جائے، دوسرے یہ کہ بے وضو کوئی حدیث نہ پڑھی جائے۔ میرا اور مرحوم کا دستور یہ تھا کہ ہم میں سے جس کو وضو کی ضرورت پیش آجاتی وہ دوسرے کو کہنی مار کر یکدم اٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی

فوراً ابا جان پر کوئی اشکال کر دیتا۔ اگر چہ اس کی نوبت تو بہت کم آتی تھی، مہینے دو مہینے میں اس کی نوبت آتی تھی اس لئے صحت اچھی تھی۔ اس سیہ کار کا تو اس زمانے میں ظہر کے وضو سے عشاء پڑھنے کا معمول سالہا سال رہا پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ والد صاحب پہلی مرتبہ ہی سمجھ گئے تھے کہ یکدم ایک ساتھی اٹھا ایک منٹ میں آستین اتارتا ہوا بھاگا آرہا ہے اس سے ان کو اندازہ بھی ہو گیا تھا اور اس چیز سے ان کو مسرت بھی تھی۔ ایک مرتبہ حسن احمد مرحوم اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی بلند درجے عطا فرمائے، میرے کہنی مار کر اٹھا اور اس کے اٹھتے ہی میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے اور بالکل بے سوچے کہا۔ اس فقرہ پر والد صاحب بے ساختہ ہنس پڑے اور کتاب میں نشان رکھ کر اس کو بند کر کے مجھ سے فرمایا کہ جب تک حسن احمد آئے میں تمہیں ایک قصہ سنا دوں۔ میں تمہاری فتح القدیر سے کہاں لڑتا پھروں گا۔ چنانچہ ایک قصہ سنا دیا (اور وہ مرحوم واپس آگئے) ہم دونوں کے وضو میں آدھے منٹ سے زائد وقت نہ لگتا تھا۔

ایک حج میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے معلم سید مکی کی موٹر حضرت کو حرم لانے لے جانے کے لئے مقرر تھی۔ ایک دفعہ نماز کے بعد حضرت حرم شریف سے باہر نکل آئے لیکن موٹر نہیں آئی کہ ڈرائیور کو کہیں دیر ہو گئی تھی۔ خدام نے دوسری موٹر لانے کے لئے عرض کیا مگر منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ بعد میں وہ بیچارہ آئے گا ہم انتظار کر لیتے ہیں۔ مگر حضرت کو معذوری کی وجہ سے کھڑا ہونا دشوار تھا، وہیں زمین پر بیٹھنے کا ارادہ فرمایا تو خدام نے فوراً مصلے بچھانے چاہے مگر حضرت نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ بے تکلف زمین پر بیٹھ گئے، خدام نے جب اصرار کیا تو فرمایا کہ تم اپنے لئے بچھالو، میں تو یہاں کا کتا ہوں زمین پر ہی بیٹھوں گا۔

مسجد نبوی میں روزانہ کئی کئی گھنٹے بیٹھنا ہوتا ہے، حضرت چونکہ معذوری کی وجہ سے صرف چارزانوں ہی بیٹھ سکتے ہیں پاؤں پر کمبل ہوتا ہے لیکن حضرت کو اس بات کی کوشش اور اہتمام ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں کا رخ روضہ شریف کی طرف نہ ہو حالانکہ چارزانو نشست میں سامنے کے پاؤں سیدھے نہیں ہوتے۔ جس کو عرف میں پاؤں سامنے کرنا کہا جائے صرف انگلیوں کا رخ ہوتا ہے مگر حضرت اس کو بھی نہیں ہونے دیتے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فضائل حج میں تحریر فرمایا ہے کہ مسجد نبوی میں سب سے افضل جگہ مصلے شریف کی ہے جس کے ساتھ استوانہ حنانہ ہے اگر ممکن ہو تو زائر کو یہاں پہلے دو نفل پڑھنا چاہیے۔ مگر ۴۴ھ میں حضرت کا قیام یہاں سال بھر رہا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے سال بھر میں کبھی بھی وہاں کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوئی اور اس کے بعد جب سے برابر حاضری ہونا شروع ہوئی تو بندہ نے دیکھا کہ صرف پہلی دفعہ ایک بار ۸۴ھ میں مواجہہ شریفہ پر حاضری دی اس کے بعد اقدام عالیہ کی طرف دیوار کے ساتھ جہاں عام طور پر فقراء بیٹھتے ہیں وہیں سے کئی گھنٹے صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہتے اور عشاء کے بعد واپسی پر ریاض الجنہ میں دو نفل پڑھتے تھے۔ دوسرے روز بندہ کو خیال آیا کہ شاید ہجوم کی وجہ سے مواجہہ شریفہ پر نہیں جاتے اس لئے عشاء کے بعد عرض کیا کہ اب وہاں ہجوم نہیں ہے حاضری دے لیں۔ فرمایا کل حاضری دے دی تھی، بندہ نے تیسرے روز پھر عرض کیا فرمایا کہ بھائی سامنے جانے کی مجھ میں ہمت نہیں کس منہ سے جاؤں، پہلی دفعہ تو مولوی سید اسعد صاحب کے ساتھ حاضر ہو گیا تھا، تم ضرور حاضری دے کر آؤ۔ اس کے بعد اب تک سامنے نہیں آئے۔

آج مورخہ ۱۸ محرم ۹۷ھ کو ایک خط کے جواب میں لکھوایا کہ زیارت کی تمنا تو مبارک ہے مگر یہ وہبی چیز ہے اور بندہ سے فرمایا کہ مجھے خواب میں کئی دفعہ زیارت ہوئی لیکن خود اس کی تمنا کبھی نہیں ہوئی کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ کس منہ سے سامنے جاؤں۔

عشق واتباعِ رسول ﷺ کے چند نمونے

محسن انسانیت سرور دو عالم ﷺ کی محبت سے اہل اللہ کی دنیا آباد رہتی ہے، آپ کے ذکر سے ان کی زبانیں تر اور ان کی آرزوئیں معطر رہتی ہیں، وہ کونسا دل ہوگا جس میں ایمان کا دیا روشن ہو اور آپ کے ذکر کے لئے بے تاب نہ ہو، وہ کیسی آنکھیں ہوں گی جو روضہ اطہر کی زیارت کے لئے ترستی نہ ہوں، وہ کون سے قدم ہوں گے جو مدینہ کی طرف لپکتے نہ ہوں اور وہ کون سے ہاتھ ہوں گے جو رکابِ مدینہ پکڑنے کے لئے تڑپتے نہ ہوں...... ایک مومن کا دل حضور ﷺ کے ذکر کے لئے بے تاب، مومن کی آنکھیں

دیارِ حبیب کے لئے اشکبار، اس کا ذوق نظر، ان ہی کے تسور سے گھر بار اور اس کے لبوں کو ان ہی کے اسم بوسی کا انتظار رہتا ہے، یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ عشق رسول کی اس دولت بے بہا سے کسے کتنا حصہ ملتا ہے، آیئے آج برصغیر کے چند ایسے ہی نصیب والے علماء کے چند واقعات اور مشکبو نعتیہ کلام کا ذکر کرتے ہیں:

☆ ...... مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے دور میں علمائے حق کے سرخیل تھے، ان سے کسی نے پوچھا "حضرت! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی ایک دعا قبول ہو گی تو آپ کیا دعا کریں گے؟ فرمانے لگے "میں دعا کروں گا کہ اے اللہ! حضرات صحابہ کو رسول اللہ ﷺ سے جو عشق و محبت تھا، مجھے بھی اس میں سے کچھ حصہ مل جائے۔"

☆ ...... دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو جذب و کیف کا ایک عجیب عالم ان پر طاری ہوا، جوتے اتار دیئے اور ننگے پاؤں چلنے لگے، پاؤں راستے کے کنکروں اور پتھروں سے لہولہان ہو گئے لیکن انہیں اس کا ہوش نہ تھا، ایک طرف ادب و احترام میں ان کا یہ مقام تھا اور دوسری طرف اتباع سنت کا اس قدر خیال تھا کہ ...... جب جہاد آزادی میں ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا تو تین دن تک روپوش رہے اور پھر برسر عام پھرنے لگے، عقیدت مندوں نے بڑی منت سماجت کی کہ حضرت! آپ روپوش رہیں، فرمانے لگے "حضور اکرم ﷺ غار ثور میں تین دن روپوش رہے تھے، اس سنت پر عمل ہو گیا، معلوم نہیں پھر اس سنت پر عمل کا موقع ہاتھ آتا ہے یا نہیں" ...... اس لئے تین دن سے زیادہ روپوشی اختیار نہیں کی اور اس طرح ایک سنت پر عمل کرنے کے لئے انہوں نے گرفتاری کا خطرہ مول لیا۔

☆ ...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف سے آج ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ ہم اتباع سنت کا بہت ذکر کرتے ہیں، مگر اس کا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے بھی کہ نہیں؟ ...... چنانچہ میں تین دن تک صبح سے رات تک اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیتا رہا، دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباع سنت ہم لوگ عادتاً کرتے ہیں، کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل کرنے کے بعد ہوئی اور کتنی باتوں میں اب تک محرومی ہے؟ تین دن تک تمام امورِ زندگی اور معمولات روز و شب کا جائزہ لینے

کے بعد اطمینان ہو گیا کہ الحمدللہ معمولات میں کوئی عمل خلاف سنت نہیں۔

☆ ...... بزم اشرف کے روشن چراغ مولانا ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ کے نام اور کام سے اہل علم واقف ہیں...... ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''اعلاء السنن'' گذشتہ صدی علم حدیث میں لکھی جانے والی چند عظیم کتابوں میں سرفہرست ہے، اٹھارہ جلدوں پر مشتمل اس کتاب نے عرب اور عجم دونوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی، مولانا حج کرنے گئے، یہ وہ زمانہ تھا جب وہاں دولت کی ریل پیل نہ تھی اور حجاز کی زمین نے تیل کے خزانے ابھی نہیں اگلے تھے، مولانا مدینہ منورہ گئے، دربارِ حبیب کے مکین، کیا بام و در، ہر ذرہ حبیب ہوتا ہے...... مولانا ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ ایک دن کھانے سے فارغ ہوئے، دسترخوان کسی اونچی جگہ جھاڑا گیا تاکہ روٹی کے بچے کچے ٹکڑے چرند پرند کھالیں، کچھ دیر بعد مولانا نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کا ایک آٹھ نو سالہ معصوم بچہ وہ ٹکڑے کھا رہا ہے، مولانا اسے دیکھ کر بے چین ہو گئے، بچے کو ساتھ لائے، کھانا کھلایا، پوچھا کہ تمھارے ابا کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگا ''میں یتیم ہوں'' مولانا نے کہا ''بیٹا! تم میرے ساتھ ہندوستان چلو، میں تمہیں اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا، عمدہ کپڑے پہناؤں گا تمہیں تعلیم دلاؤں گا اور جب بڑے عالم بن جاؤ گے تو میں خود تمہیں مدینہ منورہ لے آؤں گا، تم جاؤ اور اپنی والدہ سے اجازت لے لو' بچہ گیا اور والدہ نے جانے کی اجازت دیدی کہ وہ بے چاری تو پہلے ہی سے اس کی کفالت سے عاجز تھی، بچے نے معصومیت کے عالم میں مولانا کی انگلی پکڑ کر پوچھنا شروع کیا...... ''مجھے وہاں چنے ملیں گے، کھجوریں ملیں گی......؟'' مولانا نے کہا ''بیٹا! یہ سب کچھ وہاں وافر مقدار میں ملے گا'' ...... اچانک اس نے مسجد نبویؐ کے دروازے اور روضے مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا ''بابا! یہ دروازہ اور روضہ بھی ملے گا'' ...... مولانا نے کہا ''وہاں یہ روضہ ہوتا تو پھر ہمیں یہاں آنے کی کیونکر ضرورت پیش آتی، بیٹا! یہ دروازہ، یہ روضہ وہاں نہیں ملے گا'' ...... بچے کا رنگ بدلا اور کہنے لگا ''بابا! یہ روضہ وہاں نہیں، تو اسے چھوڑ کر میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا'' اور یہ کہہ کر رونے لگا، مولانا ظفر احمد عثانی بھی بچے کا جواب سن کر اور اس کا جذبہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ للہ

☆ ...... مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ گئے، وہیں

انہوں نے عشق ومحبت کے تاثر میں ڈھلی ہوئی ایک نعت کہی، نعت کے یہ اشعار پڑھیے اور اندازہ لگائیں کہ کس عالم میں کہے گئے ہیں:

پھر پیش نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے
پھر نامِ خدا، روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکر خدا کے سامنے محراب نبی ہے
پھر سر ہے میرا اور ترا نقشِ قدم ہے
محراب نبی ہے کہ کوئی طور تجلی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
پھر منتِ دربان کا اعزاز ملا ہے
اب ڈر ہے کسی کا، نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بارگہ سید کونین میں پہنچا
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے
یہ ذرۂ ناچیز ہے خورشید بہ داماں
دیکھ ان کے غلاموں کا بھی کیا جاہ وحشم ہے
ہر موئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر
کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے
رگ رگ میں محبت ہو رسول عربی کی
جنت کے خزائن کی یہی بیع سلم ہے
وہ رحمت عالم ہے شہ اسود واحمر
وہ سید کونین ہے آقائے امم ہے
وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں
مشرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ عجم ہے
دل نعتِ رسول عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیر کا زباں ہے نہ قلم ہے

☆ ......حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو عمر کے آخری حصے میں بڑے صدمات پہنچے، وہ دارالعلوم دیوبند کے تقریباً نصف صدی مہتمم رہے لیکن آخر میں کچھ رفقاء ان سے بچھڑ گئے اور بعض دردناک واقعات پیش آئے، اسی عالم میں انہوں نے ایک نعت کہی، پڑھئے اور دیکھئے، دل کی دنیا میں کیسے ہلچل مچاتی ہے:

نبی اکرم، شفیع اعظم، دُکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے، کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو
شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا، خبر تو عالی مقام لے لو
قدم قدم پر ہے خوف رہزن، زمین بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن، تمھی محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے، کبھی مذاقِ جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے، خبر تو خیر الأنام لے لو
یہ کیسی منزل پہ آ گئے ہیں، نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آقا تمام اپنے غلام لے لو
یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزار اقدس پہ جا کے اک دن
سُناؤں ان کو میں حال دل کا، کہوں میں ان سے سلام لے لو

☆ ......اور بارگاہ رسالت میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے یہ چند نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

ہر ایک سے ٹکرا کر، ہر شغل سے گھبرا کر
ہر فعل سے شرما کر، ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
نے ساز نہ سامانے، نے علم نہ عرفانے
نے فضل نہ احسانے، نے دین نہ ایمانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر

با چاک گریبانے، باسینۂ بریانے
بادیدۂ گریانے، بااشک فراوانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر

با نالہ وا فغانے، باسوزش پنہانے
با دانش حیرانے، باعقل پریشانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر

اے سرور ہرسرور، اے رہبر ہر رہبر
ایھو آنکہ توئی افسر، ہرکہتر و ہر مہتر
فی المبدأ والمحشر، اے ہستی تو محور
للاکبر والاصغر، اے طلعت تو مظہر
للاوّل والآخر، اے رحم جہاں پرور
آقائے کرم گستر، آمد بدرت بنگر

برصغیر کے علمائے حق کی وہ جماعت ہے جس کے شب وروز کا ایک ایک عمل، جس کی زبان کا ایک ایک قول اور جس کی زندگی کا ایک ایک معمول...... سنتِ رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، معاملات سے لے کر عبادات تک اور اخلاق وعادات سے لے کر معاشرت تک ہر ہر شعبے میں ان کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نمونہ تھی، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، آتے جاتے، ملتے جلتے...... اس طرح کے بے شمار طبعی امور میں بھی سنتوں کا نہ صرف خیال رکھتے بلکہ پابندی کے ساتھ ان پر عمل پیرا بھی ہوتے کہ عشق رسول نام ہی اتباع رسول کا ہے، اتباع رسول کے بغیر عشق رسول کا دم بھرنا "عشق ومحبت" کی نزاکتوں کی توہین نہیں تو اور کیا ہے؟؟

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

شیخ الاسلام والمسلمین اُسوۃ السلف، قدوۃ الخلف، حضرت مولانا سیدمحمد انور شاہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی بلند ہستی کسی تعارف وتوصیف کی محتاج نہیں۔ آپ کو

مرزائی فتنہ کی تردید اور استیصال کی طرف خاص توجہ تھی۔ جب حضرت شیخ الجامعہ صاحب کا خط شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر بندھ چکا تھا مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کا سفر ملتوی فرمایا اور ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بھاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔"

موصوف اس سفر کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حسب روایت مولانا محمد انوری لائلپوری جو اس سفر میں رفیق تھے بھاولپور پہنچنے کے بعد جمعہ آپ نے بھاولپور کی جامع مسجد میں پڑھا اور نماز کے بعد ہزار ہا ہزار مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"میں بواسیرِ خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جاں تھا اور ساتھ ہی اپنے ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کے لئے پابہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعہ کا مکتوب مجھے ملا جس میں بھاولپور آ کر مقدمہ میں شہادت دینے کے لئے لکھا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زادِ آخرت تو ہے نہیں شاید یہی چیز ذریعۂ نجات بن جائے کہ میں محمد ﷺ کے دین کا جانب دار بن کر یہاں آیا ہوں۔"

یہ سن کر مجمع بیقرار ہو گیا۔ ایک شاگرد مولانا عبدالحنان ہزاروی آہ و بکا کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں تو پھر اس دنیا میں کس کی مغفرت متوقع ہو گی؟ اس کے علاوہ کچھ اور بلند کلمات حضرت کی تعریف و توصیف میں عرض کئے جب وہ بیٹھ گئے تو پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

"ان صاحب نے ہماری تعریف میں مبالغہ کیا، حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کر سکیں۔"

ان کلمات کو سن کر مجمع وقفِ آہ و بکا ہو گیا:

حضرت علامۃ العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ کے معمولات اور طرز گفتگو کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ ہم شمائل نبوی ﷺ کی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ عام عادات، اطوار، رفتار میں سر سے پیر تک سنت معلوم ہوتے تھے۔

(مکتوب مولانا محمد یوسف بنوریؒ)

آپ سرورِ کائنات ﷺ کی محبت واطاعت میں ایسے فنا تھے کہ آپ کا چلنا بھی بالکل حضور ﷺ کی طرح "کانہ یتحدب" کے مصداق تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ عمر بھر کی محنت اور کوشش سے بھی یہ بات سمجھ میں آجائے کہ فلاں ارشاد سے سرورِ کائنات ﷺ کی یہ مراد ہے بہت بڑی سعادت ہے۔ آپ حدیث شریف کے کسی لفظ کو بھی غلط پڑھنے سے انتہائی طور پر منقبض ہوتے تھے اور حدیث شریف کے الفاظ میں معمولی غلطی سے بھی ڈراتے تھے کہ کہیں سرورِ کائنات ﷺ کے ارشاد کے مطابق باعث جہنم نہ ہو جائے۔ ارشاد یہ ہے:

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوّء مقعده من النار.

"جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔

آپ کو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کا اتنا ادب ملحوظ تھا کہ باوجود بڑی عمر اور باوجود مرض بواسیر کے آپ روزانہ پانچ سو صفحات کا مطالعہ فرماتے اور یہ سارا مطالعہ اکڑوں بیٹھ کر فرمایا کرتے تھے۔ مجال کیا کہ آپ ٹیک لگا کر یا کسی اور طرح بیٹھ یا لیٹ کر مطالعہ کرتے۔ اگرچہ یہ ناجائز نہ تھا مگر ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔ حضرت علامہ پر حدیث کا ادب غالب تھا۔ (تحریر مولانا غلام غوث ہزارویؒ)

ریاست بہاولپور کی ایک مسلمان خاتون نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ اس کا شوہر مرزائیت قبول کر کے اسلام سے خارج ہو گیا اس لئے اس کا نکاح باقی نہیں رہا۔ یہ صرف ایک خاتون کی آبرو کا معاملہ نہ تھا بلکہ اس مسئلہ کا تعلق اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت سے تھا اور خود سردارِ دو عالم ﷺ کی عزت و ناموس کا سوال درپیش تھا۔ اس لئے مقدمہ کو بے پناہ شہرت واہمیت حاصل ہوئی، نواب آف بہاولپور نے مقدمہ ایک جج کے حوالے کر کے شرعی فیصلہ کرنے کا حکم صادر کیا۔ قادیان کی پوری قوت حرکت میں آگئی اور مسلمانوں نے بھی ملک کے چوٹی کے علماء کو بیانات کے لئے مدعو کیا۔ علامۃ العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو دیوبند میں جب پہلی پیشی کی اطلاع ملی تو آپ بہت کمزور تھے۔ مرض بڑی شدت پر تھا اور موسم سخت گرم تھا، مدرسہ دیوبند کے بڑے بڑے علماء نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ "آپ اس کمزوری اور تکلیف میں سفر نہ فرمائیں، ہم میں سے جن کو آپ حکم دیں ہم اس خدمت کے لئے حاضر ہیں۔" مگر آپ نہ مانے، خود بہاولپور پہنچے۔ جب واپس

گئے تو ان علماء سے فرمایا ''آپ حضرات ناراض نہ ہونا کہ میں نے آپ کی بات نہ مانی۔ میں خود اس لئے گیا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ قیامت کے دن میری شفاعت سے انکار نہ فرمادیں کہ جب میری عزت کا سوال تھا تو تو نے خود سفر کیوں نہیں کیا۔'' (تحریر مولانا محمد علی جالندھریؒ)

بہاولپور کی ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ ''شاید یہ بات مغفرت کا سبب بن جائے کہ پیغمبر ﷺ کا جانبدار ہو کر بہاولپور آیا تھا۔'' (بینات کراچی جمادی الاولیٰ ۸۳ھ)

آپ کے عشق رسالت کا اس سے اندازہ کریں کہ آپ نے انتہائی کمزوری اور نقاہت کے باوجود جناب رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت اور اس کے ضمن میں پیش آنے والے مسائل پر کئی دن مسلسل پانچ پانچ گھنٹے عدالت میں بیان دے کر علم و عرفان کے دریا بہائے اور مرزائیوں کو ہر مسئلہ میں لاجواب کیا۔ آپ کے بیانات نے مقدمہ کی کایا پلٹ دی۔ آپ نے وفات سے کچھ دن پہلے خدام کو فرمایا کہ میری چارپائی اٹھا کر مدرسہ میں لے چلو وہاں پہنچ کر اپنے سب علماء کو جمع کیا اور فرمایا: ''بہت کمزور ہوں، اٹھ نہیں سکتا ایک بات کہنے آیا ہوں، جس کسی کو حضور ﷺ کی شفاعت کی آرزو ہو وہ آپ کی عزت و حرمت کی حفاظت کرے اور فتنہ مرزائیت کے مٹانے اور اس سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔''

(تحریر مولانا محمد علی صاحب جالندھری)

حضرت امیر شریعتؒ اور جسٹس منیر کا مکالمہ

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت، اپنے شباب پر پہنچ کر مائل بہ اختتام تھی۔ تحریک کی قیادت اور ہزاروں کارکن جیلوں میں بند تھے۔ ''عدالتی تحقیقات'' کے لئے جسٹس منیر اور ایم آر کیانی پر مشتمل کمیشن (لاہور ہائی کورٹ) سماعت کر رہا تھا۔ جسٹس منیر متعصب قادیانی نواز تھا۔ وہ علماء کو کمرۂ عدالت میں بلا بلا کر بے عزت کر رہا تھا۔ تحریک ختم نبوت کو ''احرار احمدی نزاع'' اور ''فسادات پنجاب کا نام'' دیتا تھا۔ اسلام کو موضوع بحث بنا کر علماء کا مذاق اڑا رہا تھا اور اپنے قادیانی آقاؤں اور محسنوں کو خوش کر رہا تھا۔

لیکن ایک دن وہ اپنی ہی عدالت میں پکڑا گیا۔ اس نے مجدد تحریک تحفظ ختم نبوت، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (علیہ الرحمۃ) کو عدالت میں طلب کر لیا۔

حکومت نے بیان داخل کرنے کے لئے امیر شریعتؒ کو سکھر جیل سے لاہور سنٹر منتقل کر دیا۔ پیشی کی تاریخ پر امیر شریعتؒ اور ان کے رفقاء کو سخت پہرے میں عدالت میں لایا گیا۔ عدالتی ہرکارے نے آواز لگائی، سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاریؒ وغیرہ وغیرہ۔

اب اسیر ختم نبوت امیر شریعت، پورے قلندرانہ جاہ وجلال اور ایمانی جرأت ووقار کے ساتھ کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے۔ سرفروشانِ احرار نے پورے ہائی کورٹ کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ عدالت کے دروازے پر ہزاروں فدائین ختم نبوت اور ؐ رسالت ﷺ کے پروانے نعرہ زن تھے۔ نعرۂ تکبیر...... اللہ اکبر، تاج وتخت ختم نبوت...... زندہ باد، مرزائیت...... مردہ باد، امیر شریعتؒ نے عدالت کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہتھکڑیاں فضا میں لہرائیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا...... مجمع وارفتگی سے پوچھ رہا تھا:

سیدی ومرشدی! کہئے کیا حکم ہے؟ دیوانہ بنوں یا نہ بنوں؟ حکم ہوا...... خاموش! تمام مجمع ساکت وجامد! امیر شریعتؒ، عدالت میں داخل ہو گئے۔

جسٹس منیر...... بغض وحسد سے بھرا ہوا، غصے سے لال پیلا، گردن تنی ہوئی اور تکبر وغرور کا ناہنجار بنا کرسی پر بیٹھا تھا۔ مردِ مومن کے چہرۂ انور پر نگاہ پڑی تو اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ جسٹس منیر دوسری مرتبہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ کاروائی شروع ہوگئی۔ امیر شریعتؒ نے اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کیا۔ جسٹس منیر نے ایک نظر بیان کو دیکھا (جسے اس نے "منیر انکوائری رپورٹ" میں شامل نہیں کیا) اور پھر اپنے مخصوص چبھتے ہوئے انداز میں سوالات کا آغاز کر دیا۔

جسٹس منیر: ہندوستان میں اس وقت کتنے مسلمان ہیں؟

امیر شریعتؒ: سوال غیر متعلق ہے، مجھ سے پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں پوچھیں۔

جسٹس منیر: (تمسخر آمیز لہجے میں) ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

امیر شریعتؒ: ہندوستان میں علماء موجود ہیں، وہ بتائیں گے۔

جسٹس منیر: (طنز کرتے ہوئے) آپ بتا دیں؟

امیر شریعتؒ: پاکستان کے بارے میں پوچھیں، یہاں کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔

جسٹس منیر: مسلمان کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعتؒ: اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان کہلانے کے لئے صرف کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان ہی کافی ہے، لیکن اسلام سے خارج کے ہزاروں روزن ہیں۔ ضروریات دین سے کسی ایک کا انکار کفر کے ماسوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے کسی ایک کو بھی انسانوں میں مانا تو مشرک، قرآن کریم کی کسی ایک جماعت یا آیت یا جملہ کا انکار کیا تو کافر، اور نبی کریم ﷺ کے منصب ختم نبوت کے بعد کسی انسان کو بھی حیثیت میں نبی مانا تو مرتد۔

جسٹس منیر: (قادیانی وکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

امیر شریعتؒ: خیال نہیں عقیدہ ہے، جو ان کے بڑوں کے بارے میں ہے۔

جسٹس منیر: نبی کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعتؒ: میرے نزدیک اسے کم از کم ایک شریف آدمی ہونا چاہیے۔

جسٹس منیر: (بدتمیزی کے انداز میں) آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر کہا ہے؟

امیر شریعتؒ: میں اس کا آرزومند تھا۔ کوئی بیس برس ادھر کی بات ہے، یہی عدالت تھی، جہاں آپ بیٹھے ہیں، یہاں چیف جسٹس، مسٹر جسٹس ڈگلس ینگ تھے اور جہاں مسٹر کیانی بیٹھے ہیں، یہاں رائے بہادر جسٹس رام لال تھے۔ یہی سوال انہوں نے بھی مجھ سے پوچھا تھا، وہی جواب آج بھی دُہراتا ہوں۔ میں نے ایک بار نہیں ہزاروں مرتبہ مرزا کو کافر کہا ہے۔ کافر کہتا ہوں، کافر کہتا رہوں گا، یہ میرا ایمان اور عقیدہ ہے اسی پر مرنا چاہتا ہوں۔ مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کافر و مرتد ہے۔ مسلمہ کذاب اور ایسے ہی دیگر جھوٹوں کو دعویٰ بنوت کے جرم میں قتل کیا گیا۔

جسٹس منیر: (غصے سے بے قابو ہو کر دانت پیستے ہوئے) اگر غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے یہ دعویٰ کرتا تو آپ اسے قتل کر دیتے؟

امیر شریعتؒ: میرے سامنے اب کوئی دعویٰ کر کے دیکھ لے۔

حاضرینِ عدالت: نعرہ تکبیر، اللہ اکبر...... ختم نبوت، زندہ باد، مرزائیت مردہ باد، کمرۂ عدالت لرز گیا۔

جسٹس منیر: (بوکھلا کر) توہین عدالت۔

امیر شریعتؒ: (جلال میں آکر) توہین رسالت۔

جسٹس منیر: دم بخود، خاموش، مبہوت، حواس باختہ، ہوش عنقا پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

عدالت: امیر شریعتؒ کی جرأت ایمانی اور جذبہ حب رسول دیکھ کر سکتے میں آ چکی تھی۔

(از سید محمد کفیل بخاری، بحوالہ نقیب ختم نبوت اگست ۲۰۰۱ء)

حضور سرور دو عالم ﷺ کی ذات کے سلسلہ میں ان کا اخلاص کس درجے کا تھا اس کا اندازہ ان کی ۱۶ فروری ۱۹۵۳ء کی تقریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے لاہور (بیرون دہلی دروازہ) میں کی تھی۔ اس دن خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان لاہور میں آئے ہوئے تھے شاہ جی نے تقریر کرتے اپنی ٹوپی اتار لی اور فرمایا "کوئی ہے جو میری یہ ٹوپی خواجہ ناظم الدین کے پاؤں پر رکھدے اور انہیں میری طرف سے یقین دلا دے کہ وہ مجھے اپنا سیاسی حریف نہ سمجھیں۔ اگر وہ محسن کائنات جناب رسالت مآب ﷺ کے ناموس اور عزت کا تحفظ کر دیں تو میں اپنی زندگی ان کا خدمت گار رہوں گا۔ حتیٰ کہ ان کے گلے میں اگر سور بھی ہوں گے تو انہیں بھی چرا تا رہوں گا۔ اس سے مجمع میں ایک کہرام مچ گیا۔

وہ حدیث پاک المرء مع من احب کو صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے فضائل بیان کر کے سعد شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مشہور شعر پڑھا کرتے تھے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من نا چیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمالِ ہم نشین درمن اثر کرد

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

شاہ جی مختلف اصحاب رسول (ﷺ) کے فضائل کے سلسلے میں حضور (ﷺ) کی نبوت کی صدات کا دو صحابہ کبارؓ کو بہترین گواہ قرار دیا کرتے پہلے جناب حضرت عمر بن خطاب اور دوسرے حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہما) کو، ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ شاہ جی اور ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ)، فرمایا۔ ان کی اس مقدمے میں سرکاری گواہ کی حیثیت تھی۔ وہ حضور (ﷺ) کے پہلے ہی دوست تھے۔ لیکن یہ دونوں بہادر دشمن اور سخت دشمن تھے۔ لیکن نبوت کی صداقت کو یقین کر کے شرف ایمان حاصل کر گئے۔ وہ حدیث رسول کو نبوت کی مثل فرمایا کرتے تھے۔ اور کہتے کہ اب کچھ لوگ اس مثل ہی کو غتر بود کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت امیر شریعت کی خطابت کی ایک جھلک

۱۹۲۷ء میں لاہور، راجپال کے خلاف حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی احاطہ میاں عبدالرحیم ایک بے مثال تقریر ہوئی۔ اس کا اقتباس جس پر مسلمان بالکل ہی بے خود ورفتہ ہو گئے تھے حسب ذیل ہے:

اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہؒ مولانا احمد سعیدؒ موجود تھے۔ یہ جلسہ مہاشہ راجپال کی کتاب (خاکم بدہن) ''رنگیلا رسول'' کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ فرمایا آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعیدؒ کے دروازے پر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور فرمایا ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کافروں نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ (پھر ایک زبردست کروٹ کے ساتھ لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ جلسہ ہل گیا) ارے دیکھو تو کہیں امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں (جلسہ میں کہرام مچ گیا، لوگ دھاڑیں مار کر رونے لگے) دیکھو دیکھو سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں۔ امہات المومنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ عائشہ جنہیں رسول ﷺ پیار سے حمیرا کہا کرتے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ (فداہ امی وابی) کو رحلت کے وقت مسواک

چبا کر دی تھی۔ان کے ناموس پر قربان ہو جاؤ! سچے بیٹے ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں۔

(بخاریؒ کی باتیں از سید امین گیلانیؒ)

میں کوئی مودودی ہوں کہ مکر جاؤں گا؟

تحریک ختم نبوت کے بعد جب قید سے رہا ہو چکے تھے۔غالباً ۱۹۵۵ء میں فیصل آباد دھوبی گھاٹ کے میدان میں ضعیفی اور علالت کے سبب بیٹھ کر تقریر فرما رہے تھے۔ دوران تقریر کسی نے ایک چٹ بھیج دی۔لکھا ہوا تھا کہ جو لوگ ختم نبوت کی تحریک میں شہید ہو گئے ان کا ذمہ دار کون ہے۔شاہ جی نے پڑھا تو جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور گرج کر فرمایا۔سنو ان شہدا کا میں ذمہ دار ہوں نہیں نہیں آئندہ بھی حضور اکرم ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر شہید ہونگے۔ان کا بھی میں ذمہ دار ہوں میں کوئی مودودی ہوں کہ مکر جاؤں گا۔تم بھی گواہ رہو (اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا) اے اللہ تو بھی گواہ رہنا شہداء کا میں خود ذمہ دار ہوں اور جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا اگر میں زندہ رہا اور موقع ملا تو پھر بھی ایسا ہی ہوگا۔اگر کل مسلمان میاں، حضور ﷺ کی جوتے کے ایک تسمے پر قربان ہو جائیں تو پھر بھی حق ادا نہیں ہوگا۔ان جملوں سے سامعین تڑپ اٹھے۔

لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضاء گونج اٹھی۔(ایضاً)

میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں

۱۹۵۲ء دفاع پاکستان کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو صدا دیتے پھریں کہ میں توشہ وفاداری لئے پھرتا ہوں۔میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو اور جس مقتل میں چاہو ذبح کر دو۔ایسا کبھی نہیں ہوگا، ہرگز نہیں ہوگا۔ میں خوش ہوں، میری خوشی بیکراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔میں دنیا کے کسی حصہ میں بھی سامراج نہیں دیکھ سکتا۔میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔

تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو، میری رائے ہار گئی اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔میں ان سوروں کا ریوڑ چرانے کو بھی تیار ہوں جو برٹش امپیریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا

چاہیں، میں کچھ نہیں چاہتا، میں ایک فقیر ہوں اپنے نانا ﷺ کی سنت پر کٹ مرنا چاہتا ہوں۔

اور اگر کچھ چاہتا ہوں تو اس ملک سے انگریز کا انخلاء...... دو ہی خواہشیں ہیں میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے یا پھر تختہ دار پر لٹکا دیا جاؤں۔ میں ان علماء کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ رب ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے؟ وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی۔

میں اس سرزمین میں مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہؒ اور خاندان ولی اللہ کا متبع ہوں۔ سید احمد شہید کی غیرت کا نام لیوا، اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی دیوا ہوں، میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ زنجیر علمائے امت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہوں جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں ہاں ہاں میں انہیں کی نشانی ہوں، انہی کی صدائے بازگزشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں قاسم نانوتویؒ کا علم لے کر نکلا ہوں میں نے شیخ الہندؒ کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی طرح چلتا رہوں گا۔ میرا اس کے سوا کوئی مؤقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے۔ برطانوی سامراج کو کفنانا یا دفنانا۔

یہ جوتے سر پر رکھنے کے قابل ہیں

مولانا سید محمد طیب ہمدانی (قصور) فرماتے ہیں کہ ہمارا ایک بھائی گونگا تھا۔ اس لئے ہم نے اسے کوئی ہنر سکھانا چاہا تو اس نے ''جفت سازی'' کے فن کو پسند کیا اور اس میں خوب مہارت حاصل کر لی۔ اس نے ایک دفعہ آنحضور ﷺ کے نعلین مبارک کی تصویر دیکھی تو مجھ سے دریافت کیا کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کے نعلین بنا سکتا ہوں پھر ایک روز اسی نقشہ کے مطابق نعلین بنا کر لے آیا۔ اور مجھے پہنا دیئے۔ اور بہت خوش ہوا کچھ روز کے بعد حضرت امیر شریعتؒ سید عطاء اللہ بخاری قصور تشریف لائے تو ہمارے ہاں قیام فرمایا۔

اسی دوران انہیں غسل خانہ جانے کی ضرورت پڑی تو میں نے وہی جوتے ان کے آگے کردیئے۔ جوتے دیکھتے ہی ٹھٹھک گئے اور فرمایا ہمدانی یہ تو بالکل میاں ﷺ کے نعلین مبارک کے نقشہ کے مطابق ہیں۔ میں نے ساری بات بتادی فوراً جھکے اور نعلین اٹھالئے فرمایا یہ نعلین پاؤں میں پہننے کے لئے نہیں یہ کہہ کر وہ نعلین اپنے سر پر رکھ لئے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بار بار کہتے جا رہے تھے۔ یہ سر پر رکھنے کے قابل ہیں۔

پھر غسل خانہ میں جا کر ان جوتوں کو اپنے ہاتھوں سے خوب دھو کر صاف کیا ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی کہنے لگے ہمدانی یہ جوتے مجھے دے دو۔ میں نے عرض کیا ضرور شاہ جی بلکہ یہ تو مجھ پر احسان ہوگا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر کا ایمان افروز اقتباس

فرمایا "تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے اس کے نقوش میں توازن نہ تھا۔ قد و قامت میں تناسب نہ تھا اخلاق کا جنازہ تھا کریکٹر کی موت تھی۔ سچ کبھی نہ بولتا، معاملات کا درست نہ تھا۔ بات کا پکا نہ تھا۔ بزدل اور ٹوڈی تھا۔ تقریر و تحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری نہ بھی ہوتی۔ وہ مجسمہ حسن و جمال، قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی ۴۵ انچ، کمر ایسی کہ سی آئی کو پتہ نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مرد میدان ہوتا، کریکٹر کا آفتاب ہوتا، خاندان کا مہتاب ہوتا، شاعر ہوتا، فردوسی وقت ابوالفضل اس کا پانی بھرتا، خادم اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریز کا شکسپئر ہوتا اور اردو کا ابوالکلام ہوتا پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے نبی مان لیتے؟

میں تو کہتا ہوں کہ خواجہ غریب نواز، شیخ سید عبدالقادر جیلانی، امام بخاری، امام مالک، امام شافعی، ابن تیمیہ غزالی یا حسن بصری بھی نبوت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہم انہیں نبی مان لیتے، علیؓ دعویٰ کرتا کہ جسے تلوار حق نے اور بیٹی نبی ﷺ نے دی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمانؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انہیں نبی مان لیتا ہرگز نہیں میاں ﷺ کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تخت نبوت پر سج سکے اور تاج امامت و

رسالت جس کے سر پر ناز کرے، وہ ایک ہی ہے جس کے دم سے کائنات میں نبوت سرفراز ہوئی۔ (بخاری کی باتیں)

انسان یا چٹان

شاعر ختم نبوت سید امین گیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''راقم الحروف کو یہ واقعہ شاہ جی نے خود سنایا تھا۔ایک دفعہ جالندھر میں قادیانیت کے خلاف تقریر کر رہا تھا۔اچانک کسی مخالف نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا، فرمایا شہد کی مکھیوں کا ایک مکمل نظام ہے۔ وہ اس نظام اور اپنے سردار کے تحت کام کرتی ہیں فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ مکھیوں کا سردار آگے آگے میری طرف تیزی سے آ رہا ہے اور پیچھے پیچھے مکھیوں کا لشکر، وہ آتے ہی میرے ابروں کے درمیان بیٹھ گیا اور ساتھ ہی تمام لشکر نے میرے چہرے پر ڈیرہ جما لیا۔اسی اثناء میں، میں نے دیکھا کہ بعض لوگ اٹھ کر بھاگنے لگے، میں نے فوراً للکارا کہ خبردار کوئی اٹھنے نہ پائے۔ فرمایا مجھے معلوم تھا کہ یہ بھاگتے کے پیچھے بھاگتی ہیں۔اس لئے روک دیا کہ میں تختۂ مشق بن چکا ہوں، دوسرے لوگ بھی ساتھ مارے نہ جائیں۔ فرمانے لگے کہ میرا چہرہ گرم ہوتا گیا۔ مجھے ان کے ڈنگ مارنے کا کچھ احساس نہیں تھا۔صرف ایک مکھی نے کہیں میری آنکھ کے کونے میں ڈنگ مارا تو مجھے سوئی لگنے کی سی چبھن محسوس ہوئی، مگر میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا۔ بالآخر لوگوں نے سعی کر کے مجھے وہاں سے بچ بچا کر ساتھ لیا۔کئی دن تک میرے چہرے کا ورم نہ گیا۔کئی کئی سیر برف کوٹ کوٹ کر میرے چہرے پر رکھی جاتی تھی۔ فرمایا مجھے ایک خطرہ تھا، کہیں میری بینائی کو نقصان نہ پہنچا ہو، جب ذرا میری آنکھیں کھلیں تو مجھے روشنی نظر آئی، تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

(بخاری کی باتیں ص ۴۶، ۴۷، مصنف سید امین گیلانی)

میرا سب کچھ قربان

شاہ جیؒ نے ایک دفعہ تقریر میں فرمایا! قادیان کانفرنس کے خطبہ پر دفعہ ۱۵۳ کے تحت مجھ پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔اس کی سزا زیادہ سے زیادہ صرف دو سال قید ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کا خادم ہوں۔اس جرم میں یہ سزا بہت کم ہے۔ میں

رسول اللہ ﷺ کی ناموس پر ہزار جان سے قربان ہونے کو تیار ہوں۔ مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے کرا دیا جائے اور پھر کہا جائے کہ تجھے بجرم عشق مصطفیٰ ﷺ یہ تکلیفیں دی جا رہی ہیں تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کروں گا اور میں اپنا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعم اور اس جیسے خدا کی قسم ہزار بچے رسول اللہ ﷺ کی کفش پر سے نچھاور کر دوں۔ (مختصر سوانح از خان کابلی)

خطابت پارے ملاحظہ فرمایئے:

ختم نبوت میرا جز و ایمان ہے جو شخص اس ردا (چادر) کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا، میں اسکے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میں میاں (حضور ﷺ کو آپ بعض اوقات جوش محبت میں میاں کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں۔ نہ اپنا نہ پرایا، میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں۔ جس کے حسن و جمال کو خود رب کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو، میں انکے حسن و جمال پر نہ مر مٹوں تو لعنت ہے مجھے پر اور لعنت ہے ان پر جو ان کا نام لیتے ہیں، لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ (چٹان سالنامہ ۶۲ء)

آج مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں روح صدیق رضی اللہ عنہ پیدا کرو۔ آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ آج محمد عربی ﷺ کی آبرو پر کمینے اور ذلیل قسم کے انسان حملہ آور ہیں۔ یاد رکھو! محمد صلی اللہ علیہ ہے تو خدا ہے محمد ﷺ ہے تو قرآن ہے۔ محمد ﷺ ہے تو دین۔ محمد ﷺ ہے تو قرآن ہے۔ محمد ﷺ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ (خطبات امیر شریعت ص ۱۰۸)

ہم محمد ﷺ کی بے حرمتی کرنے والی کسی تحریر کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہم یقیناً ہر اس اخبار کو جلائیں گے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر حملہ کرے گا۔ ہم حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا دشمن ہمارا بدترین دشمن ہے۔ (خطبات امیر شریعت ص ۱۱۲)

میری گردن تو آج بھی تحفظ ناموس مصطفیٰ کی خاطر پھانسی لگنے کو تڑپتی ہے۔ میں تمام مسلمانوں سے مخاطب ہوں کہ تم حضور اکرم ﷺ کی آبرو کی حفاظت کرو تو میں تمہارے کتے بھی پالنے کو تیار ہوں اور اگر تم نے حضور ﷺ سے بغاوت کی تو پھر میں تمہارا باغی ہوں۔ میں محمد ﷺ کے نام پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہوں۔

(خطبات امیر شریعت ص ۱۲۳)

آپ کی عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی خطابت ہی سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کہا تھا۔

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

علامہ اقبال نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ "شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں"۔

۱۹۲۱ء میں جب تحریک خلافت شباب پر تھی اور انگریزوں کے خلاف جہاد آزادی میں بھرپور حصہ لینے کی وجہ سے حضرت امیر شریعت کو تین سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا تو علامہ اقبال مرحوم نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام وقفس سے بہرہ مند

آپ اپنی تقریروں میں سردار دو عالم ﷺ کے شاعر حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور اپنے مجموعہ کلام "سواطع الالہام" کو انہی شعروں کے توسط سے ان کی روح کے نام منسوب کیا ہے:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبراء من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

"یارسول اللہ! میری آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی عورت نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر قسم کے عیبوں سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا کہ جیسے آپ نے چاہا ایسے ہی آپ پیدا کئے گئے۔"

یارب صلی وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

......☆......

شورش کاشمیری رحمہ اللہ نے بھٹو کے پاؤں پکڑ لئے

جب ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت چلی۔اس وقت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ملک کے وزیر اعظم تھے۔دورانِ تحریک آغا شورش کاشمیری اپنے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملے۔اس ملاقات کی روداد ہفت روزہ چٹان ۲۹/ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں موجود ہے، جو مسٹر بھٹو کی بیان کردہ ہے۔اس روداد کی تلخیص یوں ہے۔

مسٹر بھٹو کہتے ہیں کہ ''شورش اپنے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ میرے پاس آئے،شورش نے چار گھنٹے تک مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیوں کے پاکستان کے بارے میں عقائد وعزائم پر گفتگو کی۔دورانِ گفتگو شورش نے انتہائی جذباتی ہو کر میرے پاؤں پکڑ لئے،شورش جیسے بہادر اور شجاع آدمی کو ایسی حالت میں دیکھ کر میں لرز اٹھا۔شورش کی عظمت کو دیکھ کر میں نے اسے اُٹھا کر گلے سے لگالیا۔مگر وہ ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا:

بھٹو صاحب ہم جیسی ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہوگی، ہم اپنے نبی ﷺ کے تاج وتخت ختم نبوت کی حفاظت نہیں کر سکے، پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا،بھٹو صاحب میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی ﷺ کی ختم الرسلینی کی بھیک مانگتا ہوں۔آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں، میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا۔خدا کے لئے محبوب خدا ﷺ کی ختم نبوت کی حفاظت کر دیجئے۔اسے میری جھولی نہ سمجھئے، بلکہ فاطمہؓ بنت محمد ﷺ کی جھولی سمجھ لیجئے۔اب اس سے زیادہ مجھ میں کچھ سننے کی تاب نہ تھی۔میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی، میں نے شورش سے وعدہ کرلیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور حل کروں گا۔

مولانا غلام غوثؒ کی جرأتِ ایمانی

قصبہ زیدہ، مردان کا ایک قصبہ ہے۔مولانا ہزارویؒ کو علم ہوا کہ اس قصبہ میں مرزائیوں کا بہت بڑا اثر ہے، بلکہ یوں سمجھیں کہ مرزائی اسٹیٹ بنا ہوا ہے۔''حضرت صاحب'' کے بغیر مرزا قادیانی کا نام لینا بھی جرم ہے۔آپ کو بڑا دکھ ہوا اور بڑی کوشش اور تگ ودو سے ایک چھوٹی سی مسجد میں ختم نبوت کا جلسہ رکھوایا۔لوگوں کو علم ہوا تو جوق در جوق

جلسہ میں پہنچ گئے۔ مگر ایک مرزائی خان پستول لے کر بھرے مجمع میں پہنچ گیا اور پستول تان کر کہا "مولوی صاحب جو تقریر کرنا چاہیں کریں، مگر مرزا صاحب کے بارے میں ایک بات نہیں سنوں گا، اگر ایسا ہوا تو سینہ گولیوں سے چھلنی کر دوں گا" ظاہر بات ہے پٹھانوں کا چیلنج وہ بھی بھرے مجمع میں۔ ناممکن ہے کہ خطا ہو۔ جان نہیں جہان نہیں۔ یہ صورت حال دیکھی تو جو مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے، اس کی قوت گویائی جواب دے گئی اور ادھر ادھر سے مجمع کا دل بہلانے لگا۔ مولانا ہزارویؒ نے جب یہ منظر دیکھا تو برداشت نہ ہو سکا۔ فرمایا مولانا صاحب بس کرو جو ہوگا، سو ہوگا، یہ کہہ کر منبر پر تشریف لے آئے اور مختصر سے خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا:

لوگو! سنو پورے غور و فکر، ہوش و حواس کے ساتھ سنو! یہ آپ کے اور میرے ایمان کا مسئلہ ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو شخص بھی حضور اقدس ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے، وہ قطعاً کافر، بے ایمان اور مرتد ہے۔ مرزا قادیانی بھی کافر اور مرتد ہے اور جو اس کو کافر و مرتد نہ سمجھے، وہ بھی کافر اور قطعی کافر ہے۔

اس عقیدے کے بیان کرنے پر جو خان صاحب مجھے گولی مارنا چاہتے ہیں، تو غلام غوث کا سینہ حاضر ہے۔ یہ کہہ کر سینہ ننگا کر کے مرزائی خان کے سامنے رکھ دیا، پھر فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تو کتنا بہادر ہے۔

تیرا گرو تو بہت بزدل تھا، تو کہاں سے بہادر نکل آیا۔ تیرا مرزا خبیث انگریزوں کا پٹھو اور ان کا ٹوڈی تھا، تم بھی ان کے ٹوڈی ہو، ان کے جوتے چاٹ کر دنیا بناتے اور ایمان گنواتے ہو، پھر فرمایا کیا ہم ٹوڈی اور انگریزی نبی کو نبی مانیں؟ حاضرین، نہیں نہیں۔

کیا رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا ہے؟ حاضرین، نہیں نہیں۔ آپ نے فرمایا قرآن، حدیث اور اجماع امت سے بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا، کذاب اور بے ایمان ہے۔ مسلمانو! اپنے ایمان کو بچاؤ۔

مولانا نے جس جرأت رندانہ سے تقریر فرمائی، وہ انہی کی شانِ قلندرانہ تھی، ورنہ بڑے بڑے بہادروں کے پتے ایسے موقع پر خشک ہو جاتے ہیں۔ مولانا گرج چمک کے

ساتھ مرزائیوں پر برسنے لگے، تو مرزائی خان کے ہاتھ لٹک گئے، لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کی ساری پھنے خانی خاک میں مل گئی......

شادی وغم میں اتباع سنت

حضرت شیخ التفسیرؒ کی پوری زندگی اتباع سنت میں بسر ہوئی۔ آپ نشست برخاست سونے جاگنے کھانے پینے، لباس وغیرہ ہر جگہ حضور ﷺ کی سنن کا اتباع کرتے۔ ساری عمر کھدر پہنا اور اسی کی لوگوں کو تلقین کی۔ سینکڑوں بڑے بڑے آفیسرز، تجار، روؤسا آپ کے حلقہ ارادت میں آئے تو ان کی زندگی کا یا پلٹ ہوگئی اور وہ اپنے ہاں شادی بیاہ وغیرہ میں سادگی کے خوگر ہو گئے۔ خود حضرت مولانا کی زندگی اسی بارے میں نمونہ کی زندگی تھی۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

رحمت دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "نکاح میں چار چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے (۱) مال (۲) حسب (۳) ذاتی کمال و جمال (۴) دین"...... پھر فرمایا تم دین کو پسند کرو ہر چند اس حدیث کے ظاہری الفاظ میں عورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ کہ عورتیں انہی کمالات اربعہ میں سے کسی وجہ سے پسند کی جاتی ہیں مگر مردوں کو پسند کرنے کا بھی یہی معیار ہے......

حضرت شیخ التفسیرؒ نے دین کو معیار بنا کر اپنی اولاد کا نکاح کیا۔ خود برائے تعلیم یہ واقعہ کئی دفعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جب میری بڑی لڑکی سن بلوغ کو پہنچ گئی تو میرے پاس علماء کی ایک جماعت دورہ تفسیر کے لئے آئی ہوئی تھی۔ جب وہ جماعت فارغ ہوئی تو میں نے ایک مولوی صاحب کو علیحدہ لے جا کر پوچھا کہ کیا آپ شادی کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ پردیس میں مجھے کون رشتہ دیتا ہے میں نے کہا کہ میری لڑکی ہے اگر آپ راضی ہیں تو ابھی نکاح کر دیتے ہیں ورنہ اس کی تشہیر نہ کرنا۔ مولوی صاحب راضی ہو گئے اسی روز جلسہ ہوا کامیاب علماء کو سندیں دی گئیں اور مولوی نور اللہ صاحب کو سند دے کر میں نے اپنی بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا کئی سال ہو گئے ہیں مجھ کو اب تک معلوم نہیں ہے کہ مولوی نور اللہ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں"۔

دوسری دختر نیک اختر مرحومہ کے نکاح کا واقعہ یہ ہے کہ...... مولانا عبدالمجید

مرحوم سوہدروی (مسلکاً اہلحدیث) ایک دفعہ ملنے کے لئے آئے بوجہ پہلی بیوی کی فوتگی کے انہوں نے نکاح ثانی کی ضرورت ظاہر کی شیخ التفسیر نے فرمایا: ایک لڑکی ترجمہ قرآن اور فلاں فلاں کتاب پڑھی ہوئی ہے وہ یہ سن کر بولے کہ سکول کی پڑھی ہوئی منظور نہیں ہے مولانا نے فرمایا کہ اپنے گھر میں والدہ سے یہ سب کچھ پڑھا ہے انہوں نے کہا کہ ہم کسی بی بی کو دیکھنے کے لئے بھیجیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میری لڑکی ہے کسی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے اگر قبول ہے تو ابھی نکاح کر دیتے ہیں ورنہ شہرت نہ کرنا۔ وہ یہ بات سن کر راضی ہو گئے اور کچھ مہلت مانگی پھر آئے اور نکاح ہو کر رخصتی ہو گئی۔

مولانا عبید اللہ انور جو آپ کے جانشین ہیں۔ ان کا نکاح ان کے ماموں ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے گھر ہوا جو لاہور میں بڑی عزت و شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے برات پر سو آدمی طلب کئے۔ مگر ادھر سے باپ، بیٹا اور مولانا عبدالمجید صاحب تین افراد گئے اور نکاح ہو گیا۔ البتہ گھر آ کر دعوت ولیمہ کیا جس میں اعزہ و اقرباء تمام مدعو تھے یہی طریقہ سنت نبویؐ کے مطابق ہے۔

غمی کے موقع پر بھی یہی اتباع سنت ہے۔ آپ کے بچے بھی فوت ہوئے اور بچیاں بھی، رات کو بچی فوت ہوئی کسی کو چنداں اطلاع نہیں دی گئی صبح نماز فجر کے بعد حسب معمول درس قرآن دینے کے بعد فرمایا کہ میری لڑکی رقیہ فوت ہو گئی ہے اب اس کا جنازہ اٹھایا جائے گا۔ آپ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت مولانا عبید اللہ انور کو وصیت فرمائی تھی کہ صبح درس کسی حالت میں قضا نہ ہو۔ لہٰذا آپ کے فرمانبردار بیٹے نے آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کی نعش مبارک کو نہلا دھلا کر کفنانے کے بعد صبح کے وقت درس قرآن مجید دیا اور نماز ظہر کے بعد آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

حافظ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ کا تعلق بالرسول ﷺ

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ ہجرت کا ارادہ فرما کر پاکستان سے چلے گئے، مدینہ منورہ طیبہ میں قیام فرمایا، حضور ﷺ کے مواجہہ شریف پر حاضری دیتے، درود وسلام کا تحفہ پیش کرتے، کئی دنوں کے بعد حضرت درخواستیؒ کو خواب میں آنحضرت ﷺ کی

زیارت نصیب ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''عبداللہ تم یہاں آ گئے ہو؟ پاکستان میں میری ختم نبوت کی چادر پر دشمنوں نے ڈاکہ ڈالا ہوا ہے۔ تم جاؤ میرے بیٹے عطاء اللہ بخاری کے ساتھ ان دشمنوں کا مقابلہ کرو اور تحریک ختم نبوت کے لئے ساتھ مل کر کام کرو۔''

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے شیخ درخواستیؒ کی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر جب آپ واپس پاکستان تشریف لائے تو حضرت درخواستیؒ نے تحریک ختم نبوت میں نمایاں کام کیا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کمر ایسی مضبوط فرمائی کہ دنیا یاد رکھے گی۔

میں نے کئی دفعہ حضرت قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کی تقریر میں سنا فرماتے تھے شاہ جی کی تحریک ختم نبوت کی صداقت کے عینی گواہ حضرت درخواستی ہیں یہ تھا ہمارے شیخ کا تعلق بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

شیخ الاسلام کی انوکھی کرامت

حضرت درخواستیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ بنگلہ دیش کا سفر کیا، اس سفر میں حضرت مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا اجمل خان رحمہم اللہ اور اس وقت کے مشائخ میں سے کچھ اور بھی علماء ساتھ تھے، یہ تمام علمائے کرام ایک کشتی میں سوار تھے، حضرت درخواستیؒ نے فرمایا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اشعار آتے ہیں سنانا شروع کرے، جتنے لوگ کشتی میں سوار تھے، ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اشعار سنائے، جب حضرت درخواستیؒ کی باری آئی تو حضرت نے علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ (جو ایک بہت بڑے بزرگ ہیں) کے قصائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بہت مشہور ہیں انہوں نے فارسی زبان میں ایک قصیدہ لکھا ہے لکھتے ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصیدے کو پڑھا تھا، اس وقت وہ دریا میں سفر کر رہے تھے اور جب اس قصیدے کو پڑھا تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اس وجد کی کیفیت کے ساتھ دریا کی مچھلیاں دریا کے پانی سے اچھل اچھل کر کشتی میں آنا شروع

ہوئیں، اور وہاں بے خودی کے عالم میں تڑپنا شروع ہو گئیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کے اندر حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کو دیکھا کہ جس وقت شیخ الاسلام حضرت درخواستیؒ نے اس تیرتی ہوئی کشتی میں جس میں بڑے بڑے علماء وصلحاء موجود تھے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصیدے کو پڑھا تو دریا کی مچھلیاں باہر آ کر کشتی کے اردگرد جھومنا شروع ہو گئیں۔ پھر بے خود ہو کر اچھل اچھل کر کشتی کے اندر آئیں اور وہاں تڑپنا شروع ہو گئیں۔ علماء پر سناٹا طاری ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر اشعار پڑھ رہے تھے۔ (حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ نمبر)

حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا علماء دیوبند کی قبور پر مراقبہ

دوران تبلیغ روحانی، قیام دیوبند کے اثنا میں قریشیؒ نے قبرستان میں مولانا قاسم صاحب اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے مزارات کے قریب مراقبہ فرمایا، اپنی جماعت کے ساتھ کافی دیر تک مراقبہ کیا گیا۔ فراغت کے بعد فرمایا کہ میں کچھ احوال عرض کروں، حضرت مولانا عبدالمالک صاحب صدیقیؒ نے عرض کیا کہ حضرت جماعت علماء کی ہے یہاں اظہار کشف میں کوئی خطرہ نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ آج مراقبہ غنودگی میں دیکھا کہ ایک سرسبز میدان ہے جس میں محدثین دیوبند دہلی وگنگوہ کے موجود ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی وشاہ عبدالعزیزؒ شاہ رفیع الدینؒ، ومفتی عزیز الرحمٰن، وشیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ یہ سب حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے لئے جمع تھے، جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ان سب حضرات نے مصافحہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ لیا مجھے بھی مصافحہ کا شرف حاصل ہوا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ میری سنت کو زندہ کرنے والے ہیں۔ (سفینۃ العارفین از مولانا عبدالعزیز ہزاروی)

متفرقات

موجودہ دور میں ناموسِ ختم نبوت کی حفاظت کرنے والے مشاہیر، زعماء، شعراء اور اساطینِ ملک وملت اور عام مسلمانوں کے حیرت انگیز واقعات ...... کہ جن کے مطالعہ سے ختم نبوت پر ایمان ویقین کے دریچے اور کھلتے چلے جاتے ہیں...... اس باب میں مذکور ہیں۔

علامہ اقبالؒ اور عشقِ رسالت مآب ﷺ

صاحبزادہ محمد اللہ شاہ استاد مظاہر العلوم سہارنپور بیان کرتے ہیں کہ سید آغا صدر چیف جسٹس ہائی کورٹ نے لاہور کے عمائد اور مشاہیر کو کھانے پر مدعو کیا۔ حضرت علامہ اقبال بھی مدعو تھے۔ اتفاق سے اس محفل میں جھوٹے نبی کا جھوٹا خلیفہ حکیم نور الدین بھی بلا دعوت آٹپکا۔ جب عاشق رسول علامہ اقبال کی نظر اس کذاب کے منحوس چہرہ پر پڑی، تو غیرت ایمانی سے علامہ اقبال کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ماتھے پر شکن چڑھ گئے۔

فوراً اٹھے اور میزبان کو مخاطب کر کے کہا، آغا صاحب! آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ باغی ختم نبوت اور دشمن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کیا ہے اور مجھے بھی! اور کہا "میں جاتا ہوں" میں ایسی محفل میں ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ حکیم نور الدین چور کی طرح فوراً حالات کو بھانپ گیا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ اس کے بعد میزبان نے علامہ اقبال سے معذرت کی اور کہا میں نے اسے کب بلایا تھا، وہ تو خود ہی گھس آیا تھا۔

(تحفظ ختم نبوت ص ۹۷)

علامہ کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں

فرزند اقبال جناب جسٹس (ر) جاوید اقبال تحریر کرتے ہیں:

ابا جان کے عقیدت مندوں میں ایک حجازی عرب بھی تھے، جو کبھی کبھار انہیں قرآن بھی سنایا کرتے تھے، میں نے ان سے قرآن مجید پڑھا ہے، ان کی آواز بڑی پیاری تھی، ابا جان جب بھی ان سے قرآن مجید سنتے، مجھے بلا بھیجتے اور اپنے پاس بٹھا لیتے۔

ایک بار انہوں نے "سورۃ مزمل" پڑھی تو آپ اتنا روئے کہ تکیہ آنسوں سے تر ہو گیا، جب وہ ختم کر چکے تو میری طرف آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور مرتعش لہجہ میں بولے!

تمہیں یوں قرآن پڑھنا چاہئے!

اسی طرح مجھے ایک مرتبہ مسدس حالی پڑھنے کو کہا اور خاص طور پر وہ بند جب قریب بیٹھے میاں محمد شفیع نے دہرایا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

تو آپ سنتے ہی آبدیدہ ہوگئے۔ میں نے اماں جان کی موت پر انہیں آنسو بہاتے نہ دیکھا تھا مگر قرآن مجید سنتے وقت یا اپنا کوئی شعر پڑھتے وقت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک کسی کی نوک زبان پر آتے ہی ان کی آنکھیں بھر آیا کرتیں۔
(یادیں از جسٹس جاوید اقبال)

دل میں گولی مارو......!

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ایک طالب علم ہاتھ میں کتابیں لئے کالج جا رہا تھا۔ سامنے تحریک کے لوگوں پر گولیاں چل رہی تھیں۔ کتابیں رکھ کر جلوس کی طرف بڑھا، کسی نے پوچھا یہ کیا؟ جواب میں کہا کہ آج تک پڑھتا رہا ہوں، آج عمل کرنے جا رہا ہوں۔

جاتے ہی ران پر گولی لگی، گر گیا، پولیس والے نے آکر اٹھایا تو شیر کی طرح گرجدار آواز میں کہا گولی ران پر کیوں ماری ہے۔ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو دل میں ہے، یہاں دل میں گولی مارو تا کہ قلب وجگر کو سکون ملے......

گلوں نے آکے مستی میں گریباں چاک کر ڈالے
چمن میں ہم نے غزل خواں کچھ یوں بھی دیکھے ہیں

نبی ﷺ کا دیوانہ

اسی تحریک ختم نبوت میں ایک مسلمان دیوانہ وار ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لاہور کی سڑکوں پر لگا رہا تھا۔ پولیس والے نے پکڑ کر تھپڑ مارا، اس نے پھر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ پولیس والے نے بندوق کا بٹ مارا، اس نے پھر نعرہ لگایا، وہ مارتے یہ نعرہ لگاتا رہا، اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا، یہ زخموں سے چور چور پھر بھی ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا، اسے گاڑی سے اتارا گیا تو بھی وہ نعرہ لگاتا رہا، اسے فوجی عدالت میں لایا گیا، اس نے عدالت میں آتے ہی ختم نبوت کا نعرہ لگایا، فوجی نے کہا ایک سال کی سزا، اس نے سال کی سزا سن کر پھر ختم نبوت کا نعرہ لگایا، اس نے سزا دو سال کر دی، اس نے پھر نعرہ لگایا، غرض

یہ فوجی سزا بڑھاتا رہا اور یہ مسلمان نعرہ ختم نبوت بلند کرتا رہا۔ فوجی عدالت جب بیس سال پر پہنچی تو دیکھا کہ بیس سال کی سزا سن کر بھی نعرے سے باز نہیں آرہا تو فوجی عدالت نے کہا باہر لے جا کر گولی ماردو، اس نے گولی کا نام سن دیوانہ وار رقص شروع کر دیا اور ساتھ ہی ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف ترانہ سے مجمع پر ایمان پرور وجد آفریں کیفیت طاری کر دی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا کہ رہا کر دو یہ دیوانہ ہے۔ اس نے رہائی کا سن کر نعرہ لگایا، ختم نبوت زندہ باد۔ (تحریک ختم نبوت ص ۱۴۷)

دو سگے بھائیوں کی شہادت

ڈاکٹر اسرار صاحب راوی ہیں کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران بطور ڈاکٹر میری تعیناتی میو ہسپتال میں تھی۔ ہم چند دوست ہسپتال کی چھت پر کھڑے تھے۔ اچانک دیکھا کہ نسبت روڈ چوک کی جانب سے ختم نبوت کے پروانوں کا ایک جلوس بڑھا آرہا ہے، جسے روکنے کے لئے فوج نے ہسپتال کے گیٹ کے آگے ریڈ لائن لگا دی اور انتباہ کر دیا کہ جو بھی اسے پار کرے گا، اسے گولی ماردی جائے گی۔ یہ ایک ایسی انتباہ اور ایسی وارننگ تھی، جسے عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کی پوری تاریخ میں کبھی پرکاہ سی اہمیت بھی حاصل نہ رہی، یہاں بھی یہی ہوا، جلوس نام محمد ﷺ کی عظمتوں کے ترانے بلند کرتا ہوا اُسی آن سے آگے بڑھتا رہا۔ ریڈ لائن پہ اک لمحے کو رُکا۔

دوسرے ہی لمحے چشمِ فلک نے دیکھا کہ غلامی رسول پہ ناز کرنے والا خوبرو نوجوان آگے بڑھا، اس نے اپنا سینہ کھالا اور نعرہ ختم نبوت زندہ باد لگایا اور سرخ لائن کراس کر گیا۔ دوسری طرف سے قادیانیت نواز کی بندوق سے گولی نکلی اور سرخ سرحد عبور کرنے والا جوان عشق مصطفیٰ ﷺ کے سفر میں اتنا تیز نکلا کہ ایک ہی جست میں زندگی کی سرحد عبور کر کے قدم بوسی حضور ﷺ کے لئے روانہ ہو گیا۔

چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اسی رفتار سے دوسرا جوان آگے بڑھا، اس نے بھی گریبان چاک کیا اور پوری قوت سے نعرہ زن ہوا، ختم نبوت زندہ باد، جبر کی روایت کے مطابق ادھر سے گولی آئی اور عشق و محبت کی تاریخ کا اک اور صفحہ رنگین کرتے ہوئے گذر گئی

وہ نوجوان لڑکھڑایا اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لئے راہی فردوس بریں ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ تیسرا نوجوان آگے بڑھتا ہم چھت سے نیچے آ چکے تھے اور ادھر خبر ملی کہ ان دونوں جوانوں کے لاشے بھی ہسپتال پہنچ چکے ہیں۔ دورانِ زیارت معلوم ہوا کہ دونوں سگے بھائی تھے۔ (بحوالہ ''جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا'' ص ۲۳)

اذان پوری کر کے چھوڑی

تحریک ختم نبوت کے دوران کرفیو لگا تھا۔ ایک مسلمان کرفیو کی خلاف ورزی کرتے مسجد میں پہنچا۔ اذان دینا شروع، ابھی اللہ اکبر کہہ پایا تھا کہ گولی لگی، شہید ہو گیا، دوسرا مسلمان آگے بڑھا، اس نے اشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ کہا کہ اس کو بھی گولی لگی، شہید ہو گیا، تیسرا مسلمان آگے بڑھا، ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر اشھدان محمدًا رسول اللّٰہ کہا کہ اس کو بھی فوج نے گولی مار کر شہید کر دیا، چوتھا آدمی آگے بڑھا، تینوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر کہا حی علی الصلوٰۃ اس کو بھی گولی لگی، شہید ہو گیا، یوں باری باری نو مسلمان شہید ہو گئے، لیکن اذان پوری کر کے چھوڑی۔

تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء ص ۲۹۸ پر مولانا اللہ وسایا صاحب رقمطراز ہیں:

''وہی افسر کراچی میں ان لاریوں پر ڈیوٹی دیتے رہے، جو کراچی کے رضا کاروں کو لاری میں بھر بھر کر دور دراز سنسان علاقوں میں چھوڑ آتے تھے۔ اس افسر پر تحریک میں شامل ہونے والے دس بارہ سال کی عمر کے ایک بچے کے پاکیزہ جذبات کا گہرا اثر تھا۔

اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے پولیس افسر نے بتایا کہ جب ہم رضا کاروں کو آٹھ دس میل کے فاصلے پر اتار رہے تھے، تو ان میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا، وہ آخر دم تک ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ جب رضا کاروں کو اتار کر لاری واپس ہونے لگی تو افسر مذکور جو خود بھی صاحب اولاد تھے، نے بچے کی طرف دیکھا، کہنے لگا آؤ بیٹا تم لاری میں سوار ہو جاؤ۔

میں تو ماں کی اجازت سے آیا ہوں

بچے نے جواب دیا وہ کیوں؟ افسر نے کہا کہ تم بچے ہو، اتنا لمبا سفر، بھوک پیاس کیسے برداشت کر سکو گے، تھک جاؤ گے، آؤ ہم تمہیں شہر میں اتار دیں گے۔ بچے نے بڑی جرأت سے جواب دیا کہ میرے ساتھی اتنا لمبا سفر کس طرح کریں گے، میں تو قید ہونے کے لئے آیا تھا، میری اماں نے مجھے اجازت دی کہ جاؤ حضور ﷺ کے نام پر مسلمان قربان ہو رہے ہیں تم بھی جاؤ، میں تو اماں کی اجازت سے آیا ہوں، مگر تم ہمیں قید نہیں ہونے دیتے اور شہر سے باہر چھوڑ کر جا رہے ہو۔ بچے نے بات ختم کرتے ہی پھر نعرہ لگایا ''تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد''۔

آؤ بیٹا ضد نہیں کرتے

پولیس افسر نے لاری ڈرائیور سے کہا چلو بھئی یہ بچہ نہیں مانتا۔ ابھی لاری چالیس پچاس گز چلی ہوگی کہ پولیس افسر کو پھر خیال آیا کہ معصوم بچہ اتنا طویل سفر کیسے کر سکے گا۔ انسانی ہمدردی، اسلامی ہمدردی یا پدرانہ شفقت کے جذبات نے پھر مجبور کیا۔ پولیس افسر نے لاری رکوادی اور پیدل واپس آکر بچے سے پھر کہا آؤ بیٹا ضد نہیں کرتے۔ ساتھی رضا کاروں نے بھی بچے کو سمجھایا کہ بیٹا تم واپس چلے جاؤ، ہم تو تمہیں شہر ہی میں منع کرتے تھے، مگر تم اچھل کر لاری میں سوار ہو گئے تھے۔ اب تم واپس چلے جاؤ۔ بچہ بگڑ کر بولا صاحب! آپ زیادہ ایماندار ہیں، اور مجھے آپ کمزور سمجھتے ہیں، بہر حال وہ بچہ نہیں مانا۔''

میرا کالی کملی والا

شاعر ختم نبوت سید امین گیلانی اپنی کتاب عجیب وغریب واقعات میں لکھتے ہیں:

''جنرل اعظم کے حکم سے لاہور میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اپنے جوبن پر تھی۔ پولیس مجھے اور بہت سے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا کر قیدیوں کی بس میں بٹھا کر شیخوپورہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوگئی۔ اسیران ختم نبوت بس میں نعرے لگاتے ہوئے جب لاہور کی حدود میں داخل ہوئے، تو ملٹری نے بس روک لی اور

سب انسپکٹر کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ ایک ملٹری آفیسر نے اس سے چابی لے کر بس کا دروازہ کھول دیا اور بڑے رعب وجلال سے گرجا، تمہیں معلوم نہیں لگانے والے کو گولی مارنے کا حکم ہے، کون نعرے لگا تا تھا؟ اس اچانک صورتِ حال سے سب پر ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ معاً میرا ہاشمی خون کھول اٹھا، میں نے تن کر کہا ''میں لگا تا تھا'' اس نے بندوق میرے سینے پر تان کر کہا ''اچھا اب لگاؤ نعرہ'' میں نے پُر جوش انداز سے نعرہ لگایا ''میرا کالی کملی والا ﷺ'' سب نے با آواز بلند جواب دیا ''زندہ باد''۔ اس کی بندوق کی نالی نیچے ڈھلک گئی۔ منہ پھیر کر کہا ''ہاں وہ تو زندہ باد ہی ہے'' اور بس سے اتر گیا۔ ایسا معلوم ہوا جنت جھلک دکھا کر او جھل ہو گئی، پھر اس نے سب انسپکٹر سے کچھ کہا۔ اس نے بس کا دروازہ مقفل کر دیا۔ چند منٹوں کے بعد ہم بورسٹل جیل لاہور میں تھے''۔

سرمایۂ حیات

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران ایک موقع پر حضرت مولانا تاج محمود جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد میں شمع رسالت کے پروانوں کے ایک بے انتہا مجمع سے خطاب کر رہے تھے۔ وہ قادیانی امت اور اس کے تحفظ کے لئے حکومت وقت کی طرف سے کئے گئے اقدامات کے خلاف بھپرے ہوئے اس مجمع سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو سول نافرمانی کی ترغیب دے رہے تھے۔

مولانا تاج محمود کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی یہ آواز مسجد کی سیڑھیوں کے نزدیک کھڑی ایک خاتون بھی ہم تن گوش ہو کر سن رہی تھی، دفعتہً شدت جذبات سے مغلوب ہو کر ساری مسجد میں پھیلے ہوئے مجمع کو چیرتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور اپنی گود کے بچہ کو منبر کے نزدیک جا کر (جہاں مولانا کھڑے تقریر کر رہے تھے) مولانا کی طرف اچھال دیا اور پنجابی زبان میں کہا کہ ''مولوی صاحب میرے پاس یہی سرمایہ ہے۔ اسے سب سے پہلے حضور ﷺ کی آبرو پر قربان کر دو'' یہ کہہ کر وہ عورت الٹے پاؤں باہر کی طرف چل پڑی۔

لوگو! اس بی بی کو جانے نہ دینا

اس وقت سارا مجمع دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ خود مولانا کی آواز گلوگیر اور رندھی

ہوئی تھی۔انہوں نے لوگوں سے کہا کہ لوگو!اس بی بی کو جانے نہ دینا۔اسے بلاؤ۔چنانچہ اس خاتون کا بلایا گیا اور مولانا نے کہا کہ:

بی بی!سب سے پہلے گولی تاج محمود کے سینے سے گزرے گی، پھر میرے اس بچے (اپنے قدموں میں بیٹھے اپنے معصوم اکلوتے بیٹے طارق محمود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے سینے سے، پھراس مجمع کے تمام افراد گولیاں کھائیں گے اور جب سب قربان ہوجائیں تو اپنے اس بچے کو لے آنا اور اللہ کے پیارے نبی ﷺ کی عزت پر قربان کردینا۔یہ کہا اور وہ بچہ اس عورت کے حوالہ کردیا۔

(ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد، مولانا تاج محمود نمبر ص ۸۲، از زاہد منیر عامر)

تمہاری بارات میں محمد عربی ﷺ کو بلاؤں گی

مظفر علی شمسی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ایک عورت اپنے بیٹے کی بارات لے کر دہلی دروازہ (لاہور) کی جانب آرہی تھی، سامنے سے تڑ تڑ کی آواز آئی۔معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آقائے نامدار ﷺ کی عزت وناموس کے لئے لوگ سینہ تانے بٹن کھول کر گولیاں کھارہے ہیں، تو بارات کو معذرت کر کے رخصت کردیا۔بیٹے کو بلاکر کہا، بیٹا! آج کے دن کے لئے میں نے تمہیں جنا تھا، جاؤ آقا ﷺ کی عزت پر قربان ہو کر دودھ بخشوا جاؤ۔میں تمہاری شادی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کروں گی اور تمہاری بارات میں آقائے نامدار ﷺ کو مدعو کروں گی۔جاؤ پروانہ وار شہید ہوجاؤ تاکہ میں فخر کرسکوں کہ میں بھی شہید کی ماں ہوں۔بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ فوراً ماں کے حکم پر محمد عربی ﷺ کی عزت وناموس کے لئے شہید ہوگیا۔جب اس کی لاش اٹھائی گئی تو گولی کا کوئی نشان پشت پر نہ تھا، بلکہ سب گولیاں سینہ پر کھائیں......

ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

مولانا ہزارویؒ کا لخت جگر موت کی آغوش میں

زین العابدین، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا اکلوتا بیٹا تھا، شدید بیمار

ہو گیا مولانا اپنے لختِ جگر کو دوائی دے رہے تھے۔اس اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی۔ مولانا باہر نکلے تو دیکھا، ایک آدمی کھڑا ہے، اس نے درخواست کی کہ بالاکوٹ کے مقام پر ایک بدنام زمانہ اور خطرناک قادیانی مبلغ اللہ دتہ گھس آیا ہے، اور لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا رہا ہے۔فتنہ پھیلنے کا انتہائی اندیشہ ہے۔لہٰذا فوراً چلئے۔

مولانا نے کتابوں کا ایک بیگ اٹھایا اور چل پڑے۔بیوی نے کہا کہ بچے کی حالت سخت خراب ہے، فرمایا ناموس رسالت کا تحفظ بیٹے کی جان بچانے اور اس کے علاج سے زیادہ ضروری کام ہے۔

فرمایا میرے جانے کے بعد بچہ مر جائے، تو دفن کر دینا، ابھی بس میں سوار ہوئے ہی تھے کہ گھر کی طرف سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا، آپ کا نورِ نظر فوت ہو گیا ہے، لیکن عاشق رسولؐ نے جواب دیا کہ میرے فرزند کو کفن پہنا کر دفن کر دیں، میں اپنے مشن پر جا رہا ہوں اور فرمایا نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ فرض عین! وہاں پہنچ کر اس مردود کو اس علاقہ سے ذلیل وخوار کر کے نکالا۔

باپ اور بیٹے کی قربانی

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ صاحب کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انہوں نے تحریک آزادی وطن اور تحریک ختم نبوت کے لئے باپ اور بیٹے دونوں کی قربانی دی، جب ان کا اکلوتا بیٹا فوت ہوا تو وہ کلکتہ میں تھے۔بیٹے کا منہ بھی نہ دیکھ سکے۔جب ان کے والد قاضی محمد امین کا انتقال ہوا تو وہ ختم نبوت کی تحریک میں نظر بند تھے۔ان کے جنازے کو کندھا تک نہ دے سکے۔ایک انسان اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔اس کی عزیز ترین متاع اس کی اولاد ہوتی ہے اور اہم ترین پونجی بزرگوں اور والدین کی شفقت۔قاضی صاحب نے یہ دونوں اسلام اور قوم کے نام پر قربان کر دیں۔

(قاضی احسان احمد شجاع آبادی، ص ۴۲۹۔۴۳۰، از نور الحق قریشی)

محمد عربی ﷺ کے نام کی صدا

مجاہد ختم نبوت جناب ڈاکٹر صدیق صاحب جناب طاہر عبدالرزاق صاحب کے

نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ایک صبح دھنی رام روڈ پر واقع اک مکان کا دروازہ کھلا اور ایک خوبرو، خوبصورت، صحت منداور دراز قد نوجوان نکلا۔اس نے دیکھا کہ ملٹری کی گن بردار گاڑیاں ایک جانب سے دوسری جانب بڑی چستی سے رواں دواں تھیں،کبھی اکادکا کوئی سول گاڑی بھی گزر جاتی ہے۔کچھ لوگوں کے دبے پاؤں ادھر سے اُدھر جانے کی آوازیں بھی آرہی ہیں،مگر نہ جانے اسے یہ کیوں محسوس ہوا کہ جیسے آج چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہے،اک ہو کا عالم ہے اور وہاں واقعی سناٹا تھا کہ ان آوازوں میں کوئی ختم نبوت زندہ باد کی آواز نہ تھی اور کوئی صدا بھی محمد عربی ﷺ کے نام کی صدا نہ تھی۔

وہ کچھ لمحے کو ٹھہرا،غور کیا،شاید سوچا ہوگا کہ کیا یہ لمحات نام محمد ﷺ کی عظمتوں کے گواہ بنے بغیر گزر جائیں گے؟اور اگر یہ لمحے اپنے ساتھ کسی بھی عاشق کی آواز گنبد خضراء تک نہ لے کے گئے تو دل مصطفیٰ ﷺ پہ کیا گزرے گی؟ یہی سوچ کر آگے بڑھا اور پوری قوت سے نعرہ لگایا''ختم نبوت زندہ باد''ایسا جاندار نعرہ کہ جس کی بازگشت بڑی دیر فضا میں گونجتی رہی اور یہی گونج جب باغیان ختم نبوت کے محافظوں کی سماعت سے ٹکرائی تو گاڑیاں دوڑ پڑیں۔

حکم ہوا کہ دیکھو محمد رسول اللہ ﷺ کے نام پہ بننے والے اس ملک میں محمد ﷺ کی عظمتوں کا نعرہ کس نے لگایا۔دیکھو یہ ''بغاوت'' کس نے کردی،پکڑو اور گولی ماردو کہ اس ''باغی'' نے ہماری نافذ کردہ حدود کو توڑا ہے۔اس نے کرفیو کی پابندیوں کو زیروزبر کیا ہے۔

محبتوں بھرا سینہ

اربابِ اختیار کو ختم نبوت کی پابندیوں کا ٹوٹنا تو گوارا تھا،مگر کرفیوں کی پابندیاں ٹوٹ جائیں،یہ منظور نہ تھا۔چنانچہ اسی ''جرم'' کی پاداش میں اس عاشق صادق کا محبتوں بھرا سینہ بارود کی نظر کردیا گیا۔نوجوان نے سینے پہ ہاتھ رکھا،کچھ لمحے کو جھکا اور اپنے خون احمریں سے آقا کے سلام پیش کرتا ہوا اپنے ہی گھر کے پہلو سے اگلے گھر کے لئے روانہ ہوگیا۔

چشم زدن میں وہ کتنی صدیوں کا سفر طے کرچکا تھا...... ہاں وہی سفر جو اس گلی

اور میدان احد کے درمیان حائل ہے،اس کا شاراحد کے میدان میں آقا کے اردگرد کٹ مرنے والے پروانوں میں تو بے شک نہیں ہوسکتا،مگران سے نسبت تو بنتی ہے اور نسبت ہی سے حیثیت بدل جایا کرتی ہے۔اردگرد گھروں کے دروازے کھلے،لوگ آئے میں بھی پہنچا، تو یوں لگا جیسے بڑی دور سے کوئی یہ کہہ رہا ہو کہ اب اگر "گولی والے" آئیں تو کہنا کہ "مسافر تو گیا" اور یہ بھی کہنا کہ بھلا اب نہ جاتا لوگو اور کیوں نہ جاتا کہ جب ساقی کوثر خود جام کوثر لئے منتظر کھڑے ہوں۔

اس اثناء میں اس جوان کی ماں بھی آئی۔وہی ماں جو چند لمحے پہلے ایک عام ماں تھی،مگراب وہ ایک شہید کی ماں بن چکی تھی۔اس کے چہرے پہ واقعی شہید بیٹوں کی ماؤں جیسا جلال اور عظمت تھی،وہ آئی اوراس نے بڑے سکون ووقار سے اپنے بیٹے کو اک نظر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس اکیلی ماں نے اپنے جوان بیٹے کی نعش دونوں ہاتھوں سے خود اٹھا کر چارپائی پر رکھ دی۔

لوگ پُرسہ دینے کے لئے آگے بڑھے تو وہ پُرجلال انداز میں بولی،لوگو!میرا بیٹا مرا نہیں بلکہ شہید ہے۔اسے مردہ کہنے کو تو خود رب نے منع کیا ہے، یہ تو حیات جاودانی پا چکا۔اسے تو اپنے رب کے ہاں رزق دیا جائے گا۔لوگو!یہ مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔اس لئے جو بھی پُرسہ دینے آیا ہے،وہ یہاں سے چلا جائے،ہاں جو مبارک باد دینا چاہے،وہ ٹھہر سکتا ہے۔لوگوں کی نگاہیں جھک گئیں اور میں بھی اس ماں کی عظمت کو سلام کرتے ہوئے سر جھکا کے چل دیا"۔ (جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا۔ص ۲۹)

سنگ آمد وسخت آمد

شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا اپنی کتاب "تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء" کے صفحہ نمبر ۲۹۳ پر رقمطراز ہیں......

"تحریک ختم نبوت کے دوران حضرت مولانا ابوالحسنات (بریلوی عالم دین) پہلی بار جیل گئے تھے۔حضرت مولانا ایسا نازک اور نفیس مزاج بزرگ تھے،جسے لوگ دیکھنے کو ترستے ہوں،جدھر آنکھ اٹھے،لوگ عقیدت سے جھک جائیں۔پہلی بار پکڑے گئے تھے

اور سنگ آمد وسخت آمد کے مصداق قید بھی ایسی جس کی معیاد کی کچھ خبر نہیں۔

اس پر ستم یہ کہ مولانا ابوالحسنات کا ایک ہی بیٹا جسے والدہ کی محبت بھری گود بھی بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئی، جسے حضرت مولانا نے بڑے لاڈ اور پیار سے خود ہی پالا پوسا ہو، اس جان سے پیارے لخت جگر اور اکلوتے جوان بیٹے کا کچھ پتہ نہیں کہ شہید ہو گیا ہے یا پکڑا گیا ہے، لیکن مولانا کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔

مولانا نے کبھی ذکر تک نہ کیا، گھر سے کوئی اطلاع بھی نہیں آئی، کچھ معلوم نہیں کہ مولانا کے اکلوتے بیٹے خلیل پر کیا گذری، خلیل زندہ بھی ہے یا نہیں، مگر مولانا ابوالحسنات نہ گھبراتے ہیں، نہ الگ بیٹھ کر آنسو بہاتے ہیں، نہ ان کی زبان پر اپنے بیٹے خلیل کا کوئی تذکرہ آتا ہے۔

ایک دن ہم مولانا ابوالحسنات صاحب کی کوٹھڑی میں جادھمکے اور باتوں باتوں میں لاہور کا ذکر کیا، پھر خلیل کا تذکرہ آیا، تو سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ہم جب تسلی بخش الفاظ کا استعمال کر چکے، مثلاً خدا کرے وہ زندہ ہو، اس کے متعلق کوئی معتبر اطلاع نہیں ہے۔

مولانا موصوف نے ہماری باتیں سن کر نہایت آرام سے فرمایا، بھئی بات تو ٹھیک ہے، خلیل میرا اکلوتا بیٹا ہے اور مجھے اس سے بے پناہ محبت ہے، اس لئے کہ میں اس کا باپ ہوں اور میں نے ہی ماں بن کر اسے پالا ہے، یوں بھی اولاد سے کیسے کیسے محبت نہیں ہوتی، مگر اس مقام پر صبر کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے، پھر اس نیک کام میں اگر خلیل قربان بھی ہوتا ہے، تو سعادتِ دارین ہے، وہ بھی تو ماؤں کے لخت جگر تھے، جو سرکار مدینہ ﷺ کی آبرو کے لئے شہید ہوئے، ان میں خلیل بھی ہے، تو میرے لئے فخر کی بات ہے۔ اللہ ہماری حقیر قربانی کو قبول فرمائے۔

کچھ وقت کے بعد جب وفائے محبوب کے جرم میں آپ کے صاحبزادے خلیل احمد قادری کو سزائے موت دی گئی تو یہ اطلاع مولانا ابوالحسنات کو جیل میں پہنچی۔ مولانا ابو الحسنات نے خبر سن کر فوراً سر سجدہ میں رکھ دیا اور فرمایا، میرے اللہ، ناموس رسالت ﷺ پر ایک خلیل تو کیا میرے ہزاروں فرزند بھی ہوں، تو اسوہ شبیری پر عمل کرتے ہوئے سب کو قربان کردوں......

اے شہ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم
میں بھی باپ بھی شوہر بھی اور برادر بھی فدا

بہادر ماں

شاعر ختم نبوت سید امین گیلانی اپنی جیل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ایک دن جیل کا سپاہی آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ کو دفتر میں سپرنٹنڈنٹ صاحب بلا رہے ہیں۔ میں دفتر میں پہنچا تو دیکھا کہ میری والدہ صاحبہ معہ میری اہلیہ اور بیٹے سلمان گیلانی کے، جس کی عمر اس وقت سوا ڈیڑھ سال کی تھی، بیٹھے ہوئے ہیں۔ والدہ محترمہ مجھے دیکھتے ہی اٹھیں اور سینے سے لگایا، ماتھا چومنے لگیں۔ حال احوال پوچھا، انکی آواز گلوگیر تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے محسوس کرلیا کہ وہ رو رہی ہے۔ میرا بھی جی بھر آیا، آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، یہ دیکھ کر سپرنٹنڈنٹ نے کہا اماں جی! آپ رو رہی ہیں، بیٹے سے کہیں (ایک فارم بڑھاتے ہوئے) کہ اس پر دستخط کردے تو اسے ساتھ لے جائیں، ابھی معافی ہو جائے گی! میں ابھی خود کو سنبھال رہا تھا کہ اسے جواب دے سکوں۔ والدہ صاحبہ تڑپ کر بولیں کیسے دستخط، کہاں کی معافی، میں ایسے دس بیٹے حضور ﷺ کی عزت پر قربان کردوں میرا رونا شفقت مادری ہے۔ یہ سن کر سپرنٹنڈنٹ شرمندہ ہوگیا اور میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا"۔

("تحریک ختم نبوت" ۱۹۵۳ء ص ۵۲۲، ۵۲۳، از مولانا اللہ وسایا)

ایک جھوٹے نبی سے سچے نبی ﷺ کے پیروکاروں کا انجام

۱۹۷۲ء جون کی غالباً ۱۴ تاریخ تھی۔ لاہور سے روزنامہ "امروز" نکلا کرتا تھا۔ اس میں خبر تھی کہ پاکپتن میں ایک صاحب نئے مہدی بنے ہیں۔ نامہ نگار کے مطابق موصوف اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں اور انگریزی پڑھاتے ہیں۔ امام مہدی ہونے کا دعوٰی بقائمی ہوش و حواس کرتے ہیں اور انہیں اپنی دماغی صحت پر کوئی شبہ نہیں۔ آتش ان دنوں جوان تھا، اس لئے فوراً ظہور کی طرف عازم سفر ہوا۔

پاکپتن پہنچا ... بہت کا گھر ڈھونڈا، ملاقات ہوئی۔ حال احوال معلوم کیا۔ موصوف ۵۰۔۵۵ کے سن میں ہوں گے، کھچڑی داڑھی، لیکن صورت سنجیدہ اور متین۔

ذہانت یا چالاکی کے کوئی آثار چہرے پر نہیں تھے۔

گفتگو ہوئی تو پتہ چلا کہ مہدی کے پردے میں نبوت کے دعوے دار ہیں۔ مرزے نے جو درجات برسوں طے کئے تھے، ماسٹر صاحب دنوں میں پھلانگ گئے۔ کہنے لگے: ''وحی بھی آتی ہے''۔

پوچھا: ''کیسے آتی ہے؟

تو کہنے لگے: ''کیا بتاؤں! تم کیا سمجھو گے؟ تم اس کیفیت کا ادراک ہی نہیں کر سکتے''۔

پوچھا: ''اب تک کیا کیا احکام نازل ہو چکے ہیں؟''

کہنے لگا: ''کلمہ اور نماز جدید نازل ہو چکی ہے۔''

عرض کیا: ''کچھ نماز کی تفصیل ارشاد ہو''۔

کہنے لگے: ''ابھی بات بتانے کی نہیں چھپانے کی ہے، الگ سے نماز پڑھتا ہوں، کچھ ماننے والے ہو جائیں، کچھ قوت ہو جائے پھر کھل کر پڑھیں گے''۔

اتنے میں کچھ اور لوگ بھی خبر پڑھ کر آ گئے۔ اب سوالات چاروں طرف سے ہونے لگے۔

ایک بولا: ''آپ سے پہلے مرزا قادیانی بھی یہی دعوے کر چکا ہے، کوئی ایک تو جھوٹا ہوگا؟'' گویا ہوئے: ''مرزا بھی سچا تھا، میں بھی سچا ہوں، مگر مرزا صرف ہندوستان کا نبی تھا اور میں ساری دنیا کے لئے آیا ہوں۔ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، جس مہدی معہود اور مسیح موعود نے آنا تھا وہ میں ہوں، لیکن اب مجھ پر سلسلہ ختم ہے''۔

تھوڑی دیر کے بعد اسکول کے کچھ لڑکے ٹیوشن پڑھنے آ گئے، گرمیوں کی چھٹیاں تھیں، موصوف اپنی مالی حالت سدھارنے کے لئے ٹیوشن کا سلسلہ رکھے ہوئے تھے۔ کوئی گھنٹہ بھر انگریزی کا سبق پڑھاتے رہے، طلبہ رخصت ہوئے تو محفل پھر جم گئی۔ ٹوٹا سلسلہ سوالات پھر جڑ گیا۔

''مہدی منتظر کا اعلان تو مکہ مکرمہ میں ہوگا اور آپ پاکپتن میں ہیں؟'' جواب میں آیت پڑھی: ''ان اللّٰہ علیٰ کل شیءٍ قدیر''۔ ''جب اللہ ہر چیز پر قادر ہیں تو ان کے لئے کیا مشکل ہے کہ بجائے مکہ کے مہدی کا ظہور پاکپتن میں کر دیں، تو اب قادر نے

اپنی قدرت کا اظہار کردیا ہے''۔سوال ہوا کہ ''احادیث میں ان کا نام تو ''محمد'' آتا ہے، باپ کا نام ''عبداللہ'' اور ماں کا نام ''آمنہ'' ہوگا؟'' کہنے لگے: ''ان ناموں سے مفہوم مراد ہے الفاظ نہیں۔ ''محمد'' جس کی لوگ خوب تعریف کریں۔ میری بھی کریں گے۔ ''عبداللہ'' سے مراد اللہ کا بندہ ہے اور اور میرا باپ بھی اللہ ہی کا بندہ تھا۔ آمنہ امانت دار عورت کو کہتے ہیں اور میری ماں بہت امانت دار تھی''۔

''کوئی معجزہ بھی عطا ہوا؟...... ''ہاں! جو معجزہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ وہ بتا دیتے تھے کہ گھر سے کیا کھا کے آئے ہو اور کیا بچا کے رکھا ہے؟ میں بتا سکتا ہوں۔ علاوہ ازیں میرے جسم میں ناپاک خون کو اللہ نے دودھ میں بدل دیا ہے''۔ سو آخری معجزے کو آزمانے کا فیصلہ کر کے آتش واپس لوٹ آیا۔

ہم فکر ساتھیوں کے سامنے رودادِ سفر پیش کی، طے پایا کہ کانٹا جتنی جلدی ہو نکال دیا جائے...... نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ امت مسلمہ نئے فتنے سے محفوظ ہو جائے گی۔

احباب میں سے ایک دو نے یہ رائے بھی دی کہ مسکین غریب آدمی ہے، شہرت کا بھوکا ہے، دو چار روز میں لوگ بھول بھال جائیں گے، مگر رپورٹ لانے والے نے لوگوں کی آمدورفت کا ذکر کیا اور بتایا کہ مرزا بھی تو مخبوط الحواس آدمی تھا، مگر کتنا بڑا فتنہ بنا۔ اس لئے نمٹانے میں دیر نہ کی جائے۔

قرعہ فال تین دیوانوں کے نام نکل پڑا۔ کسی سیانے نے مشورہ دیا: ''ایسے ہتھیار لے جاؤ جو غیر قانونی بھی نہ ہوں اور وار کاری پڑے''۔ چنانچہ چارہ کاٹنے والے ٹوکے خریدے گئے اور اگلے دن یہ جانباز پاکپتن جا پہنچے۔ بھری محفل میں مدعی کو کاٹ ڈالا۔ گرفتار ہوئے، اقرار کیا اور سارا واقعہ سنا دیا۔ اگلے دن عدالت میں پیش ہوئے تو لوگوں نے پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا۔ قتل کا کیس تھا، ملزم اقراری تھے، اس لئے تیسرے دن ساہیوال سنٹر جیل جا پہنچے۔

ملزموں کے پہنچنے سے پہلے ان کا کارنامہ جیل کے قیدیوں تک پہنچ چکا تھا۔ ہاتھوں ہاتھ لئے گئے، لوگ سنتے اور شاباش دیتے۔ ڈیڑھ برس مقدمہ چلا، سیشن جج مسلمان آدمی تھا، عمر قید کی سزا سنائی، مگر فیصلہ ایسا لکھا کہ قانون کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہ

ایمانی تقاضوں کو پسِ پشت ڈالا۔سزا بھی سنائی اور رہائی کا راستہ بھی ہموار کردیا جی چاہتا ہے کہ اس فیصلے کا خلاصہ سنادوں۔

''مقتول مدعی نبوت تھا۔اس لئے شریعت کی رو سے مرتد اور واجب القتل ٹھہرا قاتل مذہبی جذبات والے نوجوان ہیں،ان کی مقتول سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی،مگر کسی بھی مجرم کو سزا دینے کا اختیار ریاست کو ہے،افراد کو نہیں۔اس لئے میں قاتلوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے پر عمر قید کی سزا سناتا ہوں اور عدالت عالیہ سے سفارش کرتا ہوں کہ ملزمان سزا میں تخفیف کے مستحق ہیں''۔

عدالت عالیہ نے اس نیک نفس جج کی سفارش کو سر آنکھوں پر رکھا اور تینوں ملزمان کو باعزت بری کرنے کا حکم دیتے ہوئے فیصلے میں لکھ دیا:''ایسا قتل جرم نہیں''۔

اس نام نہاد مہدی اور مدعی نبوت کے قاتل تین سال جیل میں رہے۔دوران قید قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی۔قومی اسمبلی میں معاملہ پیش ہوا۔قادیانی قانونی طور پر کافر ٹھہرے۔سیشن جج کا لکھا ہوا فیصلہ پاکستانی آئین کا حصہ بن گیا۔تحریکوں کے پس منظر میں کتنے گم نام لوگ ہوا کرتے ہیں؟

(ہفت روزہ ضرب مومن،۲۳تا۲۹اگست ۲۰۰۲ء۔راوی مولانا قاری منصور احمد)

زخموں سے چور طلبہ

جس خوش قسمت انسان نے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کا آغاز کیا،وہ مولانا تاج محمود تھے۔قادیانی غنڈوں کے ہاتھوں زخموں سے چور طلبہ کی گاڑی جب ربوہ سے فیصل آباد ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو مولانا تاج محمود اسلام کے فرزندوں کے لئے چشم براہ تھے ہزاروں کا مجمع تھا۔پورا شہر امڈ آیا تھا۔پلیٹ فارم کی دیوار پر چڑھ کر مولانا نے خون میں نہائے ہوئے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے پرجوش انداز میں کہا''میرے بچو!جب تک تمہارے جسم میں سے بہے ہوئے خون کے ایک ایک قطرہ کا حساب نہیں لیں گے،اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔''تحریک طوفان کی صورت میں پھیل گئی،مولانا نے تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے رات دن ایک کردیا۔

آخرے ستمبر (فیصلے کا دن) آ گیا۔ مولانا اکابرین کے ساتھ راولپنڈی میں موجود تھے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ مولانا محمد رمضان علوی راولپنڈی بیان کرتے ہیں کہ اسی دن مولانا میرے مکان میں تشریف لائے، بڑے مضطرب تھے، کہنے لگے، تجھے ایک وصیت کرنے آیا ہوں، میری وصیت سن لو۔

آج اگر فیصلہ ہمارے خلاف ہوا تو میری روح قفس عنصری سے یقیناً پرواز کر جائے گی۔ اکابرین راولپنڈی میں جمع ہیں، انہیں اطلاع نہ ہونے دینا۔ میرا جنازہ راتوں رات فیصل آباد پہنچانے کی کوشش کرنا۔ میرے اکلوتے بیٹے طارق محمود کو پہلے فون کر دینا کہ تمہارے باپ کو لا رہا ہوں۔ میرے لخت جگر کو ہر طرح سے تسلی دینا اور میری بچیوں کو صبر کی تلقین کرنا۔ متواتر بولے جا رہے تھے، میں نے بمشکل چپ کرایا۔ حوصلہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائیں گے۔ ابھی آپ کی بہت ضرورت ہے۔

پھر فرمایا: ”جہاں میرے آقا ﷺ کی ناموس کا تحفظ نہ ہو وہاں رہ کر کیا کرنا؟ نماز مغرب بمشکل نیچے اتر کر مرحوم نے ادا کی۔ میں نے فکر کی وجہ سے کچھ مقوی اشیاء منگوا لیں اور پیش خدمت کیں، لیکن کچھ نہ کھایا۔ پھر فرمایا ریڈیو اوپر منگواؤ۔ خبروں کا وقت قریب ہے۔ سوئچ آن کیا، سکوت طاری تھا، جیسے ہی مرزائیوں، مرتدوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے الفاظ کان میں پڑے، شیر کی طرح اٹھ کر بیٹھ گئے اور رات کو مرکزی جلسہ سے پر جوش خطاب فرمایا۔

کنری (سندھ) کو قادیانیوں نے ربوہ ثانی بنا رکھا تھا۔ قادیانی مبلغین پورے علاقہ میں مچھروں کی طرح اڑتے پھرتے تھے۔ سینکڑوں مسلمان مرتد ہو چکے تھے۔ قادیانی زمینداروں اور ان کے پالتو غنڈوں کی وجہ سے مسلمان بے بسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ختم نبوت یا ردِ قادیانیت پر کچھ بیان کرنا اپنی موت کے پروانہ پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔ مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھری کو جب مسلمانوں کے ان ناگفتہ بہ حالات کا پتہ چلا تو تڑپ اٹھے اور فوراً کنری جانے کا ارادہ کیا۔ کنری پہنچتے ہی جلسہ کا اعلان کر دیا۔ مسلمان اکٹھے ہو گئے، جلسہ گاہ بھر گئی۔

پولیس انسپکٹر بھاگا بھاگا مولانا کے پاس آیا اور کہنے لگا مولانا قادیانی خون خرابہ

کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں آپ کی حفاظت نہیں کرسکتا، برائے مہربانی جلسہ نہ کریں۔ مولانا جالندھری نے بڑے وقار سے جواب دیا۔ بھائی زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، مجھے کسی کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں۔ جلسہ ضرور اور ضرور کروں گا۔ مولانا جب تقریر کرنے کے لئے سٹیج پر تشریف لائے تو بیس پچیس قادیانی غنڈے بندوقوں سے مسلح سٹیج پر چڑھ آئے۔

اور سٹیج کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مولانا کو مخاطب کر کے کہا، اگر آپ نے مرزا قادیانی کے بارے میں کچھ کہا، تو ساری بندوقیں گولیاں اگلیں گی اور آپ کے سینہ سے پار ہو جائیں گی۔ مولانا نے بڑی جرأت کے ساتھ ان کی دھمکی کو سنا اور پھر بڑی پھرتی سے سٹیج سے نیچے اُترے اور اپنے ایک دوست کو زندگی کی آخری وصیت لکھوائی۔ بچوں، رشتہ داروں اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے بارے میں باتیں کیں، پھر جلال میں آتے ہوئے شیر کی طرح جست لگا کر سٹیج پر پہنچ گئے اور قادیانی غنڈوں کو مخاطب کر کے کہا، میں مرزا قادیانی کی مرمت کرنے لگا ہوں۔ تم اپنی بندوقیں سیدھی کرلو۔ محمد عربی ﷺ کے غلام کا سینہ حاضر ہے۔ دو گھنٹے کی تقریر فرمائی۔ قادیانیت کا پوسٹ مارٹم کیا۔ مرزا قادیانی کی خرافات عوام کو سنائیں لیکن رب العزت کے فضل و کرم سے کسی قادیانی غنڈے کو ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

(تحفظ ختم نبوت ص ۱۰۰)

جھوٹے اور سچے ہونے کی دلیل

کنری ضلع تھرپارکر سندھ میں مجلس کے ایک بزرگ رہنما مستری برکت علی جو لوہار کا کام کرتے ہیں کے پاس ایک دفعہ مرزائی آیا اور بنچ پر بیٹھ کر اپنی ارتدادی تبلیغ شروع کردی۔ مستری صاحب دستے والی کلہاڑی کی دھار تیز کر رہے تھے۔

مرزائی گفتگو کرتا رہا، یہ دھار تیز کرتے رہے، جب خوب دھار تیز ہوگئی تو کلہاڑی مرزائی کی گردن پر رکھ کر کہا کہ مرزا بے ایمان تھا، ایسا تھا ویسا تھا خوب بے نقط سنائیں، مستری صاحب کے ساتھ ہی وہ مرزائی اپنے جعلی نبی غلام احمد قادیانی کو ملاحیاں (گالیاں) سناتا گیا، جب تھک گئے... تو مستری صاحب نے وہی کلہاڑی مرزائی کے

ہاتھوں میں دے دی اور خود نیچے بیٹھ گئے اور کہا کہ اب تم کلہاڑی میری گردن پر رکھ کر کہو کہ میں آقائے نامدار ﷺ کی توہین کروں، میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں گا، مگر توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ آپ کے اور ہمارے جھوٹے اور سچے ہونے کی دلیل ہے۔

(تذکرہ مجاہدین ختم نبوت ص ۳۹۰)

یا محمد ﷺ ہوشیار

جناب شورش کاشمیری مرحوم نے اختر شیرانی کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ عرب ہوٹل میں بعض کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے، ان سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ اختر شیرانی اس وقت تک دو بوتلیں (شراب) چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے۔ تمام بدن پر رعشہ طاری تھا، حتیٰ کہ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے، ادھر ان کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ جانے کیا سوال زیر بحث تھا۔

فرمایا، مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے ہیں، جو ہر اعتبار سے جینس بھی ہیں اور کامل الفن بھی۔ پہلے ابوالفضل، دوسرے اسد اللہ غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد، شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ ہم عصر شعراء میں جو واقعی شاعر تھا، اسے بھی اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے۔ کمیونسٹ نوجوانوں نے فیض کے بارے میں سوال کیا، طرح دے گئے، جوش کے متعلق پوچھا، کہا وہ ناظم ہے، سردار جعفری کا نام لیا، مسکرا دئے فراق کا ذکر چھیڑا، ہونہہ ہاں کر کے چپ ہو گئے۔ ساحر لدھیانوی کی بات کی، سامنے بیٹھا تھا، فرمایا، مشق کرنے دو، ظہیر کاشمیری کے بارے میں کہا "نام سنا ہے" احمد ندیم قاسمی؟ فرمایا "میرا شاگرد ہے" نوجوانوں نے دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں، تو بحث کا رخ پھیر دیا۔

حضرت فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، نشہ میں چور تھے، زبان پر قابو نہیں تھا، لیکن چونک کر فرمایا، "کیا بکتے ہو"۔ ادب و انشا یا شعر و شاعری کی بات کرو، کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا، "ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے"؟

ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا، مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے، فرمایا "اجی پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں، یہ افلاطون، ارسطو یا سقراط آج ہوتے، تو ہمارے حلقہ میں بیٹھتے، ہمیں ان سے کیا؟ کہ ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں"۔

اس لڑکھڑاتی ہوئی گفتگو سے فائدہ اٹھا کر ایک ظالم کمیونسٹ نے سوال کیا:

آپ کا حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اللہ اللہ! ایک شرابی جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر دے مارا، کہنے لگا۔

"بدبخت ایک عاصی سے سوال کرتا ہے۔ ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے! ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کیا، گھگھی بندھ گئی پھر فرمایا، بدبخت تم نے اس حالت میں یہ نام کیوں لیا، تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب! با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار!

اس شریر سوال پر توبہ کرو، میں تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں۔ خود قہر و غضب کی تصویر ہو گئے۔ اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اس نے بات کو موڑنا چاہا، مگر اختر کہاں سنتے تھے۔ اسے مجلس سے اٹھوا دیا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے۔ تمام رات روتے رہے، کہتے تھے یہ لوگ اتنے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں گناہگار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنانا چاہتا ہے۔ (مضامین شورش ص ۱۵۹)

گستاخ رسول لڑکی کا حشر......

پروفیسر میاں محمد یعقوب شعبہ اردو نیشنل سائنس کالج گوجرانوالہ راوی ہیں:

۱۹۶۶/۶۷ء کی بات ہے۔ میں لاہور کے سنٹرل ٹریننگ کالج میں B.Ed کا طالب علم تھا۔ وہاں ہمارے ایک بزرگ پروفیسر تھے۔ چودھری فضل حسین، انہوں نے یہ واقعہ کلاس روم میں سنایا کہ میں بیروت کی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا، وہاں ہندوستان (تقسیم سے قبل) کے بہت سے طلبہ و طالبات زیر تعلیم تھے۔ ان میں سے ایک لڑکی بہت شوخ و شنگ اور الٹرا ماڈرن قسم کی تھی۔ اس کا تعلق ہندوستان کے کسی مسلمان نواب گھرانے

سے تھا وہ شاید فیشن کے طور پر کمیونزم کی پرچارک تھی۔

ایک دن ٹک شاپ پر اسلام اور کمیونزم کی بحث چل رہی تھی کہ اس نابکار لڑکی نے حضور ﷺ کی شان میں ایک آدھ نازیبا لفظ کہہ دیا۔ میں نے اسے بے نقط سنائیں۔ بہت برا بھلا کہا اور ہمیشہ کے لئے اس سے قطع کلامی کر لی۔ پھر یوں ہوا کہ مجھے اور اس نابکار لڑکی کو جو اپنی امارت اور حسن پر بہت نازاں تھی، دورانِ تعلیم ہی میں برص کا حملہ ہوا۔ اس نے اپنے حسن کو بچانے کے لئے اس وقت کے اعلیٰ ترین ڈاکٹروں اور ہسپتالوں سے رجوع کیا، لیکن برص پھیلتا چلا گیا اور خود بھی پھیلتی چلی گئی، یعنی بے اندازہ موٹی ہو گئی۔ ہندوستان واپسی پر اس کا کہیں رشتہ نہ ہو سکا اور اپنی اس بُری شکل کی وجہ سے اس نے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا اور وہ جو کبھی جانِ محفل ہوا کرتی تھی، سوسائٹی میں نسیاً منسیاً ہو گئی۔

ادھر واپسی کے بعد میں نے جہلم کے ایک معمولی سے ڈاکٹر سے علاج کروایا اور اللہ کے فضل سے (چہرہ پر ایک آدھ داغ کے سوا) شفا ہو گئی۔ ساری کلاس نے سوال کیا، جناب! اسے تو حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کے سبب یہ سزا ملی۔ آپ پر برص کیوں حملہ آور ہوا؟ بوڑھے پروفیسر کے جواب نے نہ صرف پوری کلاس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، بلکہ سب کو آنسوؤں سے رُلا دیا۔ فرمایا، مجھے اس وجہ سے برص ہوا کہ میں نے گالیوں پر اکتفا کیوں کی اور اسے اسی دم قتل کیوں نہ کر دیا۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم !!

یہ جون ۱۹۹۹ء کا واقعہ ہے۔ برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں واقع لڑکیوں کے ایک اسکول کے ہال میں تقریری مقابلہ ہو رہا تھا۔ موضوع تھا (مشہور مذہبی شخصیت) اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ایک بچی نے حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا۔ اپنی تقریر کے دوران یہ بچی جب بھی لفظ "محمد" ادا کرتی تو غیر ارادی طور پر "صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" نہ کہتی۔ کلاس میں بیٹھی ایک بچی کو یہ حرکت انتہائی ناگوار گذری۔ اس غیر ارادی لغزش کو ایک دو دفعہ برداشت کرنے کے بعد اس بچی سے نہ رہا گیا۔ وہ اچانک اپنی نشست سے اٹھی اور زوردار آواز میں بے اختیار پکار اٹھی۔ "صلی اللہ علیہ وآلہٖ

وسلم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہال میں سناٹا چھا گیا۔ سکول کی تاریخ میں پہلی بار کسی نے نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی تھی۔

بچی کو فوری طور پر ہال سے باہر نکال دیا گیا۔ یہودی وعیسائی اساتذہ اور ماہرین نفسیات پر مشتمل بورڈ نے بچی سے متعدد سوالات کئے اور اس بے ساختہ حرکت کے بارے میں پوچھا، بچی نے ہچکیوں اور سسکیوں میں ایمان افروز جواب دیا کہ جب کوئی شخص ہمارے پیارے نبی حضرت محمد "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا اسم گرامی استعمال کرتا ہے، تو اُس پر فرض ہے کہ وہ "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ادا کرے میں اس پر کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتی۔ حضور نبی اکرم "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا اسم گرامی سن کر "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے الفاظ کہنا میرا ایمانی ودینی استحقاق اور فریضہ ہے۔ اس فریضہ اور استحقاق کی ادائیگی سے مجھے ڈسپلن کے نام پر نہیں روکا جا سکتا۔ (شہیدانِ ناموس رسالت ص ۹)

❁❁❁❁

جانثارانِ ناموسِ رسالت

غازی علم الدین شہید کی داستانِ عشق

علامہ اقبال کو جب معلوم ہوا کہ ایک اکیس سالہ ان پڑھ اور مزدور پیشہ نوجوان نے گستاخ رسول راجپال کو بڑی جرأت اور پھرتی سے قتل کر دیا ہے تو انہوں نے کہا:

"اسی گلاں ای کردے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا"

(ہم باتیں ہی بناتے رہے اور بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا)

غازی علم دین ۴/دسمبر ۱۹۰۸ء (۸/ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ) کو متوسط طبقے کے ایک شخص طالع مند کے گھر (لاہور) میں پیدا ہوئے۔ یہ ان کے دوسرے بیٹے تھے۔ نجاری (بڑھئی) پیشہ تھا، عزت سے دن گزر رہے تھے، ایسے نامور نہ تھے، اپنے محلے تک ان کی شہرت محدود تھی یا پھر لاہور سے باہر جا کر کہیں کام کرتے تو محنت، شرافت اور دیانتداری کی بدولت مختصر سے حلقے میں اچھی نظر سے دیکھے جاتے۔ زندگی اس ڈھب کی تھی۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

کوچہ چابک سواراں میں طالع مند اپنے اہل خانہ کے ساتھ امن و آشتی سے رہتے تھے۔ بڑے بننے کی دل میں آرزو نہ تھی۔ اس دور میں لوگ اپنی قسمت آپ بنانے،

تقدیر کا منہ چڑانے یا حالات کا پھندا گردن سے اتارنے...... راتوں رات لکھ پتی بننے کے آرزومند نہ ہوئے۔ نام طالع مند تھا، آبرومند تھے...... وہ اپنی کمٹی سکڑی بری بھلی زندگی پر قانع تھے۔ اس میں ہلچل مچانے کا ارادہ نہ رکھتے تھے۔

اس دور میں دولت سے زیادہ عزت کی قدر کی جاتی۔ ان کی تو ایک ہی آرزو تھی کہ علم الدین بڑا ہو کر انہی جیسا سعادت مند، محنتی، دیانتدار اور نیک کاریگر ہو، گھر بسائے اور اچھا نام پائے۔ خدا اسے برائی سے بچائے۔ کسے خبر تھی کہ علم دین بڑا ہو کر گھر کی اوقات بدل دے گا۔ اسے زمین سے اٹھا کر اوج ثریا پر لے جائے گا۔ محلہ چابک سواراں کو تاریخ کا درخشاں ستارہ بنا دے گا۔ لاہور کو اس پر ناز رہے گا، لاہور کے ماتھے کا جھومر بن جائے گا

طالع مند نے اپنے بیٹے کو مسجد میں بھیجا تا کہ قرآن مجید پڑھیں۔ علم دین نے کچھ دن وہاں گزارے۔ تعلیم حاصل کی لیکن وہ زیادہ تعلیم نہ پا سکے۔ قدرت کا کوئی راز تھا۔ ان سے ایسا کام جانا تھا جو عمل کی دنیا میں تعلیم سے بڑھ کر تھا بلکہ تعلیم کا مقصود تھا۔ ان میں من جانب اللہ ایسا جوہر مخفی تھا جس کو بچے کی خبر نہ تھی لیکن اس جوہر نے آگے چل کر وہ کام کر دکھایا جس سے انہیں ''تب وتاب جاودانہ'' میسر آئی۔ اس کام کا کوئی بدل نہ تھا۔

طالع مند اعلیٰ پایہ کے ہنرمند تھے۔ وہ علم دین کو گاہے گاہے اپنے ساتھ کام پر لاہور سے باہر بھی لے جاتے۔ بڑا بیٹا محمد دین تو پڑھ لکھ کر سرکاری نوکر ہو گیا لیکن علم دین نے موروثی ہنر ہی سیکھا۔

محمد دین اور علم دین میں بڑا پیار تھا۔ علم دین والد کے ساتھ کبھی باہر جاتا تو محمد دین کو قلق ہوتا۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ محمد دین نے علم دین کے بارے میں خواب پریشان دیکھا۔ علم دین والد کے ساتھ سیالکوٹ گیا ہوا تھا۔ محمد دین بے چین ہوا اور چھوٹے بھائی کی خیریت معلوم کرنے سیالکوٹ پہنچا۔ دونوں بھائیوں کی باہمی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب محمد دین اپنے والد کے ٹھکانے پر پہنچا تو علم دین چارپائی پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی علم دین اچھل پڑا۔

شدت جذبات سے دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ ایک عرصہ بعد دونوں بھائی ملے تھے۔ نجانے کتنی دیر تک وہ ایک دوسرے سے بغلگیر رہے کہ طالع مند نے محمد دین

سے بیٹھ جانے کو کہا۔

محمد دین نے خواب میں علم دین کو زخمی ہوتے دیکھا تھا۔خواب کتنا سچا نکلا۔علم دین واقعی زخمی ہوئے تھے،ہاتھ پر پٹی بندھی تھی۔شیشہ لگا تھا،ہاتھ زخمی تو ہوالیکن زخم گہرا نہ تھا۔اگلے روز محمد دین لاہور آ گئے۔

علم دین والد کے ساتھ رہتے،والد کا ہاتھ بٹاتے اور کام سیکھتے۔اہل خانہ سمجھ گئے کہ علم دین نجار بنیں گے اور نجاری ہی کو ذریعہ معاش بنائیں گے۔ابھی اناڑی تھے،جبھی تو ہاتھ زخمی کر بیٹھے۔ویسے تیز دھار اوزاروں سے کام کرنے اور سیکھنے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے

طالع مند کبھی بیکار نہ رہتے۔لاہور میں کام کرتے،لاہور سے باہر جاتے۔جہاں کام کرتے،نیک نامی سے کرتے۔اپنے مالکوں سے صرف بسولے اور رندے کے حوالے سے تعلق قائم نہ کرتے بلکہ انسانی ہمدردی کا رشتہ قائم کرتے جس کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرتے،ان کی عزت کرتے۔

علم دین کا گھر پرانی وضع کا تھا جہاں وہ والدین کے زیر سایہ تربیت پا رہے تھے۔گھر سے عزت اور شرافت کا سبق لیا۔وہیں دیانتداری کی خو پائی۔گھر ہی درسگاہ ٹھہری جہاں سے کتابی علم تو نہ ملا لیکن اس کی روح جذب کی،اس کی عنایت جانی پہچانی۔

گھر کے شریفانہ ماحول میں ڈھل گئے۔والد کی صحبت میں رہ کر معلوم ہوا کہ بندہ وہ ہے جو دوسروں کے کام آئے۔ایثار اور احسان کو زندگی کا بنیادی عنصر قرار دے،خلوص سے پیش آئے،اس کا صلہ کسی نہ کسی شکل میں بندے کو مل جاتا ہے۔

علم دین نے بچپن ہی میں بعض ایسے واقعات دیکھے جن کے نقوش ان کے دماغ پر ثبت ہوئے اور ان کی کردار سازی میں کام آئے۔

ایک سال والد کے ساتھ کوہاٹ میں رہے۔یہ علاقہ غیور اور بہادر پٹھانوں کا ہے۔تب یہاں بارہ قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔یہ اچھے،بہت ہی اچھے لوگوں کا ڈیرہ ہے۔پٹھانوں کا یہ وصف ہے کہ جوان سے نیکی کرے وہ اسے بھلاتے نہیں،یاد رکھتے ہیں،بڑے مخیر طبع اور متواضع لوگ ہیں،محسن کو قرار واقعی صلہ دیتے ہیں۔جان نثار کر دیتے ہیں۔یہی

ان کی زندگی ہے، یہی چلن ہے، یہی دستور حیات ہے۔

علم دین نے پٹھانوں کیا عملی صفات کا بہ نفس نفیس مطالعہ کیا۔ والد نے کوہاٹ جا کر رہنے کے لئے مکان کرائے پر لیا جس کا مالک اکبر خان پٹھان تھا۔ کام کے لئے گھر سے باہر جاتے، ایک دن روشن خان نامی ایک شخص کے گھر پر کام کرنے گئے۔ کام میں مصروف تھے کہ کسی نے آکر بتایا کہ ان کے مالک مکان اکبر خان کا بھائی سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ ''اس کا بھائی شدید زخمی ہو گیا ہے اور اس کی رپورٹ پر پولیس نے اکبر خان کو گرفتار کر لیا ہے۔''

اکبر خان کی خبر سنتے ہی طالع مند نے کام چھوڑا اور اکبر خان کی مدد پر جانے کو تیار ہو گئے۔

روشن خان حیران ہوا کہ یہ پردیسی پنجابی روزی چھوڑ کر پٹھان کی مدد کو جا رہا ہے اس نے پوچھا......

''تمہاری اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہے جو یوں کام چھوڑ کر جا رہے ہو؟''

طالع مند نے کہا: ''میں اس کا کرایہ دار ہوں۔ وہ میرا محسن ہے۔ اگر خوشی کے وقت وہ مجھے نہیں بھول سکتا تو پھر میں مصیبت کی گھڑی میں اس کی خبر کیوں نہیں لے سکتا؟''

روشن خان پردیسی کے جواب سے بہت متاثر ہوا۔ وہ بھی ساتھ چل دیا اور دونوں کی کوشش سے اکبر خان پولیس کی گرفت سے چھوٹ گیا۔ اس واقعہ کا اکبر خان پر یہ اثر ہوا کہ طالع مند کی ضد اور اس کے اصرار کے باوجود اکبر خان نے ایک سال تک کے قیام میں طالع مند سے کرایہ وصول نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ واپس لاہور آنے کا ارادہ کیا تو اکبر خان نے پیار کی نشانی کے طور پر باپ بیٹے کو ایک ایک چادر دی۔

زندگی امن اور چین سے گزر رہی تھی۔ بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ اب علم دین کی باری تھی چنانچہ ماموں کی بیٹی سے منگنی ہو گئی۔ شادی کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔

علم دین کو گھر اور کام سے سروکار تھا۔ باہر جو طوفان برپا تھا اس کی خبر نہ تھی۔

''اس وقت انہیں یہ بھی علم نہ تھا کہ گندی ذہنیت کے شیطان صفت راجپال نامی بدبخت نے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان کے خلاف ایک دل آزار کتاب (رنگیلا رسول)

شائع کر کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔"

وہ سیدھے سادھے مسلمان یعنی انسان تھے۔ باہر تو اور بھی کئی طوفان اٹھ رہے تھے۔ ہندو مسلم زندہ باد! انقلاب زندہ باد! فرنگی راج مردہ باد اور اسی نوع کے فلک شگاف نعرے رات دن گونج رہے تھے۔ ادھر اس سب کو تہس نہس کرنے کے لئے راجپال نے نفرتوں اور کراہتوں سے لدا پھندا طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس طوفان بدتمیزی سے ہندو آپس میں بٹ گئے۔

حکومت کو راجپال کے خلاف مقدمہ چلانے کو کہا گیا۔ مقدمہ چلا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ عبدالعزیز اور اللہ بخش کو الجھا کر سزا دی گئی۔ الٹا چور سرخرو ہوا اور کوتوال ان کے ساتھ مل گیا۔ اخبارات چیختے، چلاتے، راجپال کے خلاف کاروائی کے مطالبہ کرتے۔ جلسے ہوتے، جلوس نکلتے لیکن حکومت اور عدل وانصاف کے کان بہرے ہو گئے۔

مسلمان دل برداشتہ تو ہوئے لیکن سرگرم عمل رہے۔ دلی دروازہ سیاسی سرگرمیوں کا گڑھ تھا۔ یہاں سے جو آواز اٹھتی پورے ہند میں گونج جاتی۔ وہ دور ہی ایسا تھا۔ دلی دروازہ اور موچی دروازہ میں ہر دم جوالا مکھی سلگتی رہی۔ آتش نفس مقرر انہیں ہوا دیتے رہے۔ یہ باکمال مقرر زندگی کو موت سے لڑا دیتے۔ زندگی دیوانہ وار موت کے گلے پڑ جاتی۔ لوگ سود و زیاں سے بالاتر ہو جاتے اور بے دریغ جانوں پر کھیل جاتے۔ راجپال کا معاملہ اتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ دلی دروازے کے باغ میں اس کا ذکر لازم ہو گیا۔

"علم دین حالات سے بے خبر تھے۔ ایک روز حسب معمول کام پر گئے ہوئے تھے۔ غروب آفتاب کے بعد گھر واپس جا رہے تھے تو دلی دروازے میں لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا۔ ایک جوان کو تقریر کرتے دیکھا تو رک گئے۔ کچھ دیر کھڑے سنتے رہے لیکن ان کے پلے کوئی بات نہ پڑی۔ قریب کھڑے ایک صاحب سے انہوں نے دریافت کیا تو انہوں نے علم دین کو بتایا کہ راجپال نے نبی کریم ﷺ کے خلاف کتاب چھاپی ہے، اس کے خلاف تقریریں ہو رہی ہیں۔"

وہ دیر تک تقریریں سنتے رہے۔ پھر ایک اور مقرر آئے جو پنجابی زبان میں تقریر کرنے لگے۔ یہ علم دین کی اپنی زبان تھی جس کی تربیت گھر سے ملی تھی۔ اردو کی تعلیم

مدرسے سے ملتی تھی۔ مدرسے وہ گئے ہی نہیں۔ پنجابی تقریر اچھی طرح ان کی سمجھ میں آئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ راجپال نے کتاب چھاپی ہے جس میں ہمارے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے اور نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ راجپال واجب القتل ہے۔ اسے اس شرانگیز حرکت کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔

علم دین کی زندگی کے تیور ہی بدل گئے۔ پڑھے لکھے نہ تھے۔ سیدھے سادھے مسلمان تھے اور کچھ نہ سہی کلمہ تو انہیں آتا تھا۔ یہی بہت بڑا سرمایہ حیات تھا ان کے لئے۔ کلمے میں اللہ اور رسول ﷺ کا نام ایک سانس میں لیتے تھے۔ یہی دو سہارے، دو محور تھے ان کی سوچ کے۔

انہوں نے راجپال کو اس کی شرارت بلکہ شرانگیزی کی سزا دینا ضروری سمجھا۔

دلی دروازہ کے باغ سے آتش نوا مقرروں کی تقریریں سن کر دیر سے گھر آئے طالع مند (والد) نے پوچھا، دیر سے کیوں آئے؟ تو انہوں نے جلسے کی ساری کاروائی بیان کی۔ راجپال کی حرکت کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ جلسے میں اسے واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ طالع مند بھی سیدھے سادھے کلمہ گو تھے۔ ہر مسلمان کی طرح انہیں بھی اپنے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی گوارا نہ تھی۔ انہوں نے بھی اس بات کی تائید کی کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات پر حملہ کرنے والے بداندیش کو واصل جہنم کرنا چاہئے۔

یوں علم دین کو گویا گھر سے بھی اجازت مل گئی اور دشمن کا کام تمام کرنے کے خیال کو تقویت پہنچی۔ علم دین کے دل میں جو بھانبڑ مچا تھا، اس کی خبر کسی کو نہ تھی۔

وہ اپنے دوست شیدے سے ملتے۔ راجپال اور اس کی کتاب کا ذکر کرتے۔ ان دنوں کوچہ و بازار میں ہر جگہ یہی موضوع زیر بحث آتا۔ جہاں دو بندے اکٹھے ہوئے، راجپال کی حرکت پر تبادلہ خیال شروع ہو گیا، فرنگی کی جانبداری، مجرم کو کھلی چھٹی دینے اور مسلمانوں کو جبر و تشدد کا نشانہ بنانے کا تذکرہ ہوتا۔ مسلمانوں کی تاریخی رواداری اور غیر مسلم ہمسائیوں سے حسنِ سلوک کی باتیں ہوتیں۔ رات دن یہی ہوتا۔ باقی تمام موضوع اس موضوع میں دب کر رہ گئے۔ ذکر خدا اور ذکر محمد ﷺ کو اولیت حاصل نہ ہو تو اور کس موضوع کو ہو؟

شیدا اچھا لڑکا تھا لیکن ایک بھلے آدمی نے طالع مند کے دل میں شک بٹھا دیا کہ وہ آوارہ ہے، علم دین کی اس سے دوستی ٹھیک نہیں۔ طالع مند نے بیٹے کو سمجھایا لیکن بات نہ بنی۔ علم دین کا یہی ایک نوجوان مزاج آشنا تھا۔ اسی کے ساتھ علم دین گھومتے پھرتے۔

پتہ نہ چل رہا تھا کہ راجپال کون ہے؟ کہاں ہے دکان اس کی؟ کیا حلیہ ہے اس کا؟

انجام کار علم دین کو شیدے کے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ شاتم رسول ہسپتال روڈ پر کتابوں کی دکان کرتا ہے۔ طالع مند کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ علم دین کو کیا ہو گیا ہے۔ کام پر باقاعدہ نہیں جاتا، کھانے کا بھی ناغہ کر لیتا ہے۔ کیا عجب کہ علم دین کے روز و شب کے معمولات میں جو بے قاعدگی آئی ہے اس کا سبب شیدا ہو جس کے باپ کی نسبت خبر ملی کہ وہ جواری ہے اور اپنی دکان جوئے میں ہار چکا ہے۔

طالع مند کی طبیعت غصیلی تھی۔ علم دین جب دیر سے گھر آئے اور طالع مند کو پتہ چلا کہ شیدے لوفر کے ساتھ پھرتے رہے ہیں تو وہ غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ باپ کے سامنے جوان بیٹا خاموش سر جھکائے کھڑا رہا۔ باپ کا ادب بھی تھا، ڈر بھی تھا۔ باپ نے انہیں پکڑ کر دھکیلا......اور کہا؟ چلا جا اس لوفر کے پاس!

بڑے بھائی محمد دین کو اپنے چھوٹے بھائی سے بڑا پیار تھا۔ فوراً بیچ بچاؤ کے لئے آئے اور باپ کو منا لیا۔ بھائی اندر لے گئے اور ناصحانہ درس دیا۔ اونچ نیچ سمجھائی، بری صحبت سے بچنے کو کہا۔

علم دین کو اپنی ذات پر یقین تھا اور جانتے تھے کہ وہ بری صحبت کا شکار نہیں۔ شیدے کے حوالے سے بری صحبت کا سب کرا بدیدہ بھی ہوئے اور برہم بھی۔

وہ پوری طرح بات واضح نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دل میں جو بھانبڑ مچا تھا اس کا وہ کیسے ذکر کرتے؟ موت اور زندگی کا سوال تھا۔ انہوں نے سر پر کفن باندھ لیا تھا لیکن کسی کو نظر نہ آ رہا تھا۔ اپنے ارادے کا خفیف سا اشارہ بھی کسی کو نہ دے سکتے تھے، مبادا کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے اور وہ شک کی بھول بھلیوں میں جا پہنچیں۔ البتہ اب اتنا ضرور ہو گیا کہ گھر میں راجپال کے قتل کی بات عام انداز میں ہونے لگی۔ اس گفتگو میں طالع مند اور علم

دین شریک ہوتے۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ گھر گھر اس کا چرچا تھا۔

لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ادھر باہر بھی آگ بھڑک رہی تھی۔ مسلمانوں کے لیڈر، رہنما، سیاسی اور مذہبی خطیب پوری قوت سے کہہ رہے تھے کہ زبان دراز راج پال کو عبرتناک سزا دی جائے تاکہ ایسا فتنہ پھر کبھی سر نہ اٹھائے۔ عاشق رسول ﷺ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بڑی رقت انگیز تقریر کی۔ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ تھا جس کی رو سے کسی نوع کا جلسہ یا اجتماع نہیں ہوسکتا تھا لیکن مسلمانوں کا ایک فقید المثال اجتماع بیرون دہلی دروازہ درگاہ شاہ محمد غوثؒ کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ وہاں اس عاشق رسول ﷺ نے ناموس رسالت پر جو تقریر کی، وہ اتنی دل گداز تھی کہ سامعین پر رقت طاری ہوگئی۔ کچھ لوگ تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جی نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آج آپ لوگ جناب فخر رسل محمد عربی ﷺ کے عزت و ناموس کو برقرار رکھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرہ میں ہے۔ آج اس جلیل المرتبت کا ناموس معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔'' اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی بھی موجود تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''آج مفتی کفایت اللہ اور احمد سعید کے دروازے پر ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہن کھڑی آواز دے رہی ہیں۔ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ ارے دیکھو! کہیں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دروازہ پر تو کھڑی نہیں؟''

یہ الفاظ دل کی گہرائیوں سے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ ابل پڑے کہ سامعین کی نظریں معاً دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور ہر طرف سے آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پھر اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''تمہاری محبتوں کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج گنبد خضریٰ میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہ اور عائشہ (رضی

اللہ عنہن) پریشان ہیں۔ بتاؤ! تمہارے دلوں میں امہات المؤمنین کے لئے کوئی جگہ ہے؟ آج ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے اپنے حق کا کا مطالبہ کرتی ہیں۔ وہی عائشہ رضی اللہ عنہا جنہیں رسول اللہ ﷺ "حمیرا" کہہ کر پکارا کرتے تھے، جنہوں نے سید عالم ﷺ کو وصال کے وقت مسواک چبادی تھی۔ یادرکھو کہ اگر تم نے خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہن کے لئے جانیں دے دیں تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں۔"

شاہ جی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

"جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، ناموس رسالت پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے۔ پولیس جھوٹی، حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نا اہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی تو روک نہیں سکتا، لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ دفعہ ۱۴۴ کے یہیں پر نچے اڑا دیئے جائیں۔ میں دفعہ ۱۴۴ کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتاؤں گا۔

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

داغ کا یہ شعر شاہ جی نے کچھ اس انداز سے پڑھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ اس تقریر نے سارے شہر میں آگ لگا دی۔ لاہور میں بدنام زمانہ کتاب، اس کے مصنف اور ناشر کے خلاف جا بجا جلسے ہونے لگے۔"

"انہی دنوں انجمن خدام الدین نے شیرانوالہ دروازہ میں راجپال کے قتل کا فتوی دے دیا۔"

سارا ماحول شعلوں سے بھرپور ہو گیا۔ ملک کے طول و عرض سے احتجاجی جلسے ہونے اور جلوس نکلنے لگے تھے۔ آخر ایک مرد غازی اٹھا اور اس نے ایک صبح راجپال کی دکان پر جا کر چاقو سے حملہ کیا۔ تیس برس کا یہ مجاہد اندرون بکی دروازے کا دودھ فروش خدا بخش اکو جہاں تھا۔ راجپال زخمی تو ہوا لیکن اس کی جان بچ گئی۔ مقدمہ چلا اور جلد ہی نمٹا دیا گیا۔ مجاہد خدا بخش کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہ ہوا۔ ایک دو دن کی کارروائی کے بعد

عدالت نے سات سال قید سخت کی سزا دی جس میں تین ماہ قید تنہائی کے تھے۔ رہائی کے بعد پانچ ہزار روپے کی ضمانت! کا بھی پابند کیا گیا۔ مسلمان اس عدالتی فیصلے کو کیونکر قبول کرتے۔ سراسر بے انصافی ہو رہی اور مجرم کو پناہ دی جا رہی تھی۔ عدالت سے ملزم کو قرار واقعی سزا ملنے کی امید نہ رہی تو وہ خود ہی برائی کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بات ہند کی حدود سے باہر جا چکی تھی چنانچہ افغانستان کے عبدالعزیز نامی غیور تاجر نے راجپال پر حملہ کیا لیکن انہیں پہچاننے میں غلطی ہوئی۔ عبدالعزیز مہاشے کی دکان پر پہنچ گئے، جہاں دو آدمی بیٹھے اسلام کے خلاف اشتعال انگیز گفتگو کر رہے تھے۔ غازی نے اپنی دانست میں مہاشہ راجپال پر حملہ کیا لیکن وہ سوامی ستیا نند تھا۔ اب پھر بسرعت فیصلہ کیا گیا کہ۔ عبدالعزیز وکیل کے بغیر پیش ہوئے۔ عدالت اتنی جلدی میں تھی کہ وکیل بنانے کے لئے وقت ہی نہ ملتا۔ ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۷ء کو حملہ ہوا۔ ۱۱/اکتوبر کو عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ ۱۲/اکتوبر کو عدالت نے سات سال قید سخت کی سزا دی۔ تین ماہ قید تنہائی۔ رہائی کے بعد پانچ پانچ ہزار کی تین ضمانتیں دینا قرار دیا۔

شاید ہی کبھی عدالت میں قتل کے مقدمات اس عجلت سے پیش ہوئے اور وکیل کے بغیر ہی نمٹا دیئے گئے ہوں۔ یہ صورتحال بیسویں صدی کی فرنگی عدالتوں کی تھیں۔ کلیسائی عدالتوں کے صدیوں بعد بھی فرنگی کے تیور نہ بدلے۔ امن قائم نہ ہوا۔ اب غازی علم دین حرکت میں آئے۔ ان کا رویہ والدین کے لئے تشویشناک تھا۔ علم دین کے کام میں بے قاعدگی اور طبیعت میں بیکلی آ گئی تھی۔ اکھڑ پن آ گیا تھا رویئے میں۔

طالع مند نے علم دین کے بارے میں سوچا، اس اکھڑ پن کا ایک ہی علاج ہے کہ اس کا بیاہ کر دیا جائے۔ ماں باپ کو اولاد کی پریشانی کے علم میں یہی نسخہ یاد ہے۔ سب اسی کو آزماتے تھے۔ طالع مند نے فیصلہ کر لیا کہ علم دین کو جلد ہی ازدواج میں منسلک کر دیا جائے گا۔

ادھر علم دین کی حالت ہی اور تھی۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا۔ ایک بزرگ ملے اور انہوں نے کہا، علم دین ابھی تک سو رہے ہو۔ تمہارے نبی ﷺ کی شان کے

خلاف دشمن کارروائیوں میں لگے ہیں۔اٹھو جلدی کرو!

''علم دین ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے۔ان کا تمام جسم پسینے سے شرابور تھا۔'' پھر آنکھ نہ لگی منہ اندھیرے اٹھے۔اوزار سنبھالے اور شیدے کے گھر پہنچے۔

شیدے کو لیا اور بھاٹی دروازے کی طرف چلے گئے۔ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔عجیب بات ہے کہ علم دین نے خواب دیکھا تو ویسا ہی خواب شیدے نے رات کو دیکھا تھا۔دونوں ہی کو بزرگ نے راجپال کا صفایا کرنے کو کہا...... دونوں پریشان ہوئے۔کون یہ کام کرے،کون نہ کرے۔دیر تک بحث چلتی رہی۔دونوں ہی یہ کام کرنا چاہتے تھے۔لیکن ان میں کوئی فیصلہ نہ ہو رہا تھا۔دونوں ہی اپنے مؤقف پر ڈٹے تھے۔آخر قرار پایا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔دونوں اس پر رضامند ہو گئے۔دو مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی۔دونوں مرتبہ علم دین کے نام کی پرچی نکلی۔شیدے نے اصرار کیا کہ تیسری بار پھر قرعہ اندازی کی جائے۔پرچی نکالنے والا اجنبی لڑکا حیران تھا کہ یہ دونوں جوان کیا کر رہے ہیں آخر تیسری بار پر علم دین رضامند ہو گئے۔اب پھر انہی کا نام نکلا۔

اب شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہی۔علم دین مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے قرعہ فال انہی کے نام نکلا۔وہی باہمی فیصلے سے شاتم رسول کا فیصلہ کرنے پر مامور ہوئے۔

پھر دونوں وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

گھر والوں کو خبر ہی نہ ہوئی کہ علم دین نے کیا فیصلہ کیا ہے،ان کے اندر کب سے طوفان انہیں بے چین کر رہا ہے اور اس کا منطقی انجام کیا ہوگا۔ان کی زندگی میں جو بے ترتیبی آئی ہے،اس کا کیا سبب ہے؟

ایک مرتبہ پھر خواب میں آکر بزرگ نے اشارہ کیا...... ''علم دین اٹھو! جلدی کرو! دیر کی تو کوئی اور بازی لے جائے گا۔''

ارادہ تو کر ہی چکے تھے۔خواب میں بزرگ کو دیکھا تو ارادہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔

آخری بار اپنے دوست شیدے سے ملنے گئے۔اسے اپنی چھتری اور گھڑی یادگار کے طور پر دی۔گھر آئے۔رات تک جاگتے رہے۔نیند کیسے آتی؟ وہ تو زندگی کے

سب سے بڑے مشن کی تکمیل کی بابت سوچ رہے تھے۔اس کے علاوہ اب کوئی دوسرا خیال پاس بھی پھٹک نہ سکتا تھا۔

اگلی صبح گھر سے نکلے۔گنٹی بازار کی طرف گئے اور آتمارام نامی کباڑیئے کی دکان پر پہنچے جہاں چھریوں چاقوؤں کا ڈھیر لگا تھا۔وہاں سے انہوں نے اپنے مطلب کی چھری لے لی اور چل دیئے۔اب ''نغمہ بیش از تار'' ہو گیا۔روح بے قابو ہو گئی۔

''انارکلی میں ہسپتال روڈ پر عشرت پبلشنگ ہاؤس کے سامنے ہی راجپال کا دفتر تھا......''معلوم ہوا کہ راجپال ابھی نہیں آیا۔آتا ہے تو پولیس اس کی حفاظت کے لئے آجاتی ہے۔اتنے میں راجپال کار پر آیا۔کھوکھے والے نے بتایا، کار سے نکلنے والا راجپال ہے۔ اسی نے کتاب چھاپی ہے۔

''راجپال ہردوار سے واپس آیا تھا، دفتر میں جا کر اپنی کرسی پر بیٹھا اور پولیس کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے ٹیلیفون کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ علم دین دفتر کے اندر داخل ہوئے۔اس وقت راجپال کے دو ملازم وہاں موجود تھے۔کدارناتھ پچھلے کمرے میں کتابیں رکھ رہا تھا۔جبکہ بھگت رام، راجپال کے پاس ہی کھڑا تھا۔راجپال نے درمیانے قد کے گندمی رنگ والے جوان کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا لیکن وہ سوچ بھی نہ سکا کہ موت اس کے اتنے قریب آچکی ہے...... پلک جھپکتے میں چھری نکالی...... ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور راجپال کے جگر پر جا لگا...... چھری کا پھل سینے میں اتر چکا تھا۔ایک ہی وار اتنا کارگر ثابت ہوا کہ راجپال کے منہ سے صرف ہائے کی آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر جا پڑا۔

''علم دین الٹے قدموں باہر دوڑے۔کدارناتھ اور بھگت رام نے باہر نکل کر شور مچایا...... پکڑو پکڑو...... مار گیا، مار گیا، مار گیا۔''

راجپال کے قتل کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی۔ پوسٹ مارٹم ہوا تو کئی ہزار ہندو ہسپتال پہنچ گئے اور آریہ سماجی ''ہندو دھرم کی جے، ویدک دھرم کی جے'' کے نعرے سنائی دینے لگے۔

امرت دھارا کے موجد پنڈت ٹھاکر دت شرما، رائے بہادر بدری داس اور پر

مانند کا وفد ڈپٹی کمشنر سے ملا اور راجپال کی ارتھی کو ہندو محلوں میں سے لے جانے کی درخواست کی لیکن ڈپٹی کمشنر نہ مانا۔ کیسے مانتا؟ اس کی منشاء کے عین مطابق، حسب ضرورت ہندو مسلم اتحاد درہم برہم ہونے کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ کسی کو اس حد کے آگے کیونکر جانے دیتا۔ اگلا مرحلہ تصادم کا تھا جس سے امن قائم نہ رہتا۔ فرنگی کو اس سے نقصان پہنچتا چنانچہ جب لوگ زبردستی کرنے اور ارتھی کا جلوس نکالنے پر تل گئے تو پولیس کو لاٹھی چارج کا حکم ملا۔ پنجاب پولیس امن قائم کرنے کا بڑا تجربہ رکھتی ہے۔ "پولیس نے لٹھ برسائے اور لٹھم لٹھا ہوئی کہ توبہ ہی بھلی۔"

علم دین کے گھر والوں کو علم ہوا تو وہ حیران ضرور ہوئے لیکن انہیں یہ پتہ چل گیا کہ ان کے چشم و چراغ نے کیسا زبردست کارنامہ سرانجام دیا اور ان کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ پولیس نے بغرض حفاظت ان کے گھر پر پڑاؤ ڈال لیا اور ہجوم کو ہٹا دیا۔ اب کوئی ان کے گھر میں جا نہ سکتا تھا، وہ بھی گھر سے باہر نہ آ سکتے تھے۔ شیدا باہر رہ کر انہیں ضرورت کی چیزیں پہنچانے لگا۔

طالع مند کو قرعہ اندازی کا علم ہوا تو شیدے کے بارے میں سارے شکوک وشبہات رفع ہو گئے۔ پھر اس نے جس لگن سے خدمت کی اس سے اس نے ان کا دل موہ لیا۔ مسلمان اب چاہتے تھے کہ حکومت غازی علم دین کے اقدام کو درست سمجھے کیونکہ انہوں نے بجا طور پر اپنے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی گوارا نہیں کی۔ ان کا دل مجروح ہوا جس کے نتیجے میں بد باطن راجپال کا خاتمہ کیا۔ علم دین اپنے فعل میں حق بجانب تھے۔

غازی علم دین کی بیگناہی میں نہ صرف ہند بلکہ افغانستان تک میں بھی آوازیں اٹھنے لگیں اور علم دین کی بریت پر زور دیا جانے لگا۔

ادھر آریہ سماج والے چلا رہے تھے کہ مسلمان ان کے فرائض منصبی میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی توہین کے لئے کھلی چھٹی دی جائے۔ وہ دل آزار تقریریں کرتے اور اشتعال انگیز کتابیں کھلم کھلا چھاپتے رہیں۔ مسلمان چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھتے رہیں اور ان سے باز پرس نہ کریں۔ جیسے آج کل یورپ

والے آزادی اظہارِ رائے کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔

فرنگی تماشا دیکھ رہا تھا، اور طوفان بدتمیزی کو روک نہ رہا تھا۔

دونوں طرف آگ کے شعلے پھیل رہے تھے۔ نتیجہ واضح تھا۔ بالآخر دونوں قوموں کے رہنماؤں اور اخبار والوں نے سدِباب کی تدبیر کی۔ باہمی افہام و تفہیم سے طے پایا کہ لوگوں کے جذبات کو ٹھنڈا کیا جائے تاکہ فساد نہ ہو جائے۔ ایسا ہوا تو گلی گلی، کوچہ کوچہ خون کی ندیاں بہہ نکلیں گی اور بڑے پیمانے پر معصوم انسان جانیں گنوا بیٹھیں گے۔ مولانا ظفر علی خان سے استدعا کی کہ اپنے اخبار ''زمیندار'' میں اشتعال انگیز خبریں اور مضامین نہ چھاپیں۔ مولانا نے صاف صاف کہا، اگر راجپال کے خلاف پہلے ہی کاروائی کی جاتی تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اب جو بویا ہے سو کاٹو۔ تاہم وہ اس شرط پر مان گئے کہ ہندو اخبارات کی زبان بندی بھی کی جائے۔ ورنہ یہ سلسلہ تو یونہی چلتا رہے گا۔ ڈپٹی کمشنر نے یقین دلایا کہ ہندو پریس کو بھی کنٹرول کیا جائے گا۔ تاہم معاملہ معمولی نہ تھا جسے لوگ دل سے اُتار دیتے۔ لاہور میں علامہ اقبالؒ، مولانا محمد علی، سر شفیع، مراتب علی شاہ اور میاں عبدالعزیز نے غازی علم دین کے حق میں قرارداد پاس کروائی۔ کتنے ہی دوسرے شہروں میں بھی ایسی ہی قراردادیں منظور ہوئیں۔

اس طرح ہندو مسلم کشیدگی میں کمی آئی اور اب توجہ اس امر پر دی جانے لگی کہ عدالت انصاف سے کام لے۔ آخر عدالت کا دروازہ کھلا اور غازی علم دین کی قسمت کے فیصلے کی نوبت آئی۔ سب کی نظریں ایک نقطے پر جمع ہو گئیں۔ ۱۰ اپریل کو پہلی پیشی ہوئی۔ غازی علم دین کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہ ہوا۔ کیسی تعجب کی بات ہے کہ اس سے پہلے بھی یہی صورت تھی۔ مردِ غازی خدا بخش اکو جہاں پر راج پال پر قاتلانہ حملہ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلا تو انہیں کوئی وکیل میسر نہ آیا۔ اسی طرح افغانستان کے تاجر غازی عبدالعزیز بھی راجپال پر قاتلانہ حملے کے الزام میں وکیل کے بغیر ہی عدالت میں پیش ہوئے۔

بہرحال تین مرتبہ ایسا ہوا۔ بعد ازاں غازی علم دین کی طرف سے چوٹی کے وکیل پیش ہوئے۔ بعد ازاں خواجہ فیروز الدین بیرسٹر نے یہ مقدمہ لے لیا۔ ان کے معاون

ڈاکٹر اے آر خالد تھے۔ فرخ حسین بیرسٹر تو پہلے سے شامل تھے۔ ان میں مسٹر سلیم اور دیگر وکلاء بھی شامل ہو گئے۔

وکلاء نے جرح کی اور صفائی میں دلائل دیئے لیکن یہاں دلائل سننے والا اور انہیں درخور اعتناء کرنے والا کون تھا؟ عدالت طوفان میل کی طرح مقدمے کی سماعت کرنے اور فیصلہ سنانے کے لئے بے چین تھی۔ صفائی کے وکلاء کی کوئی بات مانی نہ گئی دلیل قبول نہ کی گئی اور ۲۲/ مئی کو سزائے موت سنادی۔ ایک ہی راگ الاپا جارہا تھا۔ راجپال نے جو فتنہ کھڑا کیا، دنیا بھر کے مسلمانوں کی دل آزاری کی، وہ درست ہے۔ غازی علم دین نے شاتم رسول کو قتل کیا، وہ لائق گردن زنی ہے۔

۱۷/ جولائی ۱۹۲۹ء کو سزائے موت دی گئی۔ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۲۹ء (۲۶/۱۳۴۸ھ) کو میانوالی جیل میں اس حکم پر عملدرآمد ہوا۔ کئی دنوں کے مسلسل احتجاج کے بعد نعش مسلمانوں کو ملی جو مثالی اور غیر معمولی اعزاز واکرام کے ساتھ میانی صاحب قبرستان (لاہور) میں دفن کردی گئی۔

کب سے امت مسلمہ بالعموم اور اسلامیانِ ہند بالخصوص سراپا احتجاج بنے ہوئے تھے۔ ان کے دل رو رہے تھے۔ قانون اور اخلاق کی دھجیاں اُڑائی گئیں۔ انصاف کی آنکھ ہمیشہ اس فیصلے پر خون کے آنسو ٹپکائے گی۔ فرنگی عہد کی عدالتوں کے انتہائی جانبدارانہ اور غیر منصفانہ فیصلے پر اظہار افسوس کرے گی۔ فرنگی منصفوں نے بالعموم شاتم رسول کے معاون کا کردار ادا کیا ہے۔ چند دیانتدار دانشوروں کو چھوڑ کر باقی اسی مہم میں لگے رہے کہ جہاں تک بن پڑے مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے اور غیر مسلموں کی آنکھوں میں دنیا کی عظیم ترین ہستی، انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے انقلاب آفرین پروگرام لانے والے رسول عربی ﷺ کی شخصیت کو گرایا جائے...... اسلام کی تبلیغ کو روکا جائے۔ قرآنی تعلیمات اور حیات رسول ﷺ کا مطالبہ کرنے کے بعد ممکن نہیں کہ غیر مسلم اسلام قبول کئے بغیر رہ سکے۔ (تلخیص از تحریر عبدالرحمٰن مذنب)

یہ پٹی تم کسی اور کو پڑھانا

ہوا یہ کہ حضرو تھانہ سے تین میل مشرق کی جانب ایک گاؤں برہ زئی میں آلو پیاز کی پھیری لگانے والے ادھیڑ عمر ہندو بھیشو نے کسی خاتون گاہک کو سودا بیچنے میں حد ادب کو پھلانگتے ہوئے، بلاوجہ شان رسالت ﷺ میں گستاخانہ حملہ کیا۔ وقتی طور پر بات رفت گزشت ہوگئی کیونکہ آس پاس کوئی مرد اس وقت موجود نہ تھا۔ بھیشو ہانک لگاتا گاؤں سے باہر نکل گیا۔ وہ ایک نواحی قصبہ بزتوپہ کا رہنے والا تھا۔ اس کا اصل نام بھوشن اور عرفی نام بھیشو تھا۔ وہ برسوں سے آس پاس کے دیہات میں سبزی کی پھیری لگانے آتا۔ ہر چند اسے معلوم تھا کہ مسلمان دیہاتی ہی اس کے گاہک اور رزق کا وسیلہ ہیں، اس کی بے لگام زبان مسلمانوں کے بارے میں زہر اگلنے سے باز نہ رہتی۔ مسلمان صبر سے کام لیتے کہ کتے کی عف عف کا کیا جواب! آخر کار اس کے دل کی خباثت ابل کر ایک روز ہونٹوں تک آگئی۔ یہ جولائی ۱۹۳۷ء کے پہلے ہفتے کا واقعہ ہے۔ گاؤں بھر میں چرچا ہوا۔

تیسرے چوتھے روز گاؤں کا ایک اٹھارہ سالہ نوجوان عبدالمنان دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں غورغشی کے مدرسہ سے صرف ونحو کا درس لے کر گھر واپس پہنچا تو اس کے بڑے بھائی حافظ غلام محمود نے کہا کہ بعد دوپہر جب دھوپ ذرا ڈھل جائے تو مجھے سائیکل پر حضرو چھوڑ آنا میں وہاں سے پنڈی کے لئے بس پکڑلوں گا۔ عبدالمنان نے کہا۔ ”ٹھیک ہے آپ ذرا دیر آرام کرلیں، میں بھی مسجد میں جا کر ستالوں۔“

وہ گھر سے باہر نکلا تو کسی نے اسے بتایا کہ بھیشو آج پھر گاؤں کی گلیوں میں ہانک لگاتا پھرتا ہے۔ عبدالمنان مسجد میں جاتے جاتے رک گیا۔ اسے کچھ خیال آیا۔ ایک خیال جس نے اس کی تقدیر بدل دی۔ وہ تقدیر جس پر فرشتوں کو بھی رشک آئے۔ وہ تیزی کے ساتھ اپنے ایک دوست کے یہاں پہنچا اور اس سے کمانی دار چاقو مانگا جو حال ہی میں اس نے خرید کیا تھا اور عبدالمنان کو بہت پسند آیا تھا۔

چاقو لے کر وہ اپنے شکار کی تلاش میں نکلا۔ بھیشو اس دوران گاؤں سے باہر کھلے

کھیتوں سے ہوتا ہوا ڈیڑھ فرلانگ دور جا چکا تھا۔ عبدالمنان نے تعاقب کیا اور کھیتوں سے پرے گھنے درختوں سے متصل ایک کنویں پر جا لیا جہاں بھیشو کچھ دیر ستانے کو رک گیا تھا۔ عبدالمنان اس کے پاس جا بیٹھا اور ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ بھیشو نے اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کیوں کھول رکھا ہے؟"

عبدالمنان نے جواب دیا۔ "ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔" دشمن رسول کو اپنے انجام کا احساس ہو گیا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔

عبدالمنان نے پوچھا کہ تو نے اگلے روز شان رسالت ﷺ میں گستاخی کی جرأت کیونکر کی۔ بھیشو کوئی معقول جواب نہ دے سکا تو عبدالمنان نے چاقو اس کے سینے میں پیوست کر دیا۔ وہ اٹھ کر بھاگنے لگا مگر اجل کہاں جانے دیتی ہے۔ عبدالمنان نے اسے گھٹنوں تلے دبوچ کر دو تین وار اور کئے۔ کافر کا ناپاک خون کنویں کے حوالی کی مٹی میں جذب ہونے لگا۔ بھیشو نے صرف اتنا کہا کہ مار تو چکا ہے اب تو بس کر۔

دشمن کو ابھی تک زندہ جان کر عبدالمنان نے اس کی شہ رگ کو چاقو کی دھار پر لیا اور اس کا کام تمام کر ڈالا۔ چند زمیندار جو کنویں سے چند گز اُدھر اپنے کام میں مصروف تھے، شور سن کر آ گئے۔

کچھ دیر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ دیکھتے دیکھتے برزئی اور آس پاس کے دیہات سے مسلمان جمع ہو گئے۔ کسی نے حضرو تھانہ جا کر اطلاع کر دی اور پولیس آ گئی۔ ظہر کا وقت ہو چلا تھا جب پولیس کے جھرمٹ میں عبدالمنان کو حضرو لے جایا گیا۔ سینکڑوں آدمی تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے جلوس کی شکل میں ساتھ ساتھ گئے۔ حضرو پہنچتے پہنچتے ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔

تھانہ کے مسلمان انچارج نے عبدالمنان سے کہا کہ تم اپنا بیان میری ہدایت کے مطابق لکھواؤ۔ عبدالمنان نے کہا یہ پٹی تم کسی اور کو پڑھانا۔ میں نے اللہ کے حبیب کی محبت میں اپنا فرض ادا کیا ہے اور اب جھوٹ بول کر اپنے عمل کو ضائع نہیں کر سکتا۔

بہر کیف حضرو تھانہ میں عبدالمنان کا اقبالی بیان درج ہو گیا۔ تھانہ والوں نے

کیمبل پور اطلاع دی کہ یہاں ہزاروں مسلمان مشتعل کھڑے ہیں۔ اندیشہ ہے کہیں ہندو مسلم تصادم نہ ہو جائے۔ کیمبل پور سے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دو تین چھوٹے افسر حضرو پہنچ گئے اور عبدالمنان کو کار میں کیمبل پور لے آئے۔ یہاں بھی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے عبدالمنان کو ہمدردانہ مشورہ دیا مگر اس نے جھوٹ بولنے سے انکار کر دیا۔

دو تین روز میں استغاثہ مکمل ہو گیا۔ اقبالی بیان تو موجود تھا ہی۔ عبدالمنان سیشن سپرد ہو گیا۔ ان دنوں مسٹر، ڈی، کھوسلہ کیمبل پور کے ڈسٹرکٹ سیشن جج تھے۔ فریقین نے اپنے اپنے گواہ پیش کئے۔ مقتول کی طرف سے دو تین ہندو وکلاء نے پیروی کی۔ پیشی کے روز عدالت کے باہر ہزاروں کا مجمع تھا۔ دراز قامت اٹھارہ سالہ نوجوان عبدالمنان مجرموں کے کٹہرے میں بڑے وقار کے ساتھ کھڑا مقدمے کی کاروائی سنتا رہا۔ مقتول کی بیوی بھی گواہی کے لئے پیش ہوئی اور اس نے جرح کے دوران اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ بھیشوا اکثر مسلمانوں کے خلاف زہر چکانی کرتا اور منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتا تھا اور آخر کار وہی ہوا جو غیر متوقع نہیں تھا۔ بیوی کے بیان نے مقتول شوہر کے استغاثہ کا حصار توڑ کر رکھ دیا۔

جی، ڈی کھوسلہ نے قتل کو فوری اشتعال کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے عبدالمنان کو سات سال قید سخت کی سزا سنائی اور فیصلہ میں لکھا کہ مجرم اگر جواں سال نہ ہوتا تو اسے عمر قید کی سزا دی جاتی۔

جس وقت فیصلہ سنایا جا رہا تھا عدالت کے باہر ان گنت مسلمان والہانہ نعرے لگا رہے تھے اور حب رسول ﷺ کی بارش اہل ایمان کے دلوں پر رم جھم برس رہی تھی۔

عبدالمنان کو عدالت کے عقبی دروازہ سے نکال کر عجلت کے ساتھ جیل پہنچا دیا گیا اور مجمع بہت دیر انتظار کرنے کے بعد منتشر ہو گیا۔ انہیں افسوس ہی رہا کہ اس روز وہ اس جیالے عاشق رسول ﷺ کی جھلک نہ دیکھ سکے۔

مسلمانوں نے ہائی کورٹ میں اپیل کے لئے تگ و دو کی۔ ڈاکٹر محمد عالم بیرسٹر کا خیال تھا کہ اپیل ضرور کرنی چاہئے مگر کچھ دوسرے مقتدر مسلمان وکلاء نے مشورہ دیا کہ

سزا میں اضافہ کا امکان ہے، اس لئے اپیل نہ کرنا ہی قرین مصلحت ہے چنانچہ اپیل نہ کی گئی۔

سات برس کی مدت قید چھوٹ کے ایام کی رعایت سے صرف پانچ برس رہ گئی جن میں سے عبدالمنان نے ایک برس ملتان اور چار برس پنڈی جیل میں گزارے۔

ایک محفل میں گزشتہ دنوں مجھے غازی عبدالمنان سے ملاقات کا موقع ملا۔ میں اس کی باوقار اور متین شخصیت سے متاثر ہوا۔ اس نے یہ سارا واقعہ دھیمے لہجے میں مجھے خود سنایا۔

غازی عبدالمنان نے ان دنوں برہ زئی میں آٹا پیسنے کی مشین لگا رکھی ہے۔ اس کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے جو پنڈی میں بیاہی ہوئی ہے۔ (تلخیص از تحریر محترم عزیز ملک صاحب)

غازی عبدالقیوم کی جرأتِ ایمانی

سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں کہ ''یہ اوائل ۱۹۳۴ء کا ذکر ہے کہ آریہ سماج حیدر آباد سندھ کے سیکرٹری نتھورام نے ''تاریخ اسلام'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی شانِ اقدس میں سخت دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا، انہوں نے شدید احتجاج کیا، جلسے کیے، جلوس نکالے۔ مولانا عبدالحمید سندھی اور دوسرے مسلمان لیڈروں نے نتھورام کے خلاف حیدر آباد میں استغاثہ دائر کیا۔

نتھورام پر مقدمہ چلا۔ حکومت نے کتاب کو ضبط کر لیا اور ملزموں کو معمولی جرمانے کے ساتھ ایک سال کی قید کی سزا سنائی گئی۔ اس نے جوڈیشنل کمشنر کی عدالت میں سزا کے خلاف اپیل دائر کی۔ عدالت سے اس کی ضمانت بھی منظور ہوگئی۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ اس وقت مسلمانوں کے جذبات مشتعل تھے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ غازی عبدالقیوم نے نتھورام کی خرافات کا ذکر سنا تو اس کی غیرت ایمانی بھڑک اٹھی''۔

رائیکمال اس کے صراحت یوں کرتے ہیں۔ ''یہ بات سننے پر غازی عبدالقیوم شہیدؒ نے پوچھا کہ ''سندھ میں اس قدر مسلمان ہیں، مگر اس بدزبان کو کسی نے نہیں پوچھا کہ سرورِ کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی تجھے کس طرح جرأت ہوئی؟ کیا ہم اس قدر بے غیرت ہو چکے ہیں؟ اس کے بعد آپ نے کہا' میرے پاس چھوٹا چاقو ہے، میں اسے

توڑتا ہوں اور اس مردار کے لئے ایک بڑا چاقو خریدوں گا"۔

چاقو خریدنے پر شہباز محبت نے اپنی رفیقہ محترمہ سے کہا" میں نے یہ تیز دھار آلہ خاص نتھورام کے لئے حاصل کیا ہے۔ دعا کرو اللہ مجھے اس عدالت ہی میں ملوائے اور میں مردود مذکور اور اس کے کاندوں کو بتا دوں کہ میرے رسول ﷺ کی عظمت اور تقدیس میں یادہ گوئی کا فیصلہ انگریز کی عدالت سے نہیں، کسی غیرت مند مسلمان کے خنجر کی نوک سے ممکن ہے۔"

بتایا جاتا ہے کہ عبدالقیوم نے جو بعض دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدالت میں نتھورام کے قریب بیٹھا ہوا تھا، چاقو نکالا اور نتھورام کے پیٹ میں گھونپ دیا، نتھورام چلایا کہ ایک اجنبی شخص آگے بڑھا اور حملہ آور کو پکڑ لیا، مگر عصمتِ نبی کا محافظ غصے میں تھا، اس نے خود کو چھڑا کر اپنا چاقو مردود مذکور کے شکم میں اتار دیا۔ نتھورام بری طرح زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، مضروب کی حالت نازک تھی۔ اس کو سول ہسپتال پہنچایا گیا، لیکن علاج معالجہ سے قبل ہی وہ فنا فی النار ہو چکا تھا۔ غازی عبدالقیوم شہیدؒ نے اس بدزبان گستاخ کو عین دوپہر کے وقت کمرۂ عدالت میں کیفر کردار تک پہنچایا اور پولیس کے سامنے فرمایا کہ" نتھورام کو میں نے نہایت سوچ سمجھ کر قتل کیا ہے اور پیغمبر خدا ﷺ کی توہین کرنے والوں کا یہی انجام ہونا چاہئے"۔

جب غازی عبدالقیوم نے نتھورام کو کمرہ عدالت میں قتل کیا تو ایک جج جس کا نام اوسالون تھا۔ ڈائس سے اترا، غازی پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور تحکمانہ انداز میں بولا تم نے اس کو مار ڈالا؟ ہاں اور کیا کرتا، غازی نے جرأت سے جواب دیا اور پھر کمرے میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ تمہارے بادشاہ کو گالیاں دیتا تو تم کیا کرتے، تم میں غیرت ہوتی، تو تم اس کو قتل نہ کر ڈالتے، پھر انتہائی حقارت سے نتھورام کی لاش کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا اس خنزیر کے بچے نے میرے آقا اور شہنشاہوں کے شہنشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے اور اس کی یہی سزا ہے۔

بعد ازاں مجسٹریٹ کے روبرو جرأت مندانہ بیان قلم بند کرواتے ہوئے فرمایا، اس شخص (نتھورام) نے میرے آقا کو گالیاں دی تھیں، میرے ہوش و حواس بالکل بجا ہیں،

مَیں وثوق سے کہتا ہوں کہ مجھے اقبال قتل کے لئے بالکل مجبور نہیں کیا گیا اور نہ ہی مجھ پر کوئی دباؤ ہے اور میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں، اسے میرے خلاف بطورِ شہادت استعمال کیا جائے گا۔ میری زندگی کا سب سے خوش گوار دن وہی تھا، جس دن میں نے نتھو رام کو جہنم رسید کیا۔

اس سے آگے کا حال سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں، ''غازی عبدالقیوم'' کے رشتہ داروں اور دوستوں نے اقبال جرم سے روکا، مگر اس نے انکار کر دیا۔ آخر عدالت نے غازی کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ یہ حکم سنا تو غازی کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''الحمد للہ'' اور بڑے ... سے جج کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ''میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا ملی۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے، میرے پاس لاکھوں جانیں ہوتیں تو میں وہ بھی ناموس رسالت پر نچھاور کر دیتا''۔ غازی عبدالقیوم فیصلہ سن کر جیل چلے گئے۔

مسلمانوں نے ان کی جان بچانے کی کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا ایک وفد علامہ اقبالؒ کی خدمت میں لاہور آیا اور ان سے درخواست کی کہ غازی کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے میں وائسرائے سے ملاقات کریں اور اپنے رسوخ کو کام میں لائیں۔ وفد کی بات سن کے علامہ نے چند ثانیے سوچا، پھر بولے کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟ ارکانِ وفد نے کہا اس نے ہر موقع پر اپنے کئے پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور کھلے بندوں کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے، مجھے پھانسی سے بچانے کی کوشش مت کرو۔

''علامہ اقبالؒ نے وفد کی بات سنی تو کہا کہ جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے، تو اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کس طرح حائل ہو سکتا ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں جو زندہ رہا تو غازی اور مر گیا تو شہید'' کہتے ہیں علامہ اقبال نے غازی علم الدین شہیدؒ اور غازی عبدالقیوم کے واقعات سے متاثر ہو کر یہ شعر کہے.......

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے مانگ
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ !اے مردِ مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لاتدع اللّٰہ الھا اخر

اشعر عطا عدالت کے روبرو غازی کے بیان کو یوں نقل کرتے ہیں، ''جب تک ایک کلمہ گو مسلمان موجود ہے اور اس کے سینے میں ایمان افروز دِل موجود ہے، وہ یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی بد دہن اس کے آقا مولا ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس کی نظروں کے سامنے زندہ رہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے نتھورام کو قتل کیا ہیا اور وہ جہنم کا ایندھن بن چکا ہے، اگر مجھے رہا کردیا جائے تو میں رہا ہونے کے بعد ہر اس شخص کے خلاف جو میرے آقا کی شان میں گستاخی کرے گا، یہی کاروائی عمل میں لاؤں گا، جس کا مظاہرہ میں نے نتھورام کو جہنم واصل کرنے میں کیا ہے۔

رائے کمال لکھتے ہیں، ''۱۳ اکتوبر کو حسب توقع غازی عبدالقیوم کو کراچی کی عدالت سے سزائے موت کا مستحق قرار دیا گیا۔ آپ نے موت کی سزا نہایت صبر و تحمل اور خندہ پیشانی کے ساتھ سُنی، جج اور جیوری کے ''منصفانہ'' فیصلے پر شکرادا کیا اور بڑے سکون کے ساتھ کٹہرے سے ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ۱۴ اکتوبر کی صبح دس بجے غازیؒ سے ان کے رشتہ داروں کی ایک ملاقات ہوئی۔ غازی موصوف بوقتِ ملاقات قرآن حکیم میں محو تھے اور بے حد ہشاش بشاش نظر آئے۔

والدہ محترمہ نے فرمایا ''بیٹا میں خوش ہوں کہ تم نے ناموس سرورکونین ﷺ پر اپنے آپ کو قربان کردیا ہے، اگر کچھ خیال ہے تو صرف اتنا کہ اگر تمہارے دل میں یہ جوش قربانی تھا تو تمہاری شادی جس کو قلیل عرصہ ہوا، نہ کرتی۔ غازی صاحب فقط ایک لحظہ رہ کر فرمانے لگے: ''ماں! جو لوگ رات کو شادی کرتے ہیں اور صبح مرجاتے ہیں، وہ بھی تو ہیں ناں!'' والدہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دعا کے لئے کہا، حضرت قبلہ غازی صاحب نے نہایت خشوع و خضوع سے بہ تعمیل حکم سب کے لئے دعا فرمائی''۔

آپ نے جملہ لواحقین کو تلقینِ صبر کی اور فرمایا کہ یہ جان ناتواں شمع رسالتؐ پر جب نثار ہو جائے اور میں شہید کر دیا جاؤں، تو آپ نہایت صبر اور حوصلے سے کام لیں، اگر تم میں سے کسی نے ایک آنسو بھی بہایا تو سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں اس سے دامن گیر ہوں گا۔ ازاں بعد طمانیت قلبی سے "السلام علیکم" کہہ کر آپ اپنے محبوب ترین مشغل دوامی تلاوت کلام اللہ العزیز میں مشغول ہو گئے"۔

یا الٰہی اس اسیر خستہ جان کو دار پر
درویش دیدار احمد کے سوا کچھ بھی نہیں

(بحوالہ روزنامہ اوصاف، اسلام آباد ۳۱/۱ اکتوبر ۲۰۰۰ء)

غازی عبداللہ شہیدؒ

سلطان نورالدین زنگی کے بعد صوفی عبداللہ شاید وہ دوسری خوش نصیب ہستی ہے، جسے خود رسول کریم ﷺ نے اپنے گستاخ کو واصل جہنم کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ قسمت کی بات ہے کہ زنگی ایک صاحب شوکت وحشمت حکمران تھے اور صوفی عبداللہ ایک فقیر اور درویش جو کپڑا بن کر اپنی گزران کرتے تھے۔ صوفی عبداللہ پیشے کے لحاظ سے ایک معمولی جولاہے تھے، مگر دنیائے صدق وصفا میں جس سکے کی مانگ ہے، اس سے صوفی عبداللہ کا دامن بھی یقیناً اتنا ہی مالا مال تھا، جتنا صدیوں پہلے بادشاہ وقت نورالدین زنگی کا۔ چنانچہ حضور رسالت مآب ﷺ کی ایک ہی نظر التفات نے ایک فقیر بے نوا کو شاہِ وقت کے برابر لا کھڑا کیا، جس طرح خواب میں سلطان نورالدین زنگی کو اشارہ فرمایا گیا تھا۔

زنگی! دیکھو دو کتے سُرنگ کھود کر میری قبر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جلد مدینے پہنچو اور ان کتوں کی خبر لو۔ صدیوں بعد تقریباً ایسے ہی کام کے لئے پورے برصغیر کے مسلمانوں میں سے ایک فقیر بے نوا کو چُنا گیا اور خواب میں اسے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے فرمان عطا کیا گیا کہ عبداللہ جاؤ، فلاں گاؤں پہنچو اور میرے شاتم کی خبر لو۔

صوفی عبداللہ نے ایک رات خواب میں دیکھا، حضور پُرنور ﷺ تشریف لائے

اور فرمایا عبداللہ یہ مرتد مجھے دکھ پہنچا رہا ہے۔ اس کی زبان بند کر دو۔ اتنا فرما کر حضور تشریف لے گئے۔ صوفی عبداللہ کی آنکھ کھل گئی، جسوقت اسے باعث صد افتخار مہم کے لئے دربار رسالت سے حکم ملا تو عمر تیس بتیس سے متجاوز نہ تھی۔ اس واقعے کی تفصیل پروفیسر افضل حسن نے یوں نقل کی ہے:

غازی صوفی عبداللہ کا تعلق جولاہا قوم سے تھا۔ وہ موضع پٹی تحصیل و ضلع قصور کا رہنے والا تھا۔ چک نمبر ۲۴ تھانہ خانقاہ ڈوگراں تحصیل و ضلع شیخوپورہ میں اس کا پیر خانہ تھا۔ مذکورہ چک کی ملحقہ آبادی چک نمبر ۲۴ چھوٹی میں ایک بدبخت نور محمد کاہلوں رہتا تھا، جو قریب کے ایک گاؤں ہرنالہ کی ایک عورت کے دامِ فریب میں پھنس کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا تھا۔ مذکورہ عورت سے شادی کرنے کی خاطر مرتد ہو کر اس نے سکھ مذہب اختیار کر لیا اور چلچل سنگھ نام رکھ لیا۔ چلچل سنگھ نے حق کو کیا چھوڑا، اس کے اندر بھری ہوئی خباثتیں باہر امڈ آئیں۔ سکھوں کے اکسانے پر وہ جگہ جگہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی کرنے لگا۔ گاؤں کی تقریباً ساری آبادی سکھوں پر مشتمل تھی جو بے حد مالدار، ثروت مند، خوشحال اور حکومت میں اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ادھر مسلمانوں کے صرف چند گھر آباد تھے، وہ بھی ضعیف و نادار اور نہایت کمزوری و غریبی کی حالت میں تھے اور سکھوں کا مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

جب صوفی عبداللہ کو خواب میں حضور ﷺ کا حکم ملا تو وہ اٹھا اور کسی کو بتائے بغیر مرتد و مردود سکھ کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبداللہ بادۂ عشقِ رسول سے سرشار حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں چلا جا رہا تھا۔ اسے نہ سکھوں کی کثرت اور طاقت کی پروا تھی اور نہ اپنی بے چارگی و کم مائیگی کا احساس و خیال۔ بس ایک ہی دھن اس کے سر پر سوار تھی کہ وہ کسی طریقے سے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان بجا لائے اور آخرت میں سرخرو ہو جائے۔

صوفی عبداللہ اسی دھن میں کھویا ہوا سکھوں کے اس گاؤں میں جا پہنچا۔ صبح کا وقت تھا۔ چلچل سنگھ کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ گاؤں سے باہر کنویں پر ہے، صوفی عبداللہ نے کنویں کا رخ کر لیا۔ چلچل سنگھ کنویں پر بیٹھا تھا، بہت سے سکھ قریبی کھیتوں

میں ہل چلا رہے تھے۔ غازی عبداللہ نے ان کے پاس جا کر پوچھا مجھے چلچل سنگھ سے ملنا ہے۔ ادھیڑ عمر کے ایک سکھ نے اشارہ سے بتایا، وہ سامنے بیٹھا ہے۔ پس عبداللہ بجلی کی سی تندی و تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اسے دبوچ لیا۔ اس سے پہلے کہ چلچل سنگھ اس ناگہانی افتاد سے سنبھلتا، صوفی عبداللہ نے اسے لٹا کر چھری اس کی گردن پر پھیر دی۔

چلچل سنگھ خاصا ہٹا کٹا اور موٹا تازہ تھا، لیکن ادھر عشقِ نبیؐ کی قوت کارفرما تھی۔ لہٰذا اس کی مضبوط گردن دیکھتے ہی دیکھتے کٹ گئی۔ غازی عبداللہ نے چھری زمین پر رکھ دی اور خود بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر بجالایا، جس نے اسے اپنے حبیب و محبوب ﷺ کا حکم ماننے کی توفیق بخشی، پھر اٹھ کر بھاگ نہیں نکلا، بلکہ بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔

جبکہ ایم اے حکیم ایڈوکیٹ نے اس واقعہ میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ جب عبداللہ نے چلچل سنگھ کو جہنم رسید کیا، تو اس کی چہیتی بیوی (جس کے عشق میں اس نے سکھ مذہب قبول کیا تھا) بھی کام کر رہی تھی، عبداللہ نے اسے بھی للکارا تو وہ بھاگ نکلی، مگر عبداللہ نے اسے کچھ فاصلے پر جالیا اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے چلچل سنگھ کے قریب لا کر ذبح کر دیا۔

ایک عجیب عالم تھا۔ بدباطن چلچل سنگھ کی گردن کٹی پڑی تھی اور وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ قاتل چند قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا، مگر کسی سکھ کو اس کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔ کچھ سکھوں نے بھاگم بھاگ اس سانحہ کی اطلاع پولیس کو دی۔ پولیس آئی تو اس وقت بھی غازی عبداللہ بے حد اطمینان سے چلچل سنگھ کی لاش کے قریب بیٹھا ہوا تھا، جیسے پولیس کے انتظار میں ہو۔ پولیس کے سپاہی یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہو گئے۔ حیران ہو کر سکھوں سے پوچھا، یہ اکیلا آدمی تھا اور تم ڈھیر سارے۔ تعجب یہ کہ چلچل سنگھ کو تم پھر بھی قتل ہونے سے نہ بچا سکے۔ بلکہ اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہ کر سکے۔ اس پر ان کا جواب اور بھی حیران کن تھا۔ وہ کہنے لگے یہ اکیلا کہاں تھا، اس کے ساتھ تو مسلح جم غفیر تھا، جس کی وجہ سے ہمیں نہ قتل سے پہلے اس کی طرف بڑھنے کی جرأت ہوئی، نہ قتل کے بعد اس کے قریب بھٹکنے کی ہمت پڑی۔ جب غازی عبداللہ سے پولیس افسر نے دریافت کیا " کیا واقعی تمہارے ساتھ کوئی مسلح گروہ تھا، تو اس نے

نفی میں جواب دیا، پھر ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی"۔

غازی عبداللہ کو قتل عمد کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا اور عدالتی کاروائی کی گئی۔ غازی و مجاہد کی طرف سے مقدمے کی پیروی شیخوپورہ کے معروف وکیل ملک انور مرحوم نے کی۔ غازی علم الدین اور غازی عبدالقیوم کی طرح عبداللہ سے بھی کہا گیا کہ اقبالِ جرم سے انکار کردو، تو سزا سے بچ سکتے ہو، مگر عبداللہ کا جواب وہی تھا جو پہلے دو غازیوں اور شہیدوں کا تھا کہ اس طرح تم لوگ مجھے بارگاہِ رسالت ونبوت میں حاضری سے محروم کرنا چاہتے ہو، جو مجھے ہرگز منظور نہیں اور پھر یہ کہ اس جرم سے کیسے انکار کروں، جس پر مجھے فخر وناز ہے اور جو میری مغفرت وبخشش کے لئے میری زندگی کا سب سے بڑا نیک عمل ہے۔ چنانچہ غازی عبداللہ کے نصیبوں میں چونکہ شہادت اور دربارِ رسالت میں فوری حاضری لکھی تھی، اس لئے فیصلہ سنایا تو غازی کا چہرہ بشاشت سے چمک اٹھا اور جب اسے پھانسی کے تختے کی جانب لے کر گئے تو وہ زبان حال سے کہہ رہا تھا......

جان دی، دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(شہیدانِ ناموس رسالت ص ۱۱۴ تا ۱۲۰)

غازی مرید حسین شہیدؒ

غازی مرید حسین موضع بھلہ کریانہ (چکوال) کے رہنے والے تھے۔ پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ ان کے دل میں سرورِ کونین ﷺ کی بے پناہ محبت موجزن تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک رات خواب میں انہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور پاک ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس مرید کو ایک گستاخ زمانہ کافر کا حلیہ دکھایا، جسے انہوں نے اپنی ڈائری میں اچھی طرح نوٹ کرلیا۔ اس واقعہ کے بعد ان کے دل میں زبردست انقلاب آگیا اور وہ ماہی بے آب کی طرح بے تاب رہنے لگے۔

آخر کار قدرت نے اس عاشق صادق کو امتحان کا موقع فراہم کردیا۔ ایک دن

زمیندار اخبار میں ایک خبر "پلول کا گدھا" کے عنوان سے شائع ہوئی کہ ہندوستان کے ایک قصبہ پلول ضلع گوڑگانواں کے ایک ہندو رام گوپال نے جو شفاخانہ حیوانات میں ڈاکٹر ہے ہسپتال کے ایک گدھے کا نام محسن انسانیت ﷺ کے اسم گرامی پر رکھا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس بدذات کی اس شرمناک جسارت کی خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور مسلمانوں نے آگ بگولہ ہو کر صدائے احتجاج بلند کی، جب فسادِ امن کا خطرہ بڑھا تو ار ڈاکٹر کا تبادلہ وہاں ضلع حصار کے قصبہ نارنوند میں کر دیا گیا۔

غازی مرید حسین نے اصرار کر کے ماں سے اجازت لی کہ وہ ایک اہم کام پر جا رہے ہیں۔ بھیرہ پہنچ کر بھائی کو خط لکھا کہ میں ایک ضروری کام پر جا رہا ہوں، اس لئے سب کچھ اللہ اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ بھیرہ ہی سے ایک دو دھارا خنجر خریدا اور چاچڑ شریف میں اپنے مرشد کے ہاں گئے۔ عرض مدعا کیا، راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ رخصت کے وقت پیر نے مرید کو گلے لگایا اور اس کے دل بسمل کی دھڑکنوں کو سنا اور دعا کے طور پر کہا، بسلامت روی و باز آئی۔

غازی مرید حسین واپس گھر پہنچے، وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ اس مقام پر کھڑے تھے، جہاں ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سینکڑوں کنال زمین، لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں اور دوسری طرف عشقِ رسول ﷺ کا امتحان تھا۔ عقل سوچتی رہ گئی، مگر عشق نے امتحان کے حق میں فیصلہ دے دیا......

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

غازی سیدھے چکوال گئے اور ڈاکخانہ سے اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے اور کسی کو بتائے بغیر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔ چکوال سے آپ پہلے لاہور پہنچے پھر سیدھے دہلی چلے گئے، وہاں سے حصار گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال پشاور چلا گیا ہے۔ آپ پھرتے پھراتے واپس پشاور پہنچ گئے، لیکن ڈاکٹر پشاور سے

نارنوند جاچکا تھا۔ آپ اس کے تعاقب میں ۱۶/اگست ۱۹۳۶ء کو دوبارہ حصار پہنچ گئے۔ پوچھتے پوچھتے آپ اس ہسپتال جا پہنچے، جہاں وہ گستاخ زمانہ رام گوپال متعین تھا۔ اسے غور سے دیکھا اور مخبر صادق ﷺ کے بتائے ہوئے حلیے کو ڈائری میں دیکھا، اسے ہو بہو درست پا کر دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی۔ حالات کا جائزہ لیا، پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔ ایک مسافر کی حیثیت سے نمازِ ظہر ادا کی اور دعا مانگی۔

اے میرے اللہ تیرے اس نحیف و نزار اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سینکڑوں میل دور کافروں کی بستی نارنوند میں تیرے محبوب ﷺ کی محبت جس مقصد کے لئے کھینچ لائی ہے، اس میں کامیابی و کامرانی عطا فرما۔ اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ ہسپتال سے ملحق تھی، صحن میں قدم رکھا، تو سامنے درختوں کے گھنے سائے میں وہ ملعون سو رہا تھا، جس نے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔

قریب ہی دوسری چارپائی پر اس کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے، ہسپتال کا عملہ سب کا سب ہندو تھا اور وہ بھی زیادہ دور نہ تھا۔

مرید حسین نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے خوف و خطر نعرہ لگایا، اللہ اکبر، پھر اس ملعون ڈاکٹر کو مخاطب کر کے پکارا او گستاخِ زمانہ کافر اٹھ، آج محمد ﷺ کا پروانہ آ ہی گیا ہے۔ بیوی نے بھی شوہر سے کہا، رام گوپال، اٹھ کوئی مُسلہ آ گیا ہے۔ رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنبھالتا اٹھا، بیوی اور نوکر چاکر مرید حسین کو پکڑنے کے لئے لپکے، مگر انہوں نے آن کی آن میں خنجر موذی کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ دھڑام سے ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔ غازی مرید حسین نے خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگا کر تیرنے لگا۔

پولیس کی جمعیت نے تالاب کو گھیرے میں لے لیا۔ غازی مرید حسین نے پوچھا تم میں کوئی مسلمان ہے؟ اتفاق سے مقامی تھانیدار مسٹر احمد شاہ کیوٹ تھا۔ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ مرید حسین تالاب سے باہر آئے اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا، میرا نام عاشقِ رسول ﷺ ہے۔ میں نے ہی ڈاکو کو قتل کیا ہے، جس نے کروڑوں

مسلمانوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال کران کا امن وسکون لوٹ لیا تھا۔

مقدمے کی پیروی کے لئے غازی مرید حسین کے بھائی لاہور سے حصار کے ایک مشہور وکیل بیرسٹر جلال الدین قریشی کے نام زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان کا ایک خط لے کر گئے تھے۔اس کے ذکر پر غازی نے کہا۔ مجھے وکیل کی ضرورت نہیں میرا وکیل تو اللہ تعالیٰ ہے۔

قریشی صاحب سے وکالت کی گفتگو ہورہی تھی، جو غالباً اپنی انتخابی مصروفیات کی وجہ سے مقدمہ کی پیروی کے لئے تیار نہ تھے۔اتنے میں ایک بزرگ صورت مولوی صاحب تشریف لائے۔قریشی صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا،مولانا یہ چکوال سے آئے ہیں اور''بدقسمت''ملزم کے لواحقین ہیں،جس نے ڈاکٹر رام گوپال کو نارنوند میں قتل کردیا ہے۔یہ سن کر مولوی صاحب سخت جلال میں آگئے اور کہا،جلال الدین صاحب بدقسمت آپ ہیں، بدقسمت میں ہوں، بدقسمت ہمارا سارا علاقہ ہے،بدقسمت ہندوستان کے کروڑوں مسلمان ہیں،جن کی موجودگی میں گستاخ زمانہ رام گوپال دندناتا پھرتا رہا۔ بدقسمت اور بے غیرت تو ہم ہیں۔ان کی خوش قسمتی میں کسے کلام ہوسکتا ہے،جن کے نامور فرزند نے یہاں سے سینکڑوں میل دور علاقہ چکوال سے آکر ناموس رسالت کی حفاظت کا حق ادا کردیا ہے۔کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ حبیب کبریا حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے؟

مولوی صاحب کی اس سرزنش کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریشی صاحب نے بلا معاوضہ مقدمے کی پیروی کا ذمہ لے لیا۔حصار کی ضلع کچہری میں مقدمے کی سماعت ایک مجسٹریٹ پنڈت لکشمی دت کے ہاں شروع ہوئی،لیکن ابتدائی سماعت کے بعد اس نے جلد ہی مقدمہ سیشن کے سپرد کردیا۔تین دن کی سماعت کے بعد چوتھے دن فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا،میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں۔لیکن ایک درخواست کے نتیجے میں دوبارہ سماعت کی گئی،مگر سزائے موت برقرار رہی۔اس پر ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کی گئی۔ اس نے بھی اپیل خارج کر کے سزائے موت بحال رکھی۔

آخری ملاقات پر ماں نے بیٹے سے کہا کہ پھانسی کا پھندا وہ خود اپنے گلے میں ڈالے، کوئی بھنگی وغیرہ نہ ڈالے۔ غازی صاحب نے کہا ماں جی ٹھیک ہے۔ آخر خدا خدا کر کے ۲۴ ستمبر ۱۹۳۷ء بمطابق ۱۸ رجب ۱۳۵۶ھ جمعۃ المبارک کی وہ صبح آ پہنچی، جس کا غازی مرید حسین بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ جیل سے باہر عاشق رسول ﷺ کے عاشقوں کا ایک جم غفیر جمع تھا اور جیل کے اندر پروانہ رسالت شمع رسالت پر جل مرنے کو بے تاب۔

جب شہادت کا وقت آیا تو آپ درود شریف پڑھ رہے تھے۔ ڈپوٹی مجسٹریٹ نے کہا آپ زبان کو حرکت نہ دیں، انہوں نے کہا میں اپنا کام کر رہا ہوں، آپ اپنا کام کریں۔ چنانچہ غازی صاحب درود و سلام پڑھتے ہوئے دیکھتے ہی دیکھتے جام شہادت نوش کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے......

الٰہی پہ کیفی لب محمد نام ہو
جب طائر جان گلشن ہستی سے رواں ہو

آخر کار بعد نماز جمعہ آپ بھلا شریف کے نزدیک "غازی محل" میں سپرد خاک کر دیا گیا۔
(شہیدان ناموس رسالت: مرتبہ: محمد متین خالد)

شورش کاشمیری اپنی کتاب دیوار زنداں میں لکھتے ہیں:

قصبہ پلول میں ایک ہندو سرکاری سرجن تھا، جس نے اپنے گدھے کا نام (خاکم بدہن) حضور کے نام پر رکھا۔ ایک مسلمان نوجوان نے اسے قتل کر ڈالا۔ عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا، جو آخر تک بحال رہا۔ اس کے پھانسی پانے سے ایک دن قبل میں اسے ملا۔ وہ چھریرے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ بڑا مطمئن، مطلقاً پشیمان یا ہراساں نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو رہا ہوں چنانچہ بڑی جواں مردی کے ساتھ دار کے تختہ پر گیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ جان دے دی۔ مسلمانوں کو رسول اللہ (فداہ ابی اُمی) سے جو عشق ہے، وہ شاید کسی پیرو مذہب کو اپنے ہادی یا مذہب سے ہو"۔ (پس دیوار زنداں: ص ۱۴۷)

غازی میاں محمد شہیدؒ

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی لکھتے ہیں، ضلع چکوال کی سرزمین اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت ہے کہ اس نے دو عظیم جان نثارانِ رسول ﷺ پیدا کئے۔ پہلا عاشق رسول غازی مرید حسین شہیدؒ ہے اور دوسرا فدائی غازی میاں محمد شہیدؒ ہے۔ جس نے چرن داس نامی ایک مردود ڈوگرے سپاہی کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

غازی میاں ۱۹۱۵ء کو تلہ گنگ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی صوبیدار غلام محمد تھا۔ اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ میاں محمد پانچ سال کے تھے، جب انہیں پرائمری سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ پرائمری کے بعد ہائی سکول میں داخل ہوئے لیکن ساتویں جماعت تک پڑھنے کے بعد ان کا جی تعلیم سے اچاٹ ہو گیا۔ ۱۵ سال کے ہوئے تو ڈرائیوری سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازم ہو گئے اور تلہ گنگ سے میانوالی جانے والی ایک بس چلانے لگے۔ لیکن بعد میں جلد اس سے بھی دل بھر گیا۔ ۱۹۳۱ء میں کوئٹہ چلے گئے اور ایک ٹھیکیدار کے ساتھ بطورِ منشی کام کرنے لگے۔ یہ کام بھی پسند نہ آیا تو ۱۹۳۲ء میں گاؤں واپس آ گئے اور ۱۹۳۳ء میں انڈین نیوی میں بھرتی ہو گئے۔ بعد ازاں انڈین آرمی کو چھوڑ کر ۱۹۳۵ء میں بلوچ رجمنٹ میں بطورِ سپاہی بھرتی ہوئے اور ابتدائی ٹریننگ کراچی میں مکمل کرنے کے بعد اسی سال اکتوبر میں مدارس چھاؤنی بھیج دیے گئے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں قدرت نے ان سے غیر معمولی کام لینا تھا۔

۱۶ مئی ۱۹۳۷ء کی شب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ مدارس چھاؤنی میں ڈیوٹی سے فارغ فوجی سپاہی مختلف گروپوں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ انہی میں ایک طرف چند مسلمان نعت رسول کریم ﷺ سننے میں محو تھے، جو شخص نعت سنا رہا تھا، وہ اتفاق سے ہندو تھا۔ وہ ہندو بڑی خوش الحانی اور عقیدت مندی کے ساتھ نعت سرا تھا۔ ایک ہندو ڈوگرے سپاہی نے جب ایک ہندو کو اس طرح عقیدت مندی کے ساتھ نعت پڑھتے سنا تو وہ مارے تعصب کے جل کر کباب ہو گیا۔ اس نے باآواز بلند آنحضور ﷺ کی شان میں گستاخی

کرتے ہوئے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہو کر کہا محمد ﷺ......کو......ذکر نہ کرو کسی اور کا ذکر کرو، تو کیا ہندو ہے، تو تو ہندو دھرم کا مجرم ہے۔

غازی میاں محمد اپنے آقا کی شان میں یہ گستاخی سن کر تڑپ اٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہا، تو یہاں سے چلا جا، خبردار آئندہ ایسی بکواس نہ کرنا۔ یہ سن کر ڈوگر سپاہی بولا، میں تو بار بار ایسا ہی کہوں گا، تم سے جو ہو سکتا ہے، کرلو، یہ بے ہودہ جواب سن کر میاں محمد کا خون کھول اٹھا، انہوں نے بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا، آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرأت نہ کرنا، ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد ذلت ناک موت سے دوچار کردے گی۔ بدقسمت ڈوگرے سپاہی نے پھر ویسا ہی تکلیف دہ جواب دیا اور کہا، مجھے ایسی گستاخی سے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں، یہ سن کر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے یہ بھی ہندو تھا۔ آپ نے اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا چرن داس (ہندو ڈوگرہ) نے برسرِ عام معافی نہ مانگی تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہو جاتا ہے۔ ہندو حوالدار نے اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، صرف یہی کہا کہ میں چرن داس کو سمجھا دوں گا۔

میاں محمد حوالدار کی یہ سرد مہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں پہنچے۔ وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے نمازِ عشاء ادا کی اور پھر سجدے میں جا کر گڑگڑاتے ہوئے دعا کی۔ میرے اللہ! میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ تیرے محبوب کی شان میں گستاخی کرنے والے کا کام تمام کردوں۔ یا اللہ! مجھے حوصلہ عطا فرما، ثابت قدم رکھ، مجھے اپنے محبوب کے عاشقوں میں شامل کرلے۔ میری قربانی منظور فرمالے۔

نماز سے فارغ ہو کر میاں محمد گارڈ روم میں گئے۔ اپنی رائفل نکالی، میگزین لوڈ کیا اور باہر نکلتے ہی چرن داس کو للکار کر کہا، کم بخت اب بتا نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے پر میں باز پُرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں، یہ سن کر شاتم رسول چرن داس نے بھی جو بندوق اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھالی اور رائفل کا رخ میاں محمد کی طرف موڑا۔ لیکن اگلے ہی لمحے ناموس رسالت کے شیدائی کی گولی چرن داس کو ڈھیر کر چکی تھی۔ رائفل

کی دس گولیاں اس کے جسم سے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کئے۔ سنگین سے وار کرتے ہوئے وہ کہتے جاتے تھے۔ اس ناپاک منہ سے تو نے پیارے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی۔

جب غازی کو مردود چرن داس کے جہنم واصل ہونے کا یقین ہو گیا، تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بگلر سے کہا کہ وہ مسلسل بگل بجائے۔ جب سب پلٹن جمع ہو گئی تو غازی نے کمانڈنگ افسر سے کہا کسی مسلمان افسر کو بھیجو کہ میں رائفل پھینک کر خود کو گرفتاری کے لئے پیش کروں۔ آپ کی گرفتاری کے لئے آپ ہی کے علاقے کے ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا۔ گرفتاری کے بعد انگریز کے کمانڈنگ افسر نے غازی موصوف سے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا، چرن داس نے ہمارے رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی۔ میں نے اس کو روکا، لیکن وہ باز نہ آیا۔ میں نے اس کو ہلاک دیا۔ اب آپ قانونی تقاضے پورے کریں۔

اگلے روز ۱۷ ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو تفتیش کے لئے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ ابھی آپ دس دن پولیس کی حراست میں رہے تھے کہ کمانڈر انچیف (جی ایچ کیو دہلی) کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔ فوجی حکام چاہتے تھے کہ غازی صاحب کو ذہنی مریض قرار دے کر سزا دی جائے تا کہ کیس کو مذہبی رنگ نہ ملے اور ہندو بھی خوش ہو جائیں۔ اس مقصد کے تحت غازی صاحب کو گورنمنٹ مینٹل ہسپتال مدارس میں داخل کر دیا گیا۔

ایک ماہ بعد ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ میں نے پورا مہینہ محمد کو اپنی خصوصی نگرانی میں رکھا ہے۔ نفسیاتی جائزہ بھی لیا ہے، کئی بار چھپ کر معائنہ بھی کیا ہے، لیکن اس عرصہ میں ایک بار بھی میں نے انہیں فکر مند یا کسی سوچ میں گم نہیں پایا۔ ایک ماہ میں ان کا وزن بھی بڑھ گیا ہے، اگر ان کو یہ فکر ہوتی کہ قتل کے مقدمہ میں میرا کیا حشر ہوگا، تو اس کا وزن کم ہو جاتا، یہ کسی غم و فکر میں مبتلا نہیں۔ میرا میڈیکل تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ میاں محمد نے قتل کا ارتکاب مذہبی جذبات مشتعل ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

۱۶/اگست کو غازی صاحب کا جنرل کورٹ مارشل شروع ہوا۔پانچ دن کاروئی ہوتی رہی۔کل اٹھارہ گواہوں کے بیانات ہوئے۔تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی۔لیکن غازی صاحب اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے،اور کہا میں نے جو کچھ کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے، یہی میرا فرض تھا۔چرن داس نے میرے آقا و مولیٰ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی۔کورٹ مارشل کے دوران غازی صاحب کے وکیل نے رائے دی کہ وہ یہ بیان دے دیں کہ گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی، کیونکہ چرن داس مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا،لیکن غازی نے سختی سے اس بیان کو مسترد کر دیا،اور کہا میری ایک جان تو کیا!ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو سرکار دو عالم ﷺ کی حرمت پر نچھاور کر دوں......

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضورؐ پر
میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ

۲۴/ستمبر ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا،جس کا جواب غازی نے مسکرا کر دیا......

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

۱۵/اکتوبر کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی، جو مسترد ہوگئی،اپلیں مسترد ہو جانے کے بعد فوجی حکام نے ۱۲/اپریل ۱۹۳۸ء کو سزا پر عمل درآمد کا فیصلہ کیا۔پھانسی کے انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے ۱۰/۳ بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر کراچی سے مدارس پہنچا۔اس نے غازی صاحب سے پوچھا،کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ،فرمایا ساقی کوثر کے ہاتھوں سے جام پی کر سیراب ہونا چاہتا ہوں۔

جن لوگوں نے آخری وقت آپ کی زیارت کی،ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور اور تازگی پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی تھی۔والدہ اپنے تیس سالہ جوان سال بیٹے کا دیوانہ وار کبھی سر چومتیں کبھی منہ،والد نے بہ ہزار مشکل اپنے آپ کو سنبھالے رکھا،اسی رات ۱۱/اپریل کو انہیں مدارس جیل لے جایا گیا۔رات بھر آپ عبادت میں مشغول رہے۔تہجد کے

بعد غسل فرمایا، سفید لباس زیب تن کیا۔ نماز فجر ادا کی، پھر آپ کو تختہ دار کی طرف لے جایا گیا۔ تختہ دار پر کھڑے ہوتے ہی آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔

سرکار میں حاضر ہوں۔ پھانسی کا پھندہ آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تختۂ دار کھینچ دیا گیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ پر برستا ہوا نور کچھ اور افزوں ہو گیا، فضا کی عطر بیزی کچھ اور بڑھ گئی۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے کہا، بے قرار روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔ اگلے ہی لمحے ساقی کوثر کا دیوانہ حوض کوثر کے کنارے اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔

پھانسی کی سزا ملنے سے قبل جب غازی جیل میں تھے۔ عید کا موقع آیا تو غازی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ عید کی نماز عید گاہ میں مسلمانوں کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں، بڑی مشکل سے اجازت ملی۔ جب غازی عید گاہ پہنچے تو تمام مسلمان کھڑے ہو گئے۔ غازی صاحب نے مسلمانوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، پیارے بھائیو! اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، میں پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے شانِ رسول پر ناروا حملہ کرنے والے ایک مردود کو قرار واقعی سزا ملی ہے۔ تاجدار مدینہ کی شان میں ذرا سی توہین بھی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ آئندہ بھی کسی گستاخ نے یہ حرکت کی تو ناموس رسالت پر فدا ہونے کے لئے ہزاروں جانثار مقتل کی طرف بڑھیں گے۔ تمام بھائی دعا کریں کہ اللہ کریم راضی ہو اور بارگاہ رسالت میں مجھ ناچیز کی جان جیسی حقیر قربانی قبول ہو جائے۔

دو دوستوں کی داستان عشق و محبتِ رسول ﷺ

ایک دفعہ کلکتہ سے ایک کتاب شائع ہوئی، جس میں محبوب رب کائنات ﷺ کا کارٹون بنا کر چھاپ دیا گیا۔ پشاور کے ایک نوجوان امیر احمد نے یہ کارٹون دیکھا، تو غم سے نڈھال ہو گیا۔ ضیا جالوی نے اس واقعے کو بڑے دلنشین انداز میں یوں قلم بند کیا ہے۔

موصوف رقم طراز ہیں:

"ایک عجیب تصویر اس کی آنکھوں سے گزری۔ ایک غیر متوقع منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ جس پیکر نور کو وہ مصور فطرت کا سب سے حسین شاہکار سمجھتا تھا۔ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر مرتسم ہے۔ گویا سمندر کوزے میں بند ہے اور بشریت کاغذ پر اتر آئی ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جس جسم لطیف کا سایہ تک نہ تھا، اس کی تصویر کاغذ پر کیسے اتر سکتی ہے۔ پھر اس نے وہ سطریں پڑھیں، جو بطور تعارف قلم بند ہوئی تھیں، وہ الفاظ پڑھے جو بطور القاب استعمال کئے گئے تھے اور وہ دلخراش فقرہ پڑھا، جس کو زیب عنوان بنایا گیا تھا اور جس سے صاحب تصویر کی جلالت امی کا پتہ چلتا تھا اور اب اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ کسی گستاخ نے اس کے محبوب ﷺ کا کارٹون بنایا ہے۔

وہ محبوب جو کائنات کی عظیم و جلیل شخصیت ہے، جو دنیا کا نجات دہندہ بھی ہے اور فرمان روائے گیتی بھی، جس نے انسانیت کی سب سے زیادہ خدمت کی اور جو دنیا والوں کو جینے کا سب سے اچھا سلیقہ سکھا گیا، اس کی شان میں گستاخی کی گئی، اس کا مذاق اڑایا گیا تھا...... امیر احمد غم سے نڈھال ہو گیا، وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا، آج اس کے دل پر ایک چوٹ لگی تھی۔ اس کے قلب کو ایک صدمہ پہنچا تھا۔ اس کے دل کا سکون چھن گیا، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سلب ہو گئی۔ کتاب اس کے سامنے تھی۔ اس پر چھپی ہوئی تصویر اسے برابر دیکھے جا رہی تھی۔ وہ شدت درد سے چیخ اٹھا۔ گھاؤ گہرا تھا، اس لئے اس کی تکلیف بھی ناقابل برداشت تھی۔ اس کی روح زخم کی اس ناقابل برداشت اذیت سے بلبلا اٹھی۔ اس کے ہاتھ سے پیمانہ صبر چھوٹ گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ جلد سے جلد کلکتہ پہنچے گا، جہاں سے وہ رسوائے زمانہ کتاب شائع ہوئی تھی۔

تانگہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا اسٹیشن کو جا رہا تھا۔ اس کا دوست عبداللہ اس کے ساتھ ہی تانگے پر سوار تھا۔ امیر احمد اس سے کہہ رہا تھا۔ میں نے زندگی کے آخری سانس تک تم سے دوستی نبھانے کی قسم کھائی تھی۔ میں نے تمام عمر رفاقت کا وعدہ کیا تھا اور میں نے زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ دیا بھی، میں نے تم سے بے پناہ محبت کی اور میرا سارا پیار

تمہارے لئے وقف رہا، لیکن آج پہلی بار میں تمہارا ساتھ چھوڑ رہا ہوں، میں نے طے کر لیا ہے کہ اپنے آقا ﷺ پر صدقے ہو جاؤں، ان کی عزت وحرمت پر کٹ مروں اور ان کی بارگاہ ناز میں نقد جان بھی نذر کروں۔ میں کلکتہ اسی مقصد سے جا رہا ہوں۔ شوق شہادت ہی مجھے وہاں لے جا رہا ہے۔ میرے بعد تم میری بوڑھی ماں کا خیال رکھنا۔ اگر تم سے ہو سکے تو میرے یتیم بھائیوں اور بے سہارا بہنوں کی خبر گیری کرنا۔ یہ میری آخری گذارش ہے۔

جب امیر احمد اپنی گفتگو تمام کر چکا تو عبداللہ نے کہا، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں سٹیشن تک چھوڑنے جا رہا ہوں تو یہ تمہاری بھول ہے، میں زندگی کی آخری منزل تک تمہارے ساتھ ہوں، کلکتہ تم تنہا نہیں جا رہے ہو، تمہارا عبداللہ بھی تمہارا رفیقِ سفر ہے، اپنے آقا ﷺ پر قربان ہو جانے کی تمنا اکیلے تمہارے ہی دل میں نہیں مچل رہی، اس میں میں بھی تمہارا شریک کار ہوں، شہادت کی تڑپ میرے دل میں بھی ہے۔ میں بھی اپنے آقا پر قربان ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں، تمہارے آقا صرف تمہارے آقا نہیں ہیں وہ ہم سب کے آقا ہیں، ان کے بارِ احسانات سے صرف تمہاری ہی گردن خم نہیں ہے ہم سب ان کے منت کش کرم ہیں، ان کا جمال دلفروز ہماری آنکھوں کو بھی فروغ بخش رہا ہے اور ان تجلیوں سے ہمارا خانہ دل بھی معمور ہے، میدان حشر کی تیز دھوپ میں ان کے سایہ رحمت کی تلاش تنہا تمہی کو نہیں کرنی ہے، قبر کی منزل اور پل صراط کے سفر میں ان کے سہارے کی ہمیں بھی ضرورت ہے، ان کے دامنِ رحمت میں ہمیں بھی پناہ لینی ہے اور انہی کی کرم فرمائیوں پر ہماری نجات بھی منحصر ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو سعادت تم تنہا حاصل کرنا چاہ رہے ہو، میں اس سے محروم ہو جاؤں، میں تمہارے ساتھ کلکتہ جا رہا ہوں، ہم دونوں ایک ساتھ جام شہادت نوش کریں گے۔

زندگی میں بھی ہمارا تمہارا ساتھ رہا ہے، مرنے کے بعد ہم تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا تمہارا انجام بھی ایک ہو، قبر سے ہم دونوں ایک ساتھ اٹھیں، ساتھ ہی جنت کو چلیں اور ہم دونوں کے آقا ﷺ ہم دونوں کی قربانیوں کو قبول فرمالیں اور ایک ساتھ ہی ہم دونوں کو اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے دیں۔

ابھی عبداللہ کی بات پوری نہیں ہو پائی تھی کہ امیر احمد نے اسے ٹوک دیا۔ تم بھی چلے جاؤ گے، تو ہم دونوں کی بوڑھی ماؤں کا کیا ہوگا؟ کس کو ہماری بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہوگی؟ کون ہمارے بھائیوں کی دستگیری کرے گا؟

عبداللہ ایک مرتبہ پھر گرجا، تمہاری عقل ماری گئی ہے، تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ کارساز مطلق کوئی اور ہے، بھلا سوچو تو، جو خدا رحم مادر میں جنین کی پرورش کرتا ہے، وہ جوانوں کی تربیت سے کیسے غافل ہو جائے گا! پھر جان دینے والوں کو یہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے بعد دنیا کا کیا حال ہوگا؟ جان دینے والے تو بس جان دینا ہی جانتے ہیں، ان کو اس سے کیا غرض کہ وہ اپنے پیچھے کتنے متعلقین چھوڑ رہے ہیں؟

کلکتہ دیکھنے کی آرزو دونوں کو ایک مدت سے تھی۔ آج ان کی ٹیکسی کلکتہ کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ یہ سٹیشن سے سیدھے لور چیت پور روڈ آئے اور موسیٰ سیٹھ کے مسافر خانہ میں قیام پذیر ہوئے۔ انہوں نے یہاں اپنا سامان اتار کر اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس محلّہ کی طرف چلے، جہاں سکون ان کا انتظار کر رہا تھا اور طمانیت قلب ان کے لئے چشم براہ تھی۔

کلکتہ میں انہوں نے کتاب کے مصنف سے ملاقات کی، جس نے ان کا سکون غارت کیا تھا اور عاشقوں کے جذبہ محبت کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کتاب کا ناشر ہی اس کا مصنف بھی تھا اور اس کے زیر اہتمام اس کی طباعت عمل میں آئی تھی۔ انہوں نے کتاب کے مصنف سے کہا کہ اپنی کتاب سے فلاں حصہ نکال دو۔ اس سے ہم مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ایک معذرت نامہ شائع کر دو، تاکہ جن لوگوں کی تم نے دل آزاری کی ہے، ان کی کچھ تسکین ہو جائے۔

کتاب کے ناشر نے کہا" کتاب میں ایک تصویر شائع ہو گئی تو کونسی قیامت آ گئی تمہارے رسول کے خلاف ایک آدھ جملہ لکھ دیا تو کیا ہو گیا، تم کہتے ہو میں نے غلطی کی ہے، لیکن میں غلطی ماننے کے لئے تیار ہی نہیں، میں نے جو کچھ لکھا ہے، ٹھیک لکھا ہے، اگر میری تحریر سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہے تو ہوا کرے، میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا کہ معافی نامہ شائع کروں۔ میں اپنی غلطی کا ڈھنڈورہ نہیں پیٹ سکتا۔ تم جا سکتے ہو، میری دکان سے نکل

جاؤ۔ میرا دماغ مت چاٹو۔

امیر احمد کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں، اس کا چہرہ گل نار ہو گیا، اس کی رگیں تن گئیں اور وہ بے قابو ہو گیا۔ غلطی اور اس پر اصرار؟ گستاخی اور وہ بھی آقا ﷺ کی شان میں؟ اس نے ایک جست کی، عبداللہ بھی اپنی جگہ سے اچھلا۔ دونوں اس نامراد پر ٹوٹ پڑے، پھر ایک بجلی تھی، چمک گئی، ایک خنجر تھا، جو کلیجہ میں اتر گیا۔ اب یہ دونوں سڑک پر کھڑی ٹریفک پولیس سے کہہ رہے تھے، میں نے خون کیا ہے، میں قاتل ہوں، مجھے گرفتار کر لو۔ پولیس خوف کے مارے بھاگ کھڑی ہوئی، پھر انہوں نے قریبی تھانے کو اطلاع دی اور دونوں گرفتار ہو گئے۔

عدالت میں دونوں کی پیشی ہوئی، تو ماہر قانون کی زد سے بچانے کے لئے اپنی خدمات مفت پیش کیں۔ روسائے شہر نے ان کے مقدمہ کی پیروی کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ بچوں نے کئی دنوں سے مٹھائی اور چاکلیٹ کے سارے پیسے بچا بچا کر آج ہی کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ خواتین نے اپنے کانوں کی بالیاں آج ہی کے لئے اتار رکھی تھیں، سارا نگر یہ چاہتا تھا کہ یہ دونوں عدالت کی نگاہ میں مجرم ثابت نہ ہوں، کسی طرح یہ قانون کی زد سے بچ جائیں۔ خود حاکم کو بھی ان دونوں کی معصومیت پر ترس آ رہا تھا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ خلاصی پا جائیں، لیکن دشواری یہ تھی یہ دونوں ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

شہادت کا شوق ان کے سروں میں سمایا ہوا تھا، وہ بزبان حال کہہ رہے تھے......

تیرے دماغ تیرے دل تیری رگ رگ میں
نبی کے عشق کا سودا نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ دونوں جلد از جلد پھانسی کے تختے کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ آقا پر قربان ہو جانے کی تڑپ انہیں بے چین کئے جا رہی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ کم از کم اپنی زبان سے اقبال جرم نہ کریں۔ صرف ایک بار کہہ دیں کہ انہوں نے خون نہیں کیا، لیکن دونوں یہی کہتے رہے میں نے خون کیا ہے، میں ہی قاتل ہوں، میں نے ہی اس گستاخ کو اس کی گستاخی کی سزا دی ہے۔

آخر فیصلے کا دن آ ہی گیا۔ قانون کی نظر میں دونوں مجرم ثابت ہوئے اور دونوں ہی کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔ آج شہر کی ساری آبادی علی پور جیل کے گرد سمٹ آئی

تھی۔ ہر کوئی اشکبار آنکھوں سے ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ چہرے جن پر تقدس برس رہا تھا، معصومیت قربان ہو رہی تھی۔ تقدس برستا رہا، معصومیت ٹوٹتی رہی اور لوگ ان کا آخری دیدار کرتے رہے۔ سارے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں، لیکن یہ
لوگ ان کا آخری دیدار کرتے رہے۔ سارے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں، لیکن یہ
دونوں کسی اور طرف دیکھ رہے تھے، ان کی نگاہیں بار بار ایک طرف اٹھ جاتی تھیں، دفعتاً ان کے چہروں پر اضطراب کی ایک کیفیت نمودار ہوئی اور ان کا چہرہ اتر گیا۔

ان دونوں کا آخری دیدار کرنے کے لئے ان دونوں کی مائیں بھی پشاور سے آ گئی تھیں اور اس وقت یہ دونوں بھی دیکھنے والوں کی صف میں کھڑی تھیں، جب انہوں نے ان دونوں کی اس حالت کا اندازہ کیا تو برس پڑیں۔ دمِ آخر چہروں پہ حزن وملال کے آثار کیوں؟ زندگی جب اتنی ہی پیاری تھی تو موت کو دعوت کیوں دی تھی؟ کیا اللہ والوں کا یہ وطیرہ ہے؟ شیدائیانِ رسول ﷺ کا ایسا ہی کردار ہوتا ہے؟ سرفروش اس طرح جان دیتے ہیں؟ خبردار جو چہرے پر غم کی کیفیت پیدا ہونے دی۔ یاد رکھو اگر تم نے ہنستے ہوئے جان نہیں دی، اگر دار و رسن کا پرتپاک خیر مقدم نہ کیا، اگر مسکراتے ہوئے جام شہادت نہیں نوش کر سکے تو ہم تمہیں اپنا دودھ کبھی نہیں بخشیں گی، تم کو آج خوش ہونا چاہئے کہ آج تم اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہو، جو کسی کا مقسوم نہیں!

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

امیر احمد اور عبداللہ ایک ساتھ بول اٹھے، چہروں پر جو اضطراب کی لکیر آپ کو نظر آ رہی ہے، وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم لوگ جان سے جا رہے ہیں، ہمارے چہروں پر غم کی گھٹا اس لئے نہیں چھائی کہ ہم تختہ دار پر چڑھنے ہی والے ہیں۔ ہماری پریشانیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ جامِ شہادت پیش کرنے میں یہ لوگ دیر کیوں کر رہے ہیں؟ ہماری نگاہیں اس وقت جو کچھ دیکھ رہی ہیں، اگر آپ دیکھ لیجئے، تو آپ بھی ہماری جگہ آنے کی کوشش کریں گی۔ آپ کے اطمینان کے لئے ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہماری منزل مل گئی ہے۔ ہمارے آقا کالی کملی اوڑھے ہمارے سامنے کھڑے اپنے ہاتھوں کے اشارے سے

ہمیں اپنے پاس بلا رہے ہیں۔

پھانسی کا پھندا آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ ہنستے ہوئے جان دے رہے تھے، انہوں نے جان دے ڈالی، وہ شہید ہو گئے۔ رحمت کی گھٹائیں ان پر برس پڑیں اور وہ ان میں سر سے پاؤں تک ڈوب گئے۔ جنت کے جانے والے! جنت کا سفر مبارک ہو، انکی سرمدی راحتیں مبارک ہوں، ابدی نعمتیں مبارک ہوں، ان شہیدان محبت کی آخری آرام گاہ کلکتہ کے گورا قبرستان میں ساتھ ساتھ ہیں۔

(شہیدان ناموس رسالت۔ص ۱۲۷ تا ۱۴۲)

تمنا ہے کہ جالی پر ترے روضے کی جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

میں نے اپنے آقا کا بدلہ لے لیا

مانسہرہ میں قیام پاکستان سے پہلے ہندو کاروبار پر چھائے ہوئے تھے۔ ایک آدھ دکان مسلمانوں کی تھی، اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی واقعہ برصغیر میں ظاہر ہوتا۔ ہندو رسالت مآب ﷺ کی گستاخی کرتے، گڑبڑ ہوتی، یہاں کشمیر روڈ پر بھی ایک سکھ تھا، جو انتہائی خودسر تھا۔ ۲۴ سال کا جوان تھا، اکثر مسلمانوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرتا رہتا تھا۔ غازی عبدالرحمن شہید نماز جمعہ پڑھنے کے لئے موضع صابر شاہ سے مانسہرہ آیا کرتا تھا۔ حسب معمول جب اپنے گھر سے چلا تو اس کا بھانجا سنگار خان اپنی زمین میں مال مویشی چرا رہا تھا، اس کو اپنے پاس بلایا اور سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹا میرے لئے دعا کرنا، خدا مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ سنگار خان کہنے لگا کہ میں چونکہ اس وقت چھوٹا سا تھا، میں نہ پوچھ سکا کہ آپ کا کیا مقصد ہے۔ جب غازی صاحب روانہ ہوئے تو میں نے کہا مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، وجہ یہی تھی غازی کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ جب غازی عبدالرحمن سکھ کی دکان پر گئے، ہاتھ میں چھوٹی سی کلہاڑی ہوا کرتی تھی، جو بہت خوبصورت تھی، اس کو خوب تیز کیا ہوا تھا، اس سکھ سے کوئی سودا طلب کیا

اور باتوں باتوں میں اس سکھ سے کہا کہ تمہارے بندے آئے دن زبان درازیاں کرتے ہیں، غازی نے سنا ہوا تھا کہ یہ بھی کچھ ایسی باتیں کرتا رہتا ہے۔

چنانچہ اس سکھ نے کہا ہمارے لوگ جو کچھ کرتے ہیں، میں بھی کروں گا، غازی صاحب نے کہا اگر تم ایسی بات کرو گے تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔ اسی تکرار میں اس نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کوئی بات کہہ دی، پس پھر کیا تھا غازی عبدالرحمٰن صاحب نے کلہاڑی سے اس سکھ پر لگاتار وار کیے، آگے وہ سکھ بھاگ رہا تھا، پیچھے پیچھے غازی عبدالرحمٰن دوڑ رہے تھے۔ وہ سکھ اپنی برادری کی دکانوں میں داخل ہوا جو سودا کی دکانیں کرتے تھے، جگت سکھ اس کا بھائی تھا، وہ مشینوں کے نیچے جا کر کہیں گھس گیا، چونکہ وہ شدید زخمی تھا۔ وہاں جا کر گر گیا اور آناً فاناً بھگدڑ مچ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سکھ تو مر گیا، غازی عبدالرحمٰن صاحب نے پورے بازار کا چکر لگایا۔ پولیس اس کے قریب بھی نہیں آئی اور نہ ہی غازی صاحب کو پولیس نے گرفتار کیا۔ اس وقت مانسہرہ کا اسسٹنٹ کمشنر عبدالرحیم خان صاحب تھا، جو یہاں ہری پور کا رہنے والا تھا۔ دو مقامی مسلمان بھائیوں زید اور احمد علی نے غازی صاحب کو پکڑ کر پولیس کے حوالہ کیا۔ غازی عبدالرحمٰن نہ ہی قتل کرنے کے بعد بھاگے اور نہ ہی کوئی حرکت کی، بالکل سکون سے رہے۔ اے سی رحیم خان نے ان دونوں کو ڈانٹ پلائی اور لعن طعن کیا کہ تم نے ایسے مجاہد پر کیوں ہاتھ ڈالا۔

قتل کے بعد غازی صاحب بازار ہی میں کہتے تھے کہ میں نے اپنے آقا و مولیٰ کی گستاخی کا بدلہ لے لیا۔ اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہے، میں تیاری کر کے آیا تھا کہ آج میں گھر واپس نہیں آؤں گا یا وہ سکھ گھر میں واپس نہیں جائے گا۔ پولیس نے غازی عبدالرحمٰن کا بیان تحریر کیا کہ میں نے بالکل ہوش و حواس میں یہ کام کیا ہے۔ کیونکہ اس نے میرے آقا کی توہین کی تھی، عدالت میں کیس چلا تو تین چار وکیل غازی کے دفاع میں پیش ہوئے انہوں نے کہا غازی صاحب آپ کہہ دیں کہ مجھے اشتعال میں کچھ ہوش و حواس نہ تھا۔

ہم آپ کو بچا لیں گے۔ غازی صاحب نے کہا میں اپنا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جب ماتحت عدالت نے غازی کو پھانسی کی سزا دی تو وکلاء نے کہا ہم ہائی کورٹ میں

اپیل کریں گے، غازی صاحب نے صاف کہہ دیا، میں اپیل نہیں کروں گا۔ چنانچہ غازی عبدالرحمٰن کو پھانسی دے دی گئی۔ جب پھانسی کے بعد اس پروانے کی میت صابر شاہ لائی گئی بھیڑ کنڈ سے صابر شاہ تک راستہ کے دونوں کناروں تک عوام کا جم غفیر تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ برصغیر کے تمام مسلمان آج مانسہرہ کی سرزمین میں جمع ہو گئے۔ نہایت تزک واحتشام سے غازی صاحب کو صابر شاہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آج وہ صابر شاہ کے پروانے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں، بقول شاعر

ہم نے دیکھی تھی ادا کل تیرے دیوانوں کی
دھجیاں کچھ لئے بیٹھے تھے گریبانوں کی

فوجگان سے اگر آپ بفہ آئیں تو ترنگڑی بالا ہائی سکول کے مقامی سڑک کے دائیں ہاتھ چھوٹی سی مسجد ہے، اور مسجد کے ساتھ ہی غازی عبدالرحمٰن کی قبر ہے، جو شکستہ حالت میں ہے۔ (بحوالہ ہفت روزہ ختم نبوت ۱۱ تا ۱۷/۱۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

حاجی مانک کا عشقِ رسول ﷺ

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ نے ایک دفعہ اپنے خطاب میں حاجی مانک کا ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا۔ ذیل میں اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

کرونڈی ضلع نواب شاہ تحصیل پڈعیدن سے پندرہ میل دور ایک بستی کا نام ہے، وہاں مرزائیوں نے چیلنج کیا کہ ہم مسلمانوں سے مناظرہ کریں گے۔ مولانا لال حسین اختر وہاں پہنچے۔ سندھ کے تمام بڑے علماء چیئرمین وہاں پہنچے۔ ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔ مولانا لال حسین اختر نے اپنی پہلی ٹرم میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں آج ثابت کروں گا کہ مرزا جھوٹا تھا، کذاب تھا، اس کا دعویٰ بھی جھوٹا تھا، الہام بھی جھوٹے تھے، وحی بھی جھوٹی تھی، پیش گوئیاں بھی جھوٹی تھیں، وہ بھی جھوٹا تھا، اس کی تمام کتابیں جھوٹی تھیں۔

جو مرزائی مقابلہ میں تھا اس کا نام عبدالحق تھا۔ اس بدبخت کو، اس لعین کو پتہ نہیں کیا خیال آیا۔ وہاں پر چونکہ اس کی زمین تھی، بہت سارے اس کے مزارع تھے۔ مرزائیوں

کی ایک بستی تھی، وہ بندوقوں کے ساتھ آیا تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا میں بھی ثابت کروں گا کہ محمد بھی ایسا تھا۔ (نعوذ باللہ)

اس نے کہا میں بھی ثابت کروں گا تمہارا نبی ایسا تھا، شور پڑ گیا۔ اس نے جو الفاظ کہے، مسلمان جذبات میں کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف بندوقیں تھیں، کچھ حالات ایسے تھے، پولیس بھی تھی، مناظرہ یہاں پر ختم ہوا کہ یہ جملہ ہم برداشت نہیں کریں گے۔ وہ معافی مانگے، یہ اس نے ہمارے سینے پر مونگ دلے ہیں۔ ہمیں اس نے چھری سے ذبح کر دیا ہے۔ مسلمان بے غیرت نہیں ہیں، یہ جملے اتنے سنگین ہیں کہ ہمیں موت آ جاتی۔ یہ جملے برداشت نہ کرنے پڑتے۔ مسلمان روتے ہوئے گئے، مانک کہتا ہے کہ میں اپنے گھر گیا۔ (یہ ہماری قوم کا شہر تھا۔ بلوچوں کی پانچ سولڑیاں ہیں۔ میں بھی بلوچ ہوں۔ بلوچوں میں جو سردار ہیں میری لڑی ان میں ہے جھنگ سے حضرت دین پوریؒ حج پر گئے۔ واپس آ کر دین پور میں ڈیرہ لگایا۔ اصل میں ہم بھی جھنگ کے ہیں۔ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ حضرت دین پوریؒ یہاں کے تھے۔ یہاں بلوچ تھے، یہاں سے جا کر دین پور کو آباد کیا۔ (دین پوری) حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں نے یہ بات سنی تو سر پکڑ لیا، میں روتا رہا۔ یہ بات ساری بستی میں پھیل گئی کہ عبدالحق نے اتنی گستاخی اور اتنی زبان درازی کی ہے، اتنی بے ادبی کی ہے، اتنی بکواس کی ہے، ہر آدمی کی زبان پر یہی بات تھی۔ حاجی مانک کہتا ہے کہ میں گھر آیا تو میرا گھر بدلا ہوا تھا۔ میری بچیاں رو رہی تھیں، میری بیوی کا رخ ایک طرف تھا میں نے پانی مانگا، بیوی نے نہ دیا۔ میں نے بیوی سے کہا پانی دو، وہ بات ہی نہ کرے۔

اندر سے کنڈی مار کر کہنے لگی، مانک تیری سفید داڑھی، اسی سال تو حج کر کے آیا ہے۔ گنبد خضریٰ پر تو روتا تھا، مجھے ساتھ لے گیا تھا۔ تو نے اپنے محبوب کریم کے متعلق یہ جملہ سنا، بے غیرت زندہ واپس آ گیا تو بھی محمد ﷺ کا امتی ہے؟ میں تیری بیوی نہیں ہوں، مجھے اجازت دے دے، میں میکے جا رہی ہوں۔ یہ بیٹیاں، تیری بیٹیاں نہیں ہیں، میں اس بے غیرت کو اپنا خاوند نہیں بناتی، میری بیٹیاں تجھے ابا نہیں کہیں گی۔ اتنی بڑی تو نے داڑھی رکھی ہے اور مصطفیٰ کے خلاف یہ سن کر تو زندہ لوٹ آیا۔ مر نہیں گیا۔ حاجی مانک کہتا ہے کہ اس

جملے نے میرے اندر محمدﷺ کی محبت کی سپرٹ بھردی۔ مجھے کرنٹ سالگا۔ حضورﷺ کی زندگی کا سارا نقشہ میرے سامنے آ گیا۔ آقاﷺ کی محبت نے جوش مارا میں پھر بے خود ہو گیا، میں نے کلہاڑی اٹھائی اور اس مرزائی عبدالحق کی طرف چل پڑا۔ (یہ واقعہ سنا کر آپ کا ایمان تازہ کر رہا ہوں۔ اس کی عمر پچاس برس تھی، چہرہ حسین سرخ، منہ پر نور ٹپکتا ہے، میں کروڑی کی طرف جب تقریر کے لئے جاتا ہوں، تو وہ صدارت کرتا ہے۔ میں اس کا ماتھا چومتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ بیسیوں دفعہ حضورﷺ کی زیارت ہو چکی ہے۔ (سبحان اللہ) (حضرت دین پوری)

کلہاڑی ہاتھ میں لے لی اور تو اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ پستول، ریوالور وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا۔ دل میں فیصلہ کر لیا کہ یا مصطفیٰ یا گستاخ، آج بھونکنے والا کتا زندہ رہے گا یا محمدﷺ کا عاشق جان دے دیگا، سیدھا گیا، عبدالحق پھر رہا تھا، اس کو خیال بھی نہ آیا کہ یہ بوڑھا مجھے کچھ کہے گا۔ پچاس سال حاجی مانک کی عمر تھی۔ سفید داڑھی تھی۔ کہتا ہے کہ میں ویسے تو بوڑھا تھا، مگر دل جوان تھا۔ خون میرا جوان تھا، رگوں میں جو خون تھا، وہ جوان تھا۔ میں نے عبدالحق کو قریب جا کر کہا او گستاخ او مرزائی کتے! او مرتد! آج تیرا آخری دن ہے تو بچ نہیں جائے گا، تکڑا ہو جا، محمد کا عاشق تیرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھی تو دوڑنے لگا۔ پاؤں میں ڈھیلا اٹکا تو منہ کے بل گرا۔ ڈھیلا نہیں اٹکا تھا، قدرت نے دھکا دیا تھا میں پاس گیا میں نے کلہاڑی کے وار کرنے شروع کر دئے میں نے اس کو جوتے سے سیدھا کیا۔ میں نے اس کے سینے پر کلہاڑیاں ماریں۔ میں زور سے وہاں کہتا رہا کہ اس سینے میں نبی کا کینہ ہے، پھر میں نے دماغ پر کلہاڑی ماری، میں نے کہا تیرا دماغ خراب تھا، پھر میں نے زبان سے پکڑ کر کلہاڑی سے کاٹا۔ میں نے کہا یہ بھونکتی تھی، پھر میں نے انگلی کو لکڑی پر رکھ کر کاٹا، میں نے کہا جب تو نے گستاخی کی تھی تو انگلی مدینے کی طرف اٹھائی، میں اس انگلی کو کاٹ دوں گا جو محمدﷺ کی گستاخی کرے گی۔

حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں حیدر آباد جیل گیا، تو حضورﷺ کی زیارت ہو گئی، آپﷺ نے کہا بیٹے گھبرا نہیں تو پھانسی کے تختے پر چڑھا تو تیری شہادت کی موت ہو گی۔

حاجی مانک کہتے ہیں کہ میں نے اس کو ختم کیا، میرے کپڑے اس کے خون سے

خون آلود ہو گئے۔ پلید خون سے مرتد کے خون سے نفرت آ رہی تھی، بدبو آ رہی تھی، میں سیدھا تھانے چلا گیا، قریب تھانہ تھا۔ تھانیدار نے مجھے دیکھا کہ میرے سر پر پگڑی نہیں، ہاتھ میں کلہاڑی ہے، کپڑے خون سے بھرے ہوئے ہیں، وہ تھانیدار مجھے جانتا تھا، میں شریف آدمیوں میں شمار ہوتا تھا، میں کبھی کبھی مسجد میں اذان بھی دیتا تھا، تھانیدار نے کہا مانک خیر ہے؟ کیا ہوا؟ میں نے کہا کل جس کتے نے، جس مرتد نے، جس لعین نے، جس گستاخ نے گستاخی کی تھی، الحمد للہ آج وہ زبان خاموش ہو چکی ہے۔ اس کے خون کو کتے چاٹ رہے ہیں۔ مجھے ہتھکڑی لگاؤ، مجھے گرفتار کرو۔ تھانیدار خود کانپنے لگا، رونے لگا، اپنی ٹوپی اتار کر میرے پاؤں میں ڈال دی، کہنے لگا میں تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں؟

پولیس والے دوڑ دوڑ کر حاجی مانک کے لئے دودھ لا رہے ہیں، رو رہے ہیں، کہتے ہیں ہم سے وہ کارنامہ نہ ہو سکا، جو ایک بوڑھے نے کر دیا ہے۔ حاجی مانک! ہم تجھے مجرم کہیں یا محمد ﷺ کا عاشق کہیں، ہم تجھے ہتھکڑی لگا کر کل محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ ہو جائیں؟ میں حکومت کو پٹی اتار کر دے دوں گا، مگر تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گا۔ میں اوپر اطلاع دیتا ہوں، مانک تو میرا مہمان ہے، تو قاتل نہیں تو محمد ﷺ کا عاشق ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک کہتا ہے انہوں نے میری بڑی خدمت کی۔ سکھر پولیس کو اطلاع دی وہ بھی آئے میرے قریب کوئی نہیں آیا۔ مجھے کہا کار میں بیٹھ جاؤ، وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے، کہنے لگے ہم عورتوں کو پکڑتے ہیں، آج تک ہم نے ڈاکو پکڑے، آج تک ہم نے چور پکڑے ہیں، آج اس کو لے جا رہے ہیں، جس کے دل میں محمد ﷺ کی محبت ہے۔

مانک کہتا ہے کہ میں سکھر جیل میں گیا تو تمام ڈاکو اکٹھے ہو گئے۔ دیکھ کر رونے لگ پڑے۔ کوئی کہنے لگا میں نے ماں کو قتل کیا، دوسرے نے کہا میں نے بہن کو قتل کیا، ایک نے کہا میں نے باپ کو قتل کیا، مانک! تیری قسمت کا کیا کہنا، تو محمد ﷺ کے دشمن کو قتل کر کے آیا ہے۔ رونے لگے، کہنے لگے جیل تو یہ ہے کہ جس سے خدا بھی راضی ہے، مصطفیٰ بھی

راضی ہے (سبحان اللہ) کوئی دودھ لا رہا ہے، کوئی فروٹ لا رہا ہے۔

پتہ چلا تو مولانا محمد علی جالندھریؒ وہاں پہنچے۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ وہاں پہنچے۔ قاضی صاحب روتے رہے۔ فرمایا، ہم تیری زیارت کے لئے آئے ہیں۔ میں خود وہاں پہنچا، مولانا وہاں پہنچے، مولانا امروٹی وہاں پہنچے، کراچی سے لاہور تک اس کو لوگ دیکھنے آئے، جس نے اپنے بڑھاپے میں جوانی دکھائی تھی۔

مانک کہتا ہے کہ رات کو میں کوٹھڑی میں سویا۔ مجھے مصطفیٰ ﷺ کی مسکراتے ہوئے زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری قربانی کا پیغام پہنچ چکا ہے، مانک نہ گھبرانا، وکیل نہ کرنا، وکالت میں محمد ﷺ خود کروں گا۔

حاجی مانک! تیری غیرت محمد کو پسند آگئی۔ میں نبی تمہیں مبارکباد دیتا ہوں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تیری پیشانی میں چوم لوں، تو نے ساری زندگی میں جو کارنامہ کیا ہے، فرشتے بھی اس پر رشک کر رہے ہیں۔ مقدمہ ہوا لندن تک وکیل آئے، پورا ربوہ (چناب نگر) جھونک دیا گیا۔ پیسوں کے انبار لگ گئے۔ یہ سارے جمع ہوئے۔ ادھر وکالت محمد نے کی۔

بیانات ہوئے، وکیلوں نے کہا آپ یہ بیان دے دیں کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ مانک نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے یہ کام کیا ہے، یہ کلہاڑی اب بھی موجود ہے، جو بھی میرے مصطفیٰ ﷺ کی گستاخی کرے گا، اس پر میں یہی کاروائی کروں گا۔

تین سال مقدمہ چلا۔ جج نے جو فیصلہ لکھا ہے، وہ سن لو، جج نے جب حالات سنے، اس نے فیصلہ لکھا کہ محمد ﷺ کا غلام نبی کا عاشق پیغمبر کا امتی، محمد عربی کا دیوانہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، اپنے نبی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا، جب عبدالحق نے نبی کی گستاخی کی، حاجی مانک دیوانہ بن گیا۔ حاجی مانک کی عقل ٹھکانے نہ رہی، حاجی مانک آپے سے باہر ہو گیا، اس نے اس وقت قتل کیا جب اس کی عقل ٹھکانے نہیں تھی، جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو، اس پر قانون لاگو نہیں ہوتا۔ یہ نبی کا دیوانہ ہے۔ میں دیوانے پر کوئی قانون لاگو نہیں کرتا، اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے اور مرتد کی سزا بھی قتل ہے (سبحان اللہ)

خدا کی قسم مانک زندہ رہا، ان میں پھرتا رہا۔ محمد ﷺ نے اتنی نگاہ ڈال دی ہے کہ

آج تک بندوقوں والے اس کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ محمد ﷺ کی ختم نبوت کی غلامی آج بھی حفاظت کر رہی ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک ستر اسی ال کا اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوض کوثر سے نہا کر آیا ہے۔ یہ سندھ کا واقعہ ہے۔ میں جب بھی اس علاقے میں جاتا ہوں، اس کو بلاتا ہوں، دیکھتا رہتا ہوں، روتا رہتا ہوں۔ مجھے کہتا ہے دین پوری میری طرف کیوں دیکھتے ہو؟ میں نے کہا میں ان آنکھوں کو دیکھتا ہوں، جنہوں نے محمد ﷺ کو دیکھا ہے۔ (سبحان اللہ)

کرونڈی سے جا کر تصدیق کریں۔ بات غلط ہو تو مجھے منبر سے اتار دینا، یہ کرونڈی پڈعیدن سے پندرہ کلومیٹر دور ہے۔ مانک وہاں رہتا ہے...... اس کو دور سے دیکھ کر آپ سمجھ جائیں گے۔ اس بستی میں کوئی اتنا حسین نہیں، جس پر محمد ﷺ کی نگاہ پڑ چکی ہے۔ خدا کی قسم یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے خون ٹپکتا ہے۔ ستر سال کی عمر ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوضِ کوثر سے پانی پی کر نکلا ہے (سبحان اللہ)

کہتا ہے کہ آٹھ دفعہ جیل میں مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ ہر آٹھویں دن آپ ﷺ کی زیارت ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ تسلی دیتے تھے کہ مانک نہ گھبرانا محمد ﷺ تیری وکالت کر رہا ہے۔ (سبحان اللہ)

(خطبات ختم نبوت حصہ دوم ص ۳۴۲ تا ۳۴۳)

یوسف کذاب...... گستاخِ رسول ﷺ کا آخری انجام

تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ مدعی نبوت اور گستاخ رسول کا آخری انجام بہت بھیانک ہوا ہے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ یہ حقیقت ہے کہ شانِ رسالت میں گستاخی ایک ایسا بھیانک، گھناؤنا اور قبیح فعل ہے، جسے غیرت اسلامی اور حمیت مسلمانی نے کبھی بھی برداشت نہیں کیا۔ اس کا شرعی حل یہی ہے کہ گستاخی کرنے والی زبان نہ رہے یا سننے والے کان نہ رہیں، گستاخی تحریر کرنے والے ہاتھ نہ رہیں یا پڑھنے والی زبان نہ رہے، یہی وجہ ہے کہ گستاخ رسول کو بیت اللہ کے پردے بھی پناہ نہ دے سکے، حکم

نبویؐ پر گستاخ رسول کو وہیں جہنم رسید کیا گیا۔ ایسی صورت میں پھر دنیا کا کوئی اور حصہ یا کوئی اور ٹکڑا اس کو کیسے پناہ دے سکتا ہے؟ حتیٰ کہ جیل کی کال کوٹھڑی بھی پناہ نہیں دے سکتی۔ شان رسالت میں گستاخی ایک ایسا جرم ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس گستاخ کی توبہ بھی قبول نہیں کی جاتی، موجودہ دور میں رسول عربی ﷺ کی عزت وناموس کا تحفظ بہت بڑا جہاد اور عشق رسول کا مظہر ہے۔ آپ کی عزت وناموس کا تحفظ اور اس کی پاسبانی امت مسلمہ کا فرض اولین ہے، جس میں نہ کسی تاخیر کی گنجائش ہے اور نہ اس کی قضا ہے۔

ذلت آمیز موت

گستاخِ رسول یوسف کذاب ملعون، جس کے بڑے بڑے دعوے تھے، بڑا اگروہ تھا، جس کی جرنیلوں تک رسائی تھی، جس کے لئے وزراء بھی اپنا بھرپور کردار ادا کرتے رہے کہ کسی طرح یہ گستاخ رسول بچ جائے، مگر شاید ان کو شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والوں کی تاریخیں یاد نہیں تھیں، وہ تاریخ سے نابلد تھے یا ان کی عقل پر پردے پڑ گئے تھے۔ مگر سابقہ گستاخوں کی طرح یوسف کذاب کا بھی آخر انجام بد آپہنچا۔ ۱۲ جون کو اخبارات میں شہ سرخیوں سے یہ خبر شائع ہوئی کہ توہین رسالت کے جرم میں سزائے موت کا قیدی یوسف کذاب کوٹ لکھپت جیل میں اپنے انجام کو پہنچا اور ایک نئی تاریخ رقم ہوئی کہ گستاخ رسول جس طرح بیت اللہ میں محفوظ نہیں اس طرح وہ جیل کی کال کوٹھڑی میں بھی محفوظ نہیں، اللہ تعالیٰ نے گستاخ رسول کی موت کی حالت اور موت کی جو جگہ مقرر کی ہوئی تھی، اس جگہ جب وہ گھڑی آپہنچی تو تمام حفاظتی انتظامات مفلوج ہو گئے، اس گستاخ رسول کو اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ میرا ایسا حشر ہو سکتا ہے؟ یوسف کذاب کو ذلت آمیز اور عبرتناک موت نے آلیا اور ذلت کی موت کے بعد بھی ذلت ہی اس کا مقدر رہی۔

غازی محمد صدیق شہیدؒ

غازی محمد صدیق فیروز پور ضلع قصور کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ماں نے بڑے لاڈ پیار سے بیٹے کی پرورش کی اور

ساتھ ساتھ صحیح تربیت بھی، سال ۱۹۳۴ء میں یہ نوخیز بچہ جب بیس برس کا ہوا تو اسے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ہوا کہ قصور کے ایک دریدہ دہن گستاخ پالامل زرگر کا منہ بند کیا جائے، یہ بشارت ملتے ہی نوجوان غازی تڑپ کر بیدار ہوا تو اس کے ساتھ اس کا مقدر بھی جاگ اٹھا، اس نے ماں کو یہ خوشخبری سنائی تو ماں نے خوشی سے لختِ جگر کا ماتھا چوما اور شہادت کی الفت کی طرف اسے روانہ کیا قصور پہنچ کر اس مردِ غازی نے اس گستاخ رسول پالامل کو راستہ ہی میں دبوچ لیا اسے پچھاڑ کر اس کے سینہ پر سوار ہو گئے اور تیز دھار آلہ سے پے در پے وار کر کے اس موذی کو ہلاک کر دیا اور وہاں سے فرار ہونے کے بجائے قریب ہی کی مسجد میں جا کر سب سے پہلے نمازِ شکرانہ ادا کی اور پھر مسجد کی سیڑھیوں پر اس شان اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے کہ کسی ہندو کو ان کے پاس آنے کی جرأت نہ ہو سکی، فیروزمندی ان کے قدم چوم رہی تھی اور فی الحقیقت اس سے بڑھ کر اور کیا نمایاں کام ہو سکتا تھا جس پر مسرت اور شادمانی بھی ناز کرے کہ ایک شاتمِ رسول ﷺ ان کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا، حسب معمول انگریز کا قانون حرکت میں آیا اور مردِ مجاہد کا مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا غازی موصوف کی جانب سے میاں عبدالعزیز مالوڈہ اور نومسلم بیرسٹر خالد لطیف گابا نے مقدمہ کی پیروی کی لیکن چونکہ آپ نے عدالت کے روبرو جرأت کے ساتھ اعتراف قتل کر لیا تھا اس لئے سزائے موت سنائی گئی۔

آفرین ہے اس ماں پر جس نے ایسے پیکر جرأت وایثار کو جنم دیا اور آفرین ہے اس نوجوان مردِ غازی پر جو آقا و مولا کے نام پر قربان ہو گیا، یہ فیصلہ سن کر ماں نے ایک بار پھر اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور کہا کہ یہ ایک بیٹا تو کیا، ایسے بیس بیٹے بھی ہوتے تو میں ان سب کو اپنے آقا کے نام پر قربان کر دیتی، بیٹے نے بھی یہی کہا کہ یہ ایک جان کیا چیز ہے ایسی ہزار جانیں میرے آقا کی خاک پر نثار ہیں سبحان اللہ!

غازی منظور حسین شہید رحمۃ اللہ علیہ، غازی عبدالعزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

''گردش دہر سے مجھ پر ایسا پُر آشوب وقت آگیا کہ طرح طرح کے مصائب والام میں مبتلا ہو گیا۔ میرا ایک نوجوان فرزند غازی محمد منظور حسین ایک شقی القلب کلمہ گو شخص

کے دست جفا سے بمقام عباسیہ متصل لکی فردت ضلع بنوں میں شہید ہو گیا۔ جبکہ وہ مع اپنے دو رفقاء کے ایک درخت کے سایہ میں میٹھی نیند سو رہا تھا۔ ظالم دشمن نے اسی حالت میں فائر کھول دیا اور وہ تینوں وجیہ نوجوان شہید ہو گئے۔ مرحوم بڑا شیر دل بہادر تھا اور شہ زوری وشجاعت میں اپنی نظیر رکھتا تھا۔ انگریزی میں بی اے اور عربی وفارسی علوم میں فاضل اجل تھا۔ بڑا زاہد وعابد متقی، بے ریا اور بے طمع صحیح معنوں میں مبلغ اسلام تھا۔"

قارئین کرام!...... یہ داستان ہمیں سنا رہے ہیں...... حضرت مولوی کرم الدین صاحب...... جنہیں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ان کے لختِ جگر نے ایک گستاخ رسول متعصب ہندو چوہدری کھیم چند کو موت کا پروانہ سنایا تھا......!!

☆

غازی مولانا منظور حسین ۱۹۰۴ء میں ایک معروف علمی گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب مرحوم کی پنجاب میں بہت شہرت تھی۔ ان کا تعلق ضلع چکوال کی ایک بستی "بھیں" سے تھا۔

غازی مولانا منظور حسینؒ نے بی اے تک باقاعدہ انگریزی تعلیم حاصل کی۔ کالج کی زندگی میں آپ کو جسمانی قوت بڑھانے کا بہت شوق تھا۔ اس میں آپ نے مہارت حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ موٹر کار کو آپ سامنے سے سینہ لگا کر مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور پھر خواہ کتنی رفتار سے چلائی جائے، روکے رکھتے تھے۔ لوہے کی دو نصف انچ موٹی سلاخوں کو جوڑ کر اپنے بازو پر لپیٹ لیتے تھے اور ایک انچ موٹی سلاخ گردن سے لپیٹتے تھے کھڑے ہو کر ننگی چھاتی پر وزنی ہتھوڑوں کی ضربیں لگواتے تھے۔ ہاتھوں کی دو انگلیوں میں انڈے کو نوک کے بل رکھ کر توڑ ڈالتے تھے۔ اس قسم کے غیر معمولی قوت کے کرشموں کا آپ نے بہت دفعہ مظاہرہ کیا تھا۔

گارڈن کالج راولپنڈی سے فارغ ہونے کے بعد بھی آپ نے پہلوانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن بعد میں قرآن حکیم کی تلاوت اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ نے آپ کے قلب میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ انگریزوں کی تہذیب سے سخت نفرت ہو گئی فرنگی اقتدار کے کسی اثر کو آپ برداشت نہ کرتے تھے۔ اغیار کی غلامی میں رہنا آپ کے لئے سخت

مشکل ہو گیا۔ آپ نے پہلے اپنی اصلاح کی اور شریعت کے سانچے میں ڈھل گئے کالج میں چونکہ عربی پڑھی تھی اس لئے قرآن و حدیث سے استفادہ آسان تھا۔ والد مرحوم سے فقہ و حدیث کی بعض کتابیں پڑھ لیں اور تبلیغ دین بھی شروع کر دی۔

جہاد بالسیف کا جذبہ آپ پر غالب تھا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونا آپ کا سب سے بڑا شوق......!

۱۹۳۸ء میں مجاہد اسلام مولوی منظور حسین شہیدؒ نے خاکساری کی طرز پر ان کے مقابلے میں ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام ''خدام اسلام'' رکھا۔

''خدام اسلام'' کے لائحہ عمل کے طور پر ایک پمفلٹ ''خدام اسلام'' میدان عمل میں'' کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ ہر لحاظ سے رضا کار فورس تھی۔ اس کی باقاعدہ پریڈ ہوتی اور زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا کہ معزز رکن کسی طور پر بھی اپنے تنظیمی رازوں کا کہیں انکشاف نہ کریں۔ اس کے لئے باقاعدہ حلف وفاداری ہوا کرتا تھا۔

یہ تنظیم اگرچہ دور دور تک تو نہ پھیل سکی، لیکن اس کا دائرہ اثر چکوال، نزدیکی قصبات اور اردگرد کے دیہات میں نہایت وسیع تھا۔

غازی مولانا منظور حسین شہیدؒ کے غازی مرید حسین شہیدؒ سے دوستانہ مراسم تھے اور ان کی شہادت نے آپ کے جذبات کو مزید مہمیز عطا کی تھی۔

......☆......

۱۹۴۱ء کی بات ہے!...... تھانہ ڈھڈمن کے ڈاک بنگلہ میں ایک متعصب ہندو چوہدری کھیم چند ایس ڈی او چکوال مقیم تھا۔ یہ ریسٹ ہاؤس چکوال سے جہلم روڈ خانپور قصبہ کے قریب واقع ہے۔ اس بد طینت کی مہاشہ راجپال آریہ سماجی، جسے غازی علم الدین شہید نے واصل جہنم کیا تھا، قریبی رشتہ داری تھی۔ اس کمینہ فطرت و دشمن دریدہ ہندو نے شان رسالت مآب ﷺ میں بے ادبانہ الفاظ بکے تھے۔

اس بد بخت کو گستاخی کا مزا چکھانے کے لئے قاضی صاحب اپنے ایک مخلص ساتھی ماسٹر عبدالعزیز کے ہمراہ رات کی تاریکی میں اس کے گھر گئے اور اس کی پیشانی پر

پستول کا فائر کیا۔

گولیاں مارنے کے بعد ماسٹر صاحب نے سات برچھیاں لگائیں ...... اتنے میں گستاخ نبی اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا تھا۔ مقتول مردود کے نزدیک اس کی بیوی سوئی ہوئی تھی۔ دونوں مجاہدین نے اسے صرف اتنا کہا:

"ہم نے توہین رسول ﷺ کا انتقام لے لیا ہے...... کچھ بھی ہو مگر مسلمان ابھی اتنے بے غیرت نہیں ہوئے کہ تاجدار مدینہ ﷺ کی بے عزتی پر چپ چاپ بیٹھے رہیں۔ دشمنان رسول سے نپٹنے کو ابھی غازی مرید حسین شہید کے احباب زندہ ہیں۔"

☆

گستاخ رسول چوہدری کھیم چند ہندو کو ٹھکانے لگا کر دونوں دوست وہاں سے بہ سلامت نکل آئے اور قبائل کے علاقہ غیر میں چلے گئے۔ جہاں آپ حضرت بادشاہ گل صاحب خلف مجاہد اعظم حضرت حاجی ترنگزئی صاحب کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ مدت ایک اور مجاہد راہنما حضرت فقیر ایپی صاحب کے پاس بھی بسر کی۔

ادھر یہ ہوا کہ آپ کے غائب ہو جانے کے بعد والد صاحب اور دیگر بعض اقربا کو پولیس نے بغرض تفتیش اپنی حراست میں لے لیا اور غازی ممدوح کے اس جرأت مندانہ اقدام کا سارا بوجھ آپ کے والد محترم قاضی محمد کرم صاحب کے سر آ گیا۔ حالانکہ غازیوں نے کسی کو اس راز سے مطلع نہیں کیا تھا اور نہ ہی علاقہ غیر جانے کا بتایا تھا۔ مکانات، اسباب ضبط کر لئے گئے اور پولیس نے مولانا مرحوم پر دفعہ ۱۸۲ کے تحت ایک مقدمہ دائر کر دیا۔

ان تمام معاملات کے باوجود والد محترم کو سب سے زیادہ مولانا منظور حسین کی روپوشی کی فکر تھی، لیکن بعد میں جب خیر و خیریت کی خبر آ گئی تو آپ کو اطمینان ہو گیا۔

قبائلی علاقہ میں رہتے ہوئے آپ کے عزائم بہت بلند تھے اور چاہتے تھے کہ بزور طاقت کشمیر فتح کریں اور اس کے لئے آپ نے ایک منصوبہ بھی بنایا، مگر پھر ایک سال وہاں قیام کرنے کے بعد بعض عزائم کے پیش نظر اپنے دیگر چار رفقاء کی معیت میں وطن کی طرف لوٹے۔

سرفروش غازیوں کی یہ مختصر جماعت رائفلوں سے مسلح تھی۔ وزیرستانی قبائل سے

ہوتے ہوئے آپ نے بنوں کی سرحد کو عبور کیا اور موضع عباسیہ تحصیل لکی مروت کے قریب ایک جگہ آرام کے لئے ٹھہرے۔ وہاں سے ماسٹر عبدالعزیز اور ایک دوسرے رفیق کو قریب کی بستی سے کھانا لانے کے لئے بھیجا گیا۔

اتنے میں کہیں سے پولیس کو خبر ہوگئی۔ چنانچہ دونوں کو وہاں سے گرفتار کرلیا گیا اور دوسب انسپکٹر پولیس کی مسلح گارڈ اور پبلک کی جمعیت ساتھ لے کر مولانا منظور حسین کے مقابلہ کے لئے نکلے۔

ادھر ان حضرات پر پہاڑوں کا طویل سفر کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ غالب تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں رفقاء سمیت گہری نیند سو رہے تھے۔ پولیس نے ان مجاہدوں کو بیدار ہونے کا موقع ہی نہ دیا اور بے خبری میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی...... اور یوں ان مجاہدوں کی سعید روحیں عالم بالا کو پرواز کرگئیں......

یہ جولائی ۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے اسی گاؤں "لکی مروت" میں ایک وسیع قبرستان ہے، جس میں موجود ایک مسجد کے بالکل نزدیک مولانا غازی منظور حسین شہید کی قبر اور لوح مزار پر ان کے مختصر احوال تحریر ہیں۔

......☆......

غازی مولانا منظور حسین کے دوست ماسٹر عبدالعزیز صاحب چکوال کے باشندے تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد سکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ باہمت اور دلیر جوان تھے۔ مولوی منظور حسین کی رفاقت وصحبت نے آپ کے اندر بھی جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونک دی اور ہمہ تن جہاد کی تیاریوں میں لگ گئے۔ چوہدری کھیم چند کے قتل میں شریک ہوئے اور علاقہ غیر میں بھی مولانا منظور حسین کے ہمراہ رہے۔

گرفتاری کے بعد ماسٹر صاحب موصوف کو چکوال میں لایا گیا اور ایس ڈی او مذکور کا مقدمہ چلایا گیا۔ اس کے نتیجہ میں آپ کو سزائے موت کا حکم ہوا۔ لاہور سنٹرل جیل میں چند ماہ تک پھانسی کی کوٹھڑیوں میں رہے۔ شب و روز ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ اب آپ کی قلبی تمنا یہی تھی کہ زندہ دنیا میں واپس نہ جاؤں بلکہ اپنے رفقاء شہداء سے جاملوں

پھانسی ہونے سے ایک روز پہلے اپنے اعزاء واقرباء سے بڑی بشاشت سے ملاقات فرمائی اوران کوصبر کی تلقین کی۔ صبح کو جب پھانسی کے لئے نکلے توراستے میں سورۃ یٰسین بلند آواز میں نہایت اطمینان کے ساتھ تلاوت کرتے رہے اورنعرۂ تکبیر بلند کرکے تختہ دار پر لٹک گئے۔

......☆......

شہید ناموسِ رسالت غازی عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت اور خاندانی پس منظر

۴ دسمبر ۱۹۷۷ء کو حافظ آباد میں ایک خوش قسمت بچے نے جنم لیا۔ والد محترم نے اپنے اس لخت جگر کا نام عبدالرحمٰن اور والدہ محترمہ نے اپنے نورِ نظر کا نام عامر رکھا۔ تاہم بعد میں یہ بچہ عامر چیمہ کے نام سے مشہور ہوا۔ عامر کے والد محترم کا نام محمد نذیر ہے، اور آپ چیمہ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ جناب محمد نذیر چیمہ کا آبائی تعلق وزیر آباد کے نواحی گاؤں ساروکی سے ہے۔ جبکہ آپ کی شادی حافظ آباد سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا محمد عامر چیمہ اور تین بیٹیاں عطا فرمائیں۔

جناب محمد نذیر چیمہ پیشے کے لحاظ سے شعبۂ تعلیم سے وابستہ رہے ہیں اور گورنمنٹ حشمت علی اسلامیہ کالج راولپنڈی میں چھبیس سال تک تدریسی فرائض سرانجام دے چکے ہیں۔ اس ملازمت کا آغاز محمد عامر چیمہ کی ولادت سے ایک سال پہلے ہی ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ گھرانہ مستقل طور پر راولپنڈی ہی میں آبسا۔ جہاں محترم نذیر صاحب کو کالج کی طرف سے رہائش مل چکی تھی۔

پروفیسر صاحب کے کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اب یہ باسعادت خاندان مکان نمبر DK_319_Z_45 ڈھوک کشمیریاں میں رہائش پذیر ہے۔ راولپنڈی شہر کے بیچوں بیچ سے گزرتی ہوئی مری روڈ کو جہاں سکستھ روڈ کراس کرتی ہے، وہیں مشرقی سمت میں اندر سروس روڈ ہے، اس روڈ پر گلی نمبر ۱۸ میں یہ مکان واقع ہے اس گلی کو ٹیوب ویل والی گلی بھی کہا جاتا ہے۔

تعلیمی مراحل

محمد عامر چیمہ کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی علاقے میں گزرا اور اپنے تعلیمی سفر کا آغاز بھی آپ نے یہیں سے کیا۔

پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب چونکہ خود مذہب سے گہری وابستگی رکھتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے انہیں گہرا لگاؤ ہے، اس لئے انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں بھی اپنے مزاج کا پورا پورا اظہار کیا۔ چنانچہ محمد عامر کو مستقل طور پر ابتدائی دینی تعلیم دی گئی اور آپ نے حشمت علی کالج کی مسجد ہی میں ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا۔

......اور ساتھ ہی عصری تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

محمد عامر چیمہ نے اسکول کی پڑھائی گھر سے قریب ہی واقع گورنمنٹ پرائمری سکول سے شروع کی۔ پھر جامعہ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور میٹرک تک یہیں پڑھتے رہے۔ دوران تعلیم آپ کی قابلیت نمایاں رہی اور اساتذہ کرام کی نظروں میں لائق توجہ رہنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہم سبق وہم عصر طلبہ میں بھی آپ بوجوہ ممتاز رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ گزرے وقت اور بیتی یادوں کو آپ کے دوست آج بھی اپنے دلوں میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور عظیم شاگرد اور قابل فخر دوست کی ادائیں ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

راجہ ساجد نذیر ڈھوک کشمیریاں راولپنڈی کے رہائشی ہیں اور محمد عامر چیمہ کو بچپن سے جانتے ہیں۔ آپ نے محمد عامر چیمہ کے حوالے سے اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہا:

"میں عامر کو اس وقت سے جانتا ہوں، جب یہ ننھا سا پھول گورنمنٹ پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا۔ شروع سے ہی عامر چیمہ کم گو اور صاف گو تھا اور عام بچوں سے بالکل مختلف تھا۔ اس کی شہادت تک اہل محلہ کو اس پر فخر رہا اور اس فخر کی لاج رکھتے ہوئے اس نے پورے عالم اسلام کے سر فخر سے بلند کر دیئے۔ عامر ایک پر عزم اور باحوصلہ جوان تھے۔"

جناب محمد یحییٰ علوی صاحب نیک سیرت انسان ہیں اور گورنمنٹ جامع ہائی اسکول فاربوائز میں عرصۂ دراز تک تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کے تدریسی

موضوعات عربی، اسلامیات اور اردو رہے، اسی اسکول میں عامر چیمہ شہید نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ محمد یحییٰ صاحب نے عامر شہید کے اس دور کے حوالے سے بتایا:

"عامر بہت ذہین اور سمجھدار بچہ تھا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ وہ اسکول آیا ہو اور اس نے گھر کے لئے دیا جانے والا کام پورا نہ کیا ہو۔ وہ اکثر و بیشتر امتحانات میں اول یا دوم پوزیشن حاصل کرتا۔ اور اسی تعلیمی قابلیت کی وجہ سے اسے باقی ہم جماعتوں پر نگران مقرر کیا گیا تھا۔ دسویں جماعت کا امتحان شاندار نمبروں سے پاس کر کے عامر نے وظیفہ بھی حاصل کیا۔"

۱۹۹۳ء میں دسویں جماعت نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کر کے عامر چیمہ شہید نے ایف۔ جی سرسید کالج مالک روڈ راولپنڈی میں داخلہ لیا اور وہاں بھی اپنی قابلیت وصلاحیت کا لوہا منوایا۔ اپنے ہم جماعتوں میں علمی واخلاقی لحاظ سے فوقیت نے آپ کو ہمیشہ نمایاں اور ممتاز مقام دیا اور نہ صرف ہم عمر طلبہ بلکہ اساتذہ کرام بھی آپ کی صلاحیتوں کے جس طرح قائل رہے اس کا اندازہ آپ کے دو اساتذہ جناب پروفیسر عبداللہ خان نیازی اور جناب پروفیسر محمد صفدر (سابق پرنسپل ایف۔ جی کالج سرسید اسکول راولپنڈی) کی طرف سے مشترقہ طور پر عامر شہید کو پیش کئے گئے خراج تحسین کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

"عامر سرسید کالج میں ہمارا شاگرد تھا، دو سال ہمارے پاس گزارے، لیکن اس میں کوئی بری عادت نہیں دیکھی۔ وہ خاموش طبیعت کا مالک تھا، لیکن اس موقع پر اس نے جو کام کیا، وہ اربہا مسلمانوں پر نمبر لے گیا۔ ہم کافی عرصے سے اس بات کو ترس رہے تھے کہ دیکھیں کون علم دین شہید کی راہ پر چل کر اپنی عاقبت سنوارتا ہے، عامر نے شہید ہو کر یہ بات ثابت کردی ہے کہ امتِ مسلمہ ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے۔ عامر کی روح تو یقیناً جنت کے باغوں میں سیر کرتی ہوگی۔ بہر حال اس نے مسلمانوں کو جگا دیا ہے۔"

۱۹۹۵ء میں سرسید کالج راولپنڈی سے ایف۔ ایس۔ سی مکمل کرنے کے بعد عامر شہید بی۔ ایس۔ سی کے لئے نیشنل کالج اینڈ ٹیکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد چلے گئے۔ وہاں آپ نے بی۔ ایس۔ سی کا امتحان نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔ فیصل آباد میں قیام

کے دوران بھی آپ کا کردار مثالی رہا۔ آپ کے ہم جماعت ہارون احمد خان ٹیکسٹائل انجینئر نے اپنے عظیم دوست کی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہا:

"عامر انتہائی جی دار، محبت کرنے والا، مخلص اور صحیح معنوں میں یاروں کا یار تھا۔ عامر اللہ کے نبی سے سچی محبت کرنے والا اور نبی ﷺ کے دشمنوں اور گستاخوں سے سخت نفرت کرنے والا تھا۔ وہ وعدہ کا پکا اور دوستوں کے مسائل حل کرنے کے لئے اپنی ذات کو نظر انداز کر دینے والا تھا۔"

......اور اب آپ کا ارادہ تھا کہ تدریسی شعبہ سے منسلک ہو جائیں۔

اس سلسلے میں آپ یونیورسٹی آف منیجمنٹ ٹیکسٹائل لاہور میں تدریس کے خواہش مند تھے۔ تاہم اس کے لئے چونکہ ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا ضروری تھا لہٰذا آپ نے جرمنی کے شہر گلاڈباخ میں قائم نیدرہن یونیورسٹی آف اپلائیڈ سائنسز مانشین میں داخلہ کے لئے درخواست بھیج دی۔ یہ درخواست کافی عرصہ تک تشنۂ جواب رہی۔ اس لئے آپ نے وقت کو استعمال کرنے کی خاطر ٹیکسٹائل انجینئرنگ کے شعبہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس سلسلے میں آپ کراچی قائد آباد میں واقع الکرم ٹیکسٹائل ملز میں میں بطور انجینئر ملازم رہے اور پھر کچھ عرصہ آپ نے لاہور میں بھی ملازمت کی۔ ملازمت کا یہ کل عرصہ تقریباً دو سال پر محیط رہا۔ لاہور میں ملازمت کے دوران ہی جرمنی سے یونیورسٹی کا جواب موصول ہوا کہ عامر چیمہ کی درخواست منظور کر کے انہیں داخلہ دے دیا گیا ہے۔ اس جواب کے موصول ہوتے ہی آپ نے جرمنی جانے کی تیاری شروع کر دی۔

پروفیسر نذیر چیمہ کہتے ہیں کہ عامر شہید اگر چہ اس وقت ملازمت کر رہا تھا لیکن وہ ان بکھیڑوں میں پڑنے کی بجائے تدریس کی لائن کو ترجیح دیتا تھا اور اس کا ارادہ یہی تھا کہ وہ تدریس کرے، چنانچہ درخواست کا جواب موصول ہوتے ہی عامر جرمنی روانہ ہو گیا۔ جرمنی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانے کے حوالے سے پروفیسر صاحب موصوف نے یہ بھی بتایا کہ میں عامر کو یورپ یا امریکہ نہیں بھیجنا چاہتا تھا، کیونکہ مجھے اس کی جذباتی طبیعت اور یورپ کے ماحول کا بخوبی اندازہ تھا۔ لیکن چونکہ چین یا جاپان وغیرہ کی بجائے داخلہ

جرمنی میں ملا، اس لئے میں نے بادلِ نخواستہ عامر کو جرمنی بھیج دیا۔

عامر چیمہ شہید ۲۰۰۴ء میں جرمنی پہنچے اور ماسٹر آف ٹیکسٹائل اینڈ کلوزنگ مینجمنٹ کے کورس کے لئے داخلہ لیا۔ یہ کورس چھ چھ ماہ کے چار مرحلوں (سمیسٹرز) پر مشتمل ہے۔ عامر شہید نے کامیابی کے ساتھ دو سالہ کورس کے پہلے تین مراحل مکمل کئے اور اب چوتھا مرحلہ چل رہا تھا کہ آپ کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔ جولائی ۲۰۰۶ء میں آپ کی تعلیم مکمل ہونی تھی کہ اس سے پہلے ہی آپ دنیائے فانی کو چھوڑ کر حیات جاودانی پا گئے۔

خوب صورت، خوب سیرت

گورا رنگ، وجیہ چہرہ، باوقار شخصیت اور پاکیزہ فطرت کے حامل غازی عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں سے بھی مالا مال تھے۔ قدرت نے آپ کو بے پناہ اخلاقِ حسنہ سے نوازا اور اچھائیوں سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ یہ آپ کی بے شمار خوبیوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج گھر اور محلے کا ہر فرد آپ کو بہترین الفاظ سے یاد کرتے نہیں تھکتا۔ آیئے...... !شہیدِ ناموس رسالت کی اخلاقی زندگی اور طور واطوار کا ایک مختصر سا جائزہ لیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ قدرت اپنے منتخب بندوں کی ابتداء ہی سے کیسی بہترین پرورش کرتی ہے۔

عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت نماز کے معاملے میں آپ کا حد درجہ اہتمام تھا۔ آپ پانچ وقت کی نمازیں باقاعدگی سے مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت ادا کرتے اور سنت و نوافل کا بھی اہتمام کرتے۔ آپ کی عادت تھی کہ جوں ہی نماز کا وقت ہو جاتا، آپ جہاں بھی ہوتے قریبی مسجد میں پہنچ جاتے اور پھر باجماعت نماز ادا کر کے ہی مسجد سے لوٹتے۔ بے شک نماز انسان کو ہیرا بنا دیتی ہے اور عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ واقعی اس فریضے کا اہتمام کر کے ہیرا بن گئے۔ رب کے حضور اہتمام اور باقاعدگی کے ساتھ سربسجود ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی کا ہر ہر گوشہ روشن اور تاباں ہو گیا۔ آپ کے اخلاق حسین تر اور آپ کی عادتیں پاکیزہ ترین ہو گئیں۔

خود نماز کے اہتمام کے ساتھ ساتھ آپ دوسروں کو بھی نماز پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید کرتے۔ شہید کے تایازاد بھائی غلام مرتضٰی چیمہ کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ کراچی میں ملازمت کے دوران عامر چیمہ جب بھی ان سے ملتے، انہیں نماز کی تلقین کرتے اور کہتے کہ کچھ بھی ہو جائے نماز ضرور پڑھا کرو، نماز ضرور پڑھا کرو۔

نماز کے بعد آپ کو سب سے زیادہ شغف کتابوں کے مطالعہ سے تھا۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ "اس دور میں کتاب بہترین ہم نشین ہے"...... اور عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس راز کو پالیا۔ نماز اور دیگر ضروری کاموں کے علاوہ آپ کا وقت نصابی اور غیر نصابی کتب کے مطالعے میں گزرتا۔ پھر خاص طور پر دینی کتب کے مطالعہ کا آپ خاص شوق رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کسی مدرسہ میں باقاعدہ دینی تعلیم حاصل نہ کرنے کے باوجود بھی عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ بہت سے دینی تعلیمات سے بخوبی واقف تھے اور اس نوعیت کے مطالعے نے آپ کے دل و دماغ کو دین کے نور سے روشن کر کے آپ کو عمل کا خوگر بنا دیا۔ آپ کے رشتہ دار کہتے ہیں کہ عامر کی دوستی کتابوں سے تھی، وہ ہمیشہ مطالعہ میں ہی منہمک پائے جاتے۔

کتابوں کو دوست بنا کر عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ باقی سب دوستیاں بھول گئے۔ سکول سے لے کر یونیورسٹی تک آپ سینکڑوں ہم عمر نوجوانوں کے درمیان رہے، ان کے ساتھ رہن سہن اور رکھ رکھاؤ کا پورا پورا اہتمام رکھا، لیکن باقاعدہ طور پر کسی سے آپ کی دوستی نہ رہی۔ ہر چھوٹے بڑے ملنے والے کے ساتھ آپ بہترین انداز میں خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے، لیکن کسی ہم عمر کے ساتھ بیٹھ کر فضول وقت ضائع کرنا یا بے معنی بات کرنا، گویا کہ آپ کو آتا ہی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کے جانے کے بعد پورے محلے میں کوئی ایک نوجوان بھی ایسا نہیں ہے جسے عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قریبی دوست کہا جا سکے۔ مگر کوئی ایسا بھی نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ وہ کبھی میرے ساتھ روکھے سوکھے انداز میں پیش آئے۔

زیادہ وقت خاموش رہنا اور کم سے کم بولنا آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا اور فضول بات کرنے سے تو آپ خاص طور پر احتراز کرتے۔ آپ کی عادت تھی کہ ہر بات کو اس کی تہہ تک پرکھتے اور اس میں خوب غور و خوض کرتے، لیکن اس کے لئے بے معنی یا فضول گفتگو

کرنا انہیں قطعاً پسند نہیں تھا۔ جب بھی کسی سے مخاطب ہوتے تو پہلے اس کی بات پوری طرح سنتے اور سمجھتے، پھر جب وہ اپنی بات پوری کر لیتا تو آپ اس کو جواب دیتے یا ضرورت کے بقدر سوال کرتے۔ ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ:

''بہترین انداز میں سوال کرنا آدھا علم ہے۔''

......اور عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ اس کے مکمل طور پر مصداق تھے کہ آپ کا ہر سوال مختصر الفاظ میں، جچا تلا اور بھرپور ہوتا۔

پروفیسر محمد نذیر چیمہ فرماتے ہیں کہ یہ بات حیرت انگیز ضرور ہے مگر بالکل سچ ہے کہ میرے بیٹے کو اس دور میں جیتے ہوئے بھی گالی دینی آتی ہی نہ تھی۔ اسے معلوم ہی نہ تھا کہ گالی کن الفاظ میں دی جاتی ہے؟ حالانکہ وہ آزاد منش نوجوانوں کے درمیان عرصۂ دراز تک رہا اور پھر دورانِ ملازمت بھی یہ ایک طرح سے لازمی سی بات تھی۔

عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی بالکل ایسے گزاری جیسے کسی آدمی کے پاس وقت بہت کم ہو اور کام بہت زیادہ...... شاید انہیں اندازہ تھا کہ بہت تھوڑے وقت کے لئے اس دنیا میں آئے ہیں اور بہت بڑا کام کر گزرنا ان کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کھیل کود میں کبھی بھی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ محلے میں گزرا ہوا بچپن ہو یا اسکول کالج کا زمانہ، وہ ہمیشہ کھیل کود سے دور...... بہت دور رہے۔ محلے کے نوجوان بتاتے ہیں کہ عامر سالہا سال ہمارے درمیان سے گزرتے رہے، وہ ہمیں گلی ڈنڈا سے لے کر کرکٹ تک، سب کچھ کھیلتے ہوئے دیکھتے، ہم کھیل میں مدہوش رہتے اور وہ ایک طرف مسکراتے ہوئے سلام کر کے خاموشی کے ساتھ گزر جاتے اور گھر میں داخل ہو جاتے، جہاں ان کی دوست کتابیں ان کی منتظر ہوتیں۔

عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ وہ ہمیشہ اپنی نگاہیں پست رکھتے۔ جاننے والے کہتے ہیں کہ عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کو تو اوپر دیکھنا ہی نہیں آتا تھا۔ شہید کے ایک عزیز نے ان کی اس عادت کی مثال دیتے ہوئے کہا:

''آپ یوں سمجھ لیجئے کہ عامر گلی کے ایک نکڑ پر کھڑے ہیں اور دوسرے نکڑ پر لوگوں

کا بہت زیادہ ہجوم ہے، عامر کو اس ہجوم کا اس وقت تک پتہ نہ چلے گا، جب تک وہ اس کے بالکل قریب نہیں پہنچ جاتے اور لوگوں کی آوازیں ان کی سماعت سے نہیں ٹکرا جاتیں۔"

راہ میں انہیں چھوٹا ملے یا بڑا، وہ ہمیشہ اپنی نگاہ نیچی رکھ کر ملتے۔ یہ عادت اس قدر پختہ تھی کہ لوگ کہتے ہیں کہ عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کم ملنے والوں کے چہروں کو دیکھا ہوگا۔

شہید کے رشتہ دار اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ پروفیسر نذیر چیمہ اور ان کا سعادت مند بیٹا عامر چیمہ خاندان بھر میں سب سے زیادہ علم دوست اور باوقار شخصیات کے مالک رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان باپ بیٹا نے کبھی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھا اور نہ ہی کسی کو تکبر کی نظر سے دیکھا۔

دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے کٹ کے رہنے کے یہ معنی نہیں کہ عامر شہید نے اپنوں کو بھلا دیا، انہیں نظر انداز کیا، ان کی حق تلفی کی، یا حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی برتی۔ خدمتِ خلق کا جذبہ ان کی گھٹی میں شامل تھا۔ وہ لوگوں کے کام آنے میں کبھی پیچھے نہ رہے۔ ضرورتمندوں کے کام آتے، اگر کسی کی حاجت پوری کرنے کی استطاعت اپنے اندر نہ پاتے تو اس سے خیر سگالی کرنے اور اظہار ہمدردی سے قطعاً نہ چوکتے۔ کچھ نہ ہوتا تو اس کو بہتر اور مفید مشورے دیتے۔ اگر کوئی شخص انہیں کوئی کام کہہ دیتا اور وہ اس کو کر سکتے تو ضرور کرتے، خواہ اس کے لئے انہیں پیادہ یا دور از سفر کرنا پڑتا یا محنت مشقت اٹھانی پڑتی۔ جفاکشی ان کی طبیعت تھی اور سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں وہ مشقت کرنے سے کبھی نہیں اکتائے۔

والدین کی خدمت اور اطاعت اور بہنوں سے محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ والدِ محترم کی ہر ہدایت کو حرزِ جاں بنا کر رکھتے اور والدہ محترمہ کا خوب خوب خیال رکھتے۔ والدین کا بھی اپنے بیٹے سے اس قدر پیار تھا کہ آخری بار جب وہ جرمنی گئے تو اس وقت گھر کے ایک کمرے میں ان کے ہاتھوں سے لٹکائے ہوئے کپڑوں کا ایک جوڑا آج بھی اسی طرح لٹک رہا ہے اور والدین نے اسے وہاں سے نہیں ہٹایا کہ یہ ان کے پیارے لختِ جگر اور نورِ نظر کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

آپ جرمنی سے آخری بار جب والدین اور بہنوں سے ملنے کے لئے پاکستان آئے تو والدہ محترمہ نے ایک دن اپنے پیارے بیٹے سے کہا کہ بیٹا اب ہم تمہاری شادی کا سوچ رہے ہیں، یہ گھر تمہارے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ یہ سن کر عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ حسبِ معمول مسکرا دیے اور والدہ کی خدمت میں عرض کی:

''امی جان! مجھے اس میں سے کچھ نہیں چاہیئے، میں نے اپنا سارا حصہ اپنی پیاری بہنوں کو دے دیا ہے۔''

تاریخی کارنامہ

ستمبر ۲۰۰۵ء میں جبکہ غازی عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ جرمنی میں زیرِ تعلیم تھے، یورپی دنیا کی طرف سے وہ ناپاک جسارت سامنے آئی جسے دنیا کے ہر شریف طبع شخص نے نفرت کی نظر سے دیکھا۔ ڈنمارک کے ایک اخبار کی طرف سے شائع ہونے والے نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی پر مشتمل خاکے پوری دنیا میں مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے، انہیں اشتعال دلانے اور ان میں غم وغصہ کی لہر دوڑانے کا باعث بنے۔ ایسے میں عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ان واقعات سے متاثر ہونا ایک یقینی امر تھا، جبکہ آپ کی زندگی کے کئی مراحل اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ عشقِ رسول ﷺ کے معاملے میں انتہائی سخت اور غیر لچکدار رہے۔ شہید کے والد محترم فرماتے ہیں کہ میں نے بیٹے کے ساتھ اکثر وبیشتر بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کیا کرتا تھا اور بات چیت کے دوران اکثر ایسے امور بھی زیرِ بحث آتے تھے جن کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس سے ہوتا تھا۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ باقی دینی معاملات میں، میں اس سے زیادہ سخت اور پابند تھا، لیکن عامر عشقِ رسول اور نبی اکرم ﷺ کی محبت کے سلسلے میں مجھ سے کہیں زیادہ آگے بڑھا ہوا تھا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کسی بے دین یا گستاخِ رسول کی بات چلتی تو عامر سخت جذباتی ہو جاتا اور کہتا کہ فلاں واجب القتل ہے۔ ایسے موقع پر میں اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا اور کہتا کہ بیٹا یہ کام حکومت کا ہے تمہارا نہیں۔

ایک ٹیکسٹائل مل سے ملازمت ترک کرنے کی وجہ بھی آپ کے یہی جذبات بنے۔ ہوا کچھ اس طرح کہ مل میں ایک ایسے ڈیزائن کی ٹائیل تیار کی جارہی تھی جسے دیکھ کر لفظ ''محمد'' لکھا ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔ عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو مل کے ذمہ داران کو اس طرف توجہ دلائی اور اصرار کیا کہ وہ اس طرح کی ٹائیل بنانا بند کریں، تاکہ توہین اور بے ادبی کی صورت پیدا نہ ہو۔ بار بار توجہ دلانے کے باوجود جب انتظامیہ نے کوئی عملی قدم نہ اُٹھایا تو آپ بے چین ہوگئے اور اسی بے چینی کے عالم میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر واپس گھر تشریف لے آئے۔ حالانکہ اس ادارے میں آپ کی شخصیت کو کافی اہمیت حاصل تھی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ مل کے ان انجینئرز میں سے تھے، جنہیں خود انتظامیہ نے درخواست کرکے ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔

کچھ ایسا بھی تھا کہ ان کے لاشعور میں یہ بات بس چکی تھی کہ اللہ نے ان سے کوئی بہت بڑا کام لینا ہے۔ چنانچہ آخری بار جرمنی جانے سے پہلے آپ نے کئی بار اپنے والدِ محترم کی خدمت میں عرض کی:

''ابو جان! پتہ نہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟''

ان کی اس بات کے جواب میں والد صاحب یہی کہتے کہ بیٹا! اللہ تعالیٰ آپ کو پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتے ہیں۔

پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب فرماتے ہیں کہ یورپ میں جب توہین آمیز خاکوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہم نے جان بوجھ کر کبھی اپنے بیٹے سے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ کہیں وہ جذباتی ہوکر کوئی بڑا قدم نہ اُٹھا ڈالے۔

......لیکن عشق و محبت کی جو آگ عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک سینے میں سلگ رہی تھی اس سے، ان کے سوا ہر شخص بے خبر تھا۔

جرمنی میں تعلیمی کورس کے چوتھے مرحلے کے دوران یونیورسٹی میں چند دن کی تعطیلات ہوئیں تو عامر شہید اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے برلن شہر آگئے۔ جہاں آپ کے بڑے ماموں کی صاحبزادی اور ان کا گھرانہ عرصۂ دراز سے رہائش پذیر ہے۔ یہاں عامر شہید نے

معمول کے مطابق چھٹیاں گزاریں، تاہم ان میں ایک تبدیلی ایسی تھی جو وہاں موجود سب رشتہ دار دیکھ رہے تھے۔ ماموں زاد بہن کے شوہر کہتے ہیں کہ ہم بہت شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کئی دنوں سے گہری سوچوں میں گم رہتے تھے۔ ایک دن ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ اس قدر گم سم کیوں نظر آ رہے ہیں؟ کوئی پریشانی یا تکلیف تو نہیں؟ لیکن انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ مجھے نہ کوئی پریشانی ہے اور نہ ہی تکلیف۔

یونیورسٹی کی طرف سے ملنے والی تعطیلات گیارہ مارچ کو ختم ہو گئیں، لیکن عامر یونیورسٹی نہیں گئے۔ وہ برلن ہی میں رہے اور کسی کو نہیں معلوم کہ اس دوران شبانہ روز ان کی سرگرمیاں کس نوعیت کی رہیں؟ تاہم آنے والے حالات وواقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ عامر ان دنوں اپنے اس مبارک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے راہیں تلاش کرتے رہے جس پر انہوں نے چند دنوں بعد عمل پیرا ہونا تھا۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ دن ان کے لئے انتہائی اہم تھے اور مصروف ترین بھی۔

۲۰ مارچ ۲۰۰۶ء کی صبح سے عامر چیمہ اپنے رشتہ داروں کے گھر سے غائب تھے اور کسی کو ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں؟

اسی دن ہی سورج ڈھلنے کے بعد برلن شہر میں ایک اہم واقعہ پیش آیا۔

جرمنی سے شائع ہونے والے ایک قدیم اخبار ''ڈائیولٹ'' (Die Welt) کے مرکزی دفتر میں ایک نوجوان داخل ہوا اور بغیر رُکے ہوئے اخبار کے ایڈیٹر ''ہمینرک بروڈر'' (Henryk Broder) کے کمرے کی طرف بڑھا، جہاں وہ شخص اپنے دفتری کاموں میں مشغول تھا۔ نوجوان کے عمارت میں داخل ہوتے ہی سیکورٹی اہلکار اس کی طرف لپکے اور اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن نوجوان پورے رُعب اور اعتماد کے ساتھ دھاڑا اور انہیں للکارتے ہوئے کہا کہ اگر انہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تو وہ اپنے جسم کے ساتھ بندھا ہوا بارود اُڑا ڈالے گا اور وہ سب اس کے ساتھ موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔

یہ سنتے ہی سیکورٹی اہلکار گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور نوجوان بھاگتا ہوا ایڈیٹر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ پل بھر میں اس نے کپڑوں میں چھپایا ہوا ''ہینٹر نائف'' نامی خاص

شکاری خنجر نکالا اور ایڈیٹر کی گردن پر وار کرنے کو لپکا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے شکار کا کام تمام کرتا، دفتر کا دیگر عملہ جمع ہوگیا اور اس نے نوجوان کو قابو کرلیا۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ اس دوران خنجر کا ایک وار ایڈیٹر کی گردن پر گہرا زخم کر چکا تھا۔ نوجوان نے ایڈیٹر پر مزید وار کرنے کے لئے اپنے آپ کو لوگوں کے چنگل سے چھڑانے کی بھرپور کوشش کی، لیکن وہ ایسا نہ کرسکا اور کچھ ہی دیر بعد اس کے ہاتھوں میں جرمن پولیس کے مسلح اہلکار ہتھکڑیاں ڈال رہے تھے۔

یہ نوجوان امت مسلمہ کا قابل فخر سپوت اور مایہ ناز فرزند غازی عامر چیمہ تھا اور وہ اخبار جس کے ایڈیٹر پر عامر چیمہ نے قاتلانہ حملہ کیا، ان ذرائع ابلاغ میں سے ایک تھا، جنہوں نے کائنات کی سب سے معزز و محترم ہستی نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا یا اس ناپاک جسارت کی حمایت کی۔ عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں میں سے وہ ایک مردِ جری نکلا، جس نے اپنے محبوب ﷺ کی حرمت پر حملہ آور ہونے والوں کو ختم کر ڈالنے کا عزم کیا...... یہ سوچے بغیر کہ خود اس کا اپنا انجام کیا ہوگا؟

جرمن پولیس نے عامر چیمہ کو گرفتار کیا اور تین دن بعد جب اس مردِ جری کو عدالت میں پیش کیا گیا تو یورپ کے دل میں خنجر پیوست کرنے والے گوروں کے اس "مجرم" کے ساتھ ساتھ عدالت کے روبرو اس کا وہ تحریری بیان بھی پیش کیا گیا، جس میں اس نے کہا تھا کہ:

"میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے اخبار "ڈائیولٹ" (Die Welt) کے ایڈیٹر "ہینرک بروڈر" (Henryk Broder) پر قاتلانہ حملہ کیا۔ یہ شخص ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کا ذمہ دار تھا اور اگر مجھے آئندہ موقع ملا تو میں ایسے ہر شخص کو قتل کر ڈالوں گا۔"

یہ سب کچھ سیاہ دل گوروں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ لہٰذا...... عامر چیمہ جیسے بہادر، جری، بے خوف اور نڈر مسلمان نوجوان کو قانون سے ماوراء رہتے ہوئے جرمن پولیس نے اپنی حراست میں سخت تشدد اور بہیمیت کا نشانہ بنا کر شہید کر ڈالا۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شہید ناموسِ رسالت کے والد محترم فرماتے ہیں......!

”عامر عشق رسول ﷺ میں مجھ سے بڑھ کر تھا“

خوبصورت سفید ڈاڑھی، دراز قد، باوقار سنجیدہ چہرہ اور روشن آنکھوں والے جناب محمد نذیر چیمہ صاحب ان خوش قسمت ترین والدین میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے عشق رسول ﷺ سے سرشار صدق ووفا کی پیکر اولاد عطا کی۔ جن لوگوں نے پروفیسر محمد نذیر صاحب کی زیارت کی، انہیں یہ کہنے میں ذرہ بھر تردد نہیں کہ غازی عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے بہادر، دلیر اور نیک بخت بیٹے کی تربیت ایسے بابرکت سایۂ عاطفت ہی میں ہو سکتی تھی۔

محترم جناب محمد نذیر چیمہ صاحب کا آبائی تعلق ضلع گوجرانوالہ تحصیل حافظ آباد کے گاؤں سارو کی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عین شباب میں اپنی طرف توجہ اور انابت نصیب فرمائی اور اس میں بڑا دخل آپ کی والدہ محترمہ کا تھا، جو آج بھی الحمدللہ بقید حیات ہیں اور اپنے گاؤں میں رہائش پذیر ہیں۔ انتہائی قریبی عزیزوں کی شہادت ہے کہ عامر شہید کی دادی صاحبہ مستقل اور دائمی تہجد گزار خاتون ہیں اور نیکی وعبادت گزاری آپ کی فطرت ثانیہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل موصوفہ کو فالج کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے کافی بیمار ہو چکی ہیں۔

پروفیسر محمد نذیر چیمہ صاحب ابتداء میں ائرفورس سے متعلق ہوئے اور پھر بہت جلد ہی شعبہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ دسمبر ۱۹۷۶ء سے جنوری ۲۰۰۶ء تک آپ حشمت علی اسلامیہ کالج راولپنڈی میں بطور استاذ تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کا موضوع تدریس تعلیم جسمانی (فزیکل ایجوکیشن) رہا اور اب آپ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد فراغت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

اپنے اکلوتے، لاڈلے، محبوب، جواں سال، خوبصورت فرشتہ سیرت، بہادر اور نڈر بیٹے کے سانحہ شہادت کو پروفیسر صاحب موصوف نے جس حوصلے اور استقامت سے برداشت کیا ہے، بلاشبہ یہ انہیں کا حصہ ہے۔ ہر ملنے والا محسوس کرتا ہے کہ غموں کے پہاڑ

تلے دبے اس باحوصلہ باپ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے، چہرے پر اطمینان وسکون چھایا ہوا ہے اور نگاہوں میں سحر انگیز کشش جگمگا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت نصیب فرمائے۔ آمین

پروفیسر صاحب موصوف نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے ایک خصوصی نشست میں غازی عامر شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہمارے چند سوالات کا جواب دیا، جنہیں ہم قارئین تک پہنچا رہے ہیں۔

سوال: عامر شہید کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

جواب: ۴دسمبر ۱۹۷۷ء......لیکن کاغذات میں ۶ دسمبر لکھی ہوئی ہے۔

سوال: غازی عامر شہید نے دینی تعلیم کہاں اور کتنی حاصل کی؟

جواب: میں اسے گھر میں خود ہی دینی تعلیمات سے آگاہ کرتا تھا۔ میں نے خود اسے نماز روزہ کے مسائل بتائے اور دیگر اہم احکامات سے آگاہ کیا۔ قرآن کریم ناظرہ اس نے حشمت علی کالج کی مسجد میں پڑھا۔ وہ تمام دینی ضروری تعلیمات سے روشناس تھا۔

سوال: عامر شہید کے باقی تعلیمی مراحل کہاں طے ہوئے؟

جواب: عامر نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول راولپنڈی میں حاصل کی۔ پھر ایف سی کلوزنگ مینجمنٹ کی تعلیم کے لئے جرمنی میں گیا تھا۔ اس کورس کا چوتھا اور آخری مرحلہ چل رہا تھا۔ جولائی میں فراغت کے بعد وطن واپسی ہونی تھی۔

سوال: شادی کا کیا ارادہ تھا؟

جواب: یہ تو ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے......واپسی کے بعد کا ارادہ تھا۔

سوال: مستقبل کے حوالے سے عامر شہید کے کیا ارادے تھے؟

جواب: وہ پڑھائی کے بعد یونیورسٹی میں لیکچرار لگنا چاہتا تھا اور اس کے لئے پی ایچ ڈی ضروری تھی۔ اسی لئے پی ایچ ڈی کے لئے وہ جرمنی گیا۔ عامر صرف انجینئر بن کر ملازمت نہیں کرنا چاہتا تھا، تاہم جرمنی جانے سے پہلے اس نے تقریباً دو سال کراچی اور لاہور میں ملازمت کی۔

سوال: آپ کے خیال میں جرمنی میں پیش آنے والے واقعہ کے محرکات کیا تھے؟

جواب: حب رسول ﷺ کے سلسلہ میں وہ مجھ سے کہیں زیادہ سخت تھا۔ اگرچہ نمازوں کے بارے میں، میں سخت تھا۔ عشق رسول ﷺ کے سلسلہ میں اس کے اندر بالکل لچک نہ تھی۔ اس موضوع پر گفتگو ہوتی تو وہ ہمیشہ بہت جذبات میں آجاتا۔ دوسرے لوگوں کی طرح اس معاملے میں اس نے کبھی لچک یا نرمی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

سوال: آپ کو عامر شہید کی گرفتاری کا کب پتہ چلا؟

جواب: عامر ۲۰ مارچ کو گرفتار ہوا۔ ۷، ۸ اپریل کی درمیانی رات ہمارا جرمنی رابطہ ہوا۔ وہاں مقیم رشتہ داروں نے باتیں کیں لیکن ہم نے عامر کا نام لیا تو فون بند کر دیا۔ آدھے گھنٹے بعد انہوں نے حافظ آباد فون کر کے واقعہ کی خبر دی، تب ہمیں اس واقعہ کی اطلاع ملی۔

سوال: کیا آپ سوچ سکتے تھے کہ عامر شہید ایسا جراتمندانہ اقدام اٹھائے گا؟

جواب: اس کے اندر میں ایسے جذبات محسوس کرتا تھا۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت وقت گزارتا ہوں۔ وہ اکثر مجھ سے کہتا کہ فلاں واجب القتل ہے تو میں اس کو سمجھاتا کہ یہ تمہارا کام نہیں، گورنمنٹ کا کام ہے۔ اگر وہ فون پر مجھے بتا دیتا کہ میں ایسا کام کرنے لگا ہوں تو میں شاید اسے روکنے کی کوشش کرتا۔ وہ ایسے معاملات میں اکثر جذباتی ہو جایا کرتا تھا۔ اسی لئے ہم نے خاکوں کے بارے میں اس سے بات نہیں کی، کہ کہیں وہ جذباتی نہ ہو جائے، لیکن وہ خود ہی حساس طبیعت رکھتا تھا۔

سوال: جرمن پولیس دعویٰ کر رہی ہے کہ عامر نے خودکشی کی، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: بات یہ ہے کہ ۲۰ مارچ کو عامر گرفتار ہوا اور چار مئی کو شہادت کی اطلاع ملی۔ اس دوران کسی رشتہ دار کو اس سے ملنے نہیں دیا گیا۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اور پھر ایک آدمی دلیرانہ اقدام اٹھاتا ہے، عشق رسول سے شمار ہوتا ہے وہ خودکشی جیسا قدم کیسے اٹھا سکتا ہے؟ اب تو صورتحال یہ ہے کہ جرمن حکومت نے زبردستی اسے رکھا ہوا ہے۔ چار دن بعد وہ جو لکھ کر دیں گے، ہماری حکومت اسے خاموشی سے قبول کر لے گی۔

سوال: شہادت سے پہلے تک عامر شہید کے مقدمے کی نوعیت کیا رہی؟

جواب: عدالت میں اسے پیش تو کیا گیا، اس کا تحریری بیان بھی لیا گیا اور عدالت سے

ریمانڈ بھی لیا گیا لیکن مقدمہ باقاعدہ فائل نہیں ہوا۔ اگر مقدمہ فائل ہو جاتا اور چلتا تو اتنا خدشہ نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ اسے جرمنی سے ڈی پورٹ کر دیا جاتا اور پانچ ماہ سے زیادہ عرصہ تک یہ مقدمہ نہیں چلنا تھا، لیکن اس سے پہلے ہی انہوں نے اسے شہید کر دیا۔

سوال: آپ کا آخری بار اپنے بیٹے سے براہ راست رابطہ کب ہوا؟

جواب: میری اس سے آخری بات ۵ مارچ کو فون پر ہوئی۔ اس کے بعد ۸ مارچ کو اس نے اپنے ایک رشتہ دار کی شادی پر فون کیا اور اس سے گپ شپ لگا کر مبارکباد پیش کی۔ اس کے بعد کوئی رابطہ نہیں ہوا۔

سوال: کیا آپ نے عامر کو جرمنی اپنی خوشی سے بھیجا تھا؟

جواب: میں اسے یورپ نہیں بھیجنا چاہتا تھا، اس لئے کہ مجھے پہلے سے خدشات تھے۔ میں چاہتا تھا کہ اسے چین یا جاپان بھیجوں، لیکن داخلہ جرمنی میں ملا، اسی لئے وہاں بھیج دیا۔

سوال: عامر شہید کی گرفتاری اور مقدمے کے حوالے سے جرمنی میں پاکستانی سفارتخانے کا کردار کیا رہا؟

جواب: جرمنی میں پاکستانی ایمبیسی کے سیکرٹری خالد عثمان نے مجھ سے رابطہ رکھا اور مجھے تفصیلات بتاتے رہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ عامر سے میری بھی کل ہی فون پر بات ہوئی ہے اور وہ بالکل خیریت سے ہے، اسے کوئی خوف نہیں ہے۔ اس کی آواز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مطمئن ہے، لیکن اندر کی بات اور حقیقت کیا تھی ہمیں کچھ نہیں معلوم......!

سوال: اکلوتے بیٹے کی شہادت اور اس جدائی کے بعد آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

جواب: ہر انسان کی خواہش اور زندگی کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور اگر اسے یہ حاصل ہو جائے تو اس کی سعادت ہے۔

عاشق کا جنازہ

"سیاہ دل گوروں" کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنے والے ملت اسلامیہ کے مایہ ناز سپوت عامر چیمہ کا جسد خاکی "روشن ضمیر کالوں" تک پہنچا تو لاکھوں افراد کا بحر بے

کراں اپنے ہیرو کے استقبال اور اس کو الوداع کہنے کے لئے موجود تھا۔

۱۲ مئی کی شام خبر ملی کہ سرکاری فرشتوں نے راولپنڈی میں رہائش پذیر عامر کے والد محترم نذیر چیمہ سے ملاقات کی ہے اور بند کمرے میں ایک گھنٹہ تک تفصیلی مذاکرات ہوئے ہیں۔ایک غمزدہ، دکھی، بے بس اور مجبور باپ کے ساتھ بوٹوں والی سرکار کے زور آور نمائندوں کے ان مذاکرات میں طے پایا؟...... یہ تو آنے والے دنوں میں پروفیسر نذیر چیمہ ہی کچھ بتا سکیں گے، بشرطیکہ انہوں نے دکھ اور درد کی یہ ساری کہانی اپنے پاکیزہ فطرت لخت جگر کے جسد خاکی کے ساتھ ہی زمین کی تہہ میں دفن نہ کر ڈالی ہو۔تاہم اتنی بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مذاکرات کا مقصد محض یہ تھا کہ حکومت روالپنڈی یا اسلام آباد میں جنازے کے متوقع اجتماع سے سخت گھبرائی ہوئی تھی اور اہل اقتدار کی بھرپور کوشش تھی کہ عامر چیمہ کا تاریخی جنازہ عوام الناس کی نظروں سے جس قدر دور اور ایوان اقتدار سے جس قدر فاصلے پر ہوا اتنا ہی ان کے لئے کم خطرات کا باعث بنے گا۔سرکاری نمائندوں نے اس بوڑھے باپ کے ساتھ مذاکرات کے دوران اپنے مطالبات منوانے کے لئے کیسی کیسی زور آزمائیاں کیں، ان کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ پروفیسر صاحب مذاکرات کے بعد مسجد میں جا بیٹھے اور کئی گھنٹے تک وہیں معتکف رہے۔وہ واضح طور پر اس قدر دلبرداشتہ تھے کہ نہ کسی سے بات کی اور نہ ہی کسی کے سوال کا جواب دیا۔اسی رات شہید کی ہمشیرہ نے رابطہ کرنے پر بتایا کہ حکومت نے ہم سے کہا ہے کہ جنازہ آبائی گاؤں ساروکی چیمہ میں پڑھایا جائے اور ہم اس کے لئے تیار ہیں، کیونکہ اس وقت سب سے بڑی ترجیح یہ ہے کہ کسی طرح شہید بھائی کی میت ہم تک پہنچ جائے اور ہم بھائی کا آخری دیدار کرلیں۔اب اگر حکومت ہماری اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے شرائط عائد کر رہی ہے تو ہم یہ سب باتیں ماننے پر مجبور ہیں۔اہلخانہ کی اسی تڑپ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے یہ شرط بھی منوائی گئی کہ عامر کی میت پاکستان آنے کے بعد اسے جلد سے جلد دفن کیا جائے گا اور کسی بھی طور پر اس کے پوسٹ مارٹم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ ایسا کرنے سے لازمی طور پر عامر کی شہادت کی حقیقی وجوہات سامنے آجاتیں اور جرمن حکومت کا یہ دعویٰ اپنی موت

آپ مرجاتا کہ عامر نے جرمن پولیس کی زیر حراست خودکشی کی ہے۔

صورتحال بتا رہی تھی کہ سرکار کی بھرپور کوشش ہوگی کہ ساروکی میں بھی جنازہ جلد سے جلد ہو اور کم سے کم لوگ اس میں شرکت کر پائیں۔ ایسے میں ضروری تھا کہ حتی المقدور وقت سے پہلے جنازہ کے لئے پہنچا جائے۔ چنانچہ چار بجے جنازہ پڑھائے جانے کی عمومی اطلاع کو نظرانداز کرتے ہوئے جب میں ۱۳ مئی کی صبح نو بجے ساراوکی چیمہ پہنچا تو پورے علاقے میں ہر طرف ہجوم عاشقاں دکھائی دے رہا تھا۔ میں عامر کے آبائی گاؤں میں داخل ہوا تو ہزاروں افراد وہاں موجود تھے، جب کہ سینکڑوں گاڑیاں اور پیدل افراد کی ایک طویل قطار رینگتے رینگتے گاؤں میں داخل ہو رہی تھی۔ جنازے کے لئے امڈ آنے والی اس خلق خدا کا جوش و خروش قابل دید بھی تھا اور قابل داد بھی۔ جہاں شہید کی قبر کھودی جا رہی تھی، صرف اسی احاطے میں ہزاروں افراد کا بے قرار مجمع ان لوگوں کے دلوں میں مچلتے جذبات کا بھرپور اظہار کر رہا تھا۔ سینکڑوں آدمی ایک قطار میں کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ ان کی باری آئے اور وہ عامر شہید کی آخری آرام گاہ تیار کرنے کے لئے دو کدالیں چلانے کی سعادت حاصل کرسکیں۔ قبرستان سے ذرا فاصلے پر تیار کی گئی جنازہ گاہ میں ایک بہت بڑا اسٹیج تیار کر دیا گیا تھا۔ اسٹیج کے سامنے وسیع و عریض احاطے میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والی مختلف تنظیموں کے ایک ساتھ لہراتے ہوئے پرچم اور تہنیتی پیغامات پر مشتمل بینر اس اتحاد و اشتراک کی غمازی کر رہے تھے، جو شہید ناموس رسالت کے مقدس لہو کی برکت سے قائم ہو چکا ہے...... اور کچھ بعید نہیں کہ یہی وہ صورتحال ہے جس نے دشمنان اسلام کو حیران و ترساں کر رکھا ہے۔ بالیقین وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ مسلمانوں کے ایسے اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ ان کے لئے کسی بھی طرح کے خطرناک حالات کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔

جنازہ گاہ سے کچھ فاصلے پر ہی عامر شہید کے چچا کا گھر واقع ہے۔ میں یہاں پہنچا تو مختلف مسالک کے علماء کرام اور مشائخ عظام تشریف فرما تھے اور گرمی کی شدت کو بھلا کر بھرپور والہانہ انداز میں میت کی راہ میں دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھے تھے۔

گذشتہ شام کے اعلان کے مطابق لاہور ائیرپورٹ پر وزیراعلیٰ پنجاب جناب

پرویز الٰہی نے آج صبح میت وصول کر کے اس کے ہمراہ اپنے ہیلی کاپٹر میں گجرانوالہ آنا تھا، تاہم موصوف اپنے دیگر ضروری کاموں کی وجہ سے اس ''غیر ضروری'' کام کے لئے وقت نہیں نکال سکے۔ چنانچہ کچھ دیگر سرکاری عہدیداروں کے ہمراہ میت گجرانوالہ پہنچی۔ جہاں سے اسے ایک ایمبولینس میں رکھ کر ساروکی چیمہ روانہ کردیا گیا......اور اس کے ساتھ ساتھ پولیس کی چار موبائل گاڑیاں اور ایک چمکتی دمکتی کار روانہ ہوئی۔ اس کار میں علاقہ کے ناظم جناب فیاض بھٹہ بالکل یوں تشریف فرما تھے جیسے وہ کسی قریبی عزیز کی شادی میں شرکت کے لئے تشریف لے جا رہے ہوں۔ دیکھنے والوں کے لئے یہ فیصلہ کرنا بھی بہت مشکل ہو پا رہا تھا کہ پولیس کی یہ چار گاڑیاں شہید کے اعزاز میں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں یا ناظم علاقہ کے پروٹوکول میں......؟

گاؤں میں داخل ہوتے ہی لاکھوں افراد ایمبولینس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے ہوئے اس کی طرف لپکے، یہاں شہید کے دیدار کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا تاہم لوگوں کی کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس ایمبولینس کو چھو لیں، جس میں کائنات کی مقدس ترین ہستی ﷺ کا سچا عاشق اپنا سفر آخرت طے کر رہا ہے۔ لیکن ہجوم اب تک اس قدر بڑھ چکا تھا کہ بہت کم لوگوں کو ہی یہ سعادت حاصل ہو سکی۔ تقریباً پون گھنٹے تک اسی ہجوم میں رینگنے کے بعد ایمبولینس گھر تک پہنچی، جہاں بوڑھی ماں اور جوان بہنیں اپنے اکلوتے بیٹے اور بھائی کو ایک نظر دیکھنے کے لئے تڑپ رہی تھیں۔ آدھ گھنٹے کے لئے تابوت گھر میں رکھا گیا اور اہلخانہ نے شہید کی سرسری زیارت کی۔ اس دوران ہزاروں کا مجمع باہر کھڑا زیارت کے لئے مچل رہا تھا، مگر یہ سب کچھ پروگرام میں شامل ہی نہ تھا۔ گھر والوں سے رخصت ہونے کے بعد میت کو جنازہ گاہ میں لایا گیا تو لاکھوں افراد اپنے عظیم بھائی کا جنازہ پڑھنے کے لئے موجود تھے۔ اس موقع پر مجھے ایک فقہی مسئلہ یاد آ گیا۔

امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے کہ شہید کا جنازہ پڑھنا چاہئے اور باقی ائمہ فرماتے ہیں کہ شہید چونکہ بخشا بخشایا ہوتا ہے، لہٰذا اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ امام ابو حنیفہ سے کسی نے ان کے مؤقف کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہر آدمی کا جنازہ واقعی اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ مرنے والے کی بخشش کا سامان ہو جائے لیکن شہید کا جنازہ ہم اس لئے

پڑھتے ہیں کہ ہماری بخشش و مغفرت کا باعث بن جائے۔ واقعی آج جمع ہونے والا لاکھوں مسلمانوں کا یہ اجتماع اسی لئے حصول برکت کی خاطر یہاں نظر آرہا تھا۔

جنازہ گاہ میں شائقین و عشاق کی بے تابی کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ پورے ایک گھنٹے تک منتظمین کی کوششوں کے باوجود لوگ سنبھل نہیں پائے اور بالآخر جنازہ اس عالم میں پڑھایا گیا کہ لوگوں سے کہا گیا کہ وہ جہاں جہاں کھڑے ہیں اپنا رخ قبلے کی طرف کرلیں ایسے میں بھی بہت سے لوگوں کو رش کی وجہ سے قبلے کی سمت ہی نہیں معلوم ہوسکی۔ بہر حال بہ وقت تمام نماز جنازہ ادا کی گئی، اس حال میں کہ سورج سوا نیزے پر کھڑا تھا اور گرمی کے مارے لوگ بے حال ہوئے جارہے تھے۔ شدید حبس اور ناقابل برداشت بھگدڑ کی وجہ سے پچاس سے زائد افراد بے ہوش ہوگئے۔ خود میں بھی نماز جنازہ پڑھنے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد بے ہوش ہوا اور دو گھنٹے تک بے سدھ پڑا رہا۔ قریبی دوستوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد ہوش میں آیا تو ہنوز لوگوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے والوں کی واپس جانے والی قطار جتنی طویل تھی، اتنی ہی طویل قطار آنے والوں کی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو چار بجے کے اعلان شدہ وقت کے مطابق جنازہ میں شرکت کے لئے آرہے تھے، جبکہ نماز جنازہ وقت سے تین گھنٹہ پہلے ہی ادا کی جاچکی تھی۔ ایسے میں ان متاخرین کے درد و کرب اور افسوس و اندوہ کا کیا عالم ہوگا؟...... یہ انہی سے پوچھا جاسکتا ہے۔

جنازہ گاہ سے شہید کے جسد خاکی کو قبرستان لایا گیا اور وہاں ہزارہا مسلمانوں کی موجودگی میں جرأت و ہمت کے پیکر، عظمت و شرافت کے مینار، ملت اسلامیہ کے قابل فخر سپوت کو سپرد خاک کردیا گیا۔ ایسی عظیم ہستی کے نظروں سے اوجھل ہونے پر جب آفتاب و آسمان نے مل کر محرومی کے آنسو بہائے...... تو اس وقت سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔

دو لاکھ سے زائد افراد اپنے محبوب کو الوداع کہہ کر گھروں کو لوٹ گئے۔ ایک عاشق کے جنازے میں شرکت کی یہ سعادت تادم آخر ان کے قلب و روح کو پاکیزہ اور ان کے مشام جاں کو معطر رکھے گی، بشرطیکہ انہوں نے اس ناقابل فراموش داستان عشق کو فراموش نہ کردیا!

عمر پبلی کیشنز
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،
اردو بازار لاہور فون: 7356963